بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب مستطاب

رموز القرآن

جس میں

بعض آیات قرآنی کی تفسیر اور ان کے رموز و حقائق کو بیان کیا گیا ہے

ذاکرین و واعظین کے لئے بہترین تحفہ

حسب خواہش

الحاج ڈاکٹر سید ندیم الحسن صاحب نقوی ایم بی بی ایس

مصنفہ

حضرت ادیب اعظم الحاج مولانا سید ظفر حسن صاحب قبلہ امروہوی

مصنف دو صد دونہ کتاب

پبلشر و ناشر

شمیم بکڈپو ناظم آباد ۲ کراچی نمبر ۱۸

مطبوعہ: (سندھ آفسٹ پریس کراچی)

132

10/12/93

DAT... ED

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	پارہ	صفحہ نمبر
۱	قرآن سرتاپا ہدایت	۱	۱
۲	کٹر کافر کو عذاب سے ڈرانا فائدہ نہیں دیتا۔	۱	۲
۳	دلوں پر مہر لگانے کا مطلب	۱	۳
۴	اللہ کا استہزاء	۱	۵
۵	اللہ کے مرض بڑھانے کا مطلب	۱	۶
۶	قرآن کی مثل لانے کا چیلنج	۱	۶
۷	خدا نے مچھر کی مثال کیوں دی	۱	۱۰
۸	قرآن کن لوگوں کو گمراہی میں چھوڑتا ہے۔	۱	۱۲
۹	خلافت آدم	۱	۱۴
۱۰	آدم کا جنت سے نکلنا	۱	۱۷
۱۱	اللہ کے سوا دوسروں سے بھی مدد مانگ سکتے ہیں	۱	۲۰
۱۲	لفظ آل کی توضیح	۱	۲۲
۱۳	کوہ طور کا سروں پر بلند ہونا	۱	۲۴
۱۴	بنی اسرائیل کا بندر ہوجانا	۱	۲۶
۱۵	گائے کا قصہ	۱	۲۷
۱۶	حضرت عیسیٰ اور تائید روح القدس	۱	۲۹
۱۷	ہاروت و ماروت	۱	۳۰
۱۸	آیات کے ناسخ و منسوخ ہونے کا بیان	۱	۳۲
۱۹	امامت ابراہیمی	۱	۳۴
۲۰	تعمیر خانہ کعبہ اور اس کا جائے امن ہونا	۱	۳۶
۲۱	حضرت ابراہیم کی دعا مکہ معظمہ کے حق میں	۱	۳۸
۲۲	امت مسلمہ	۱	۳۹
۲۳	تحویل قبلہ	۲	۴۱
۲۴	شہداء راہ خدا زندہ ہیں	۲	۴۷
۲۵	شعائر اللہ	۲	۴۹
۲۶	خون مردار اور لحم خنزیر کی حرمت	۲	۵۱
۲۷	قصاص	۲	۵۲
۲۸	صوم ماہ رمضان	۲	۵۴
۲۹	حج و عمرہ	۲	۵۶
۳۰	انفاق فی سبیل اللہ	۲	۵۸

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	پاره	صفحہ نمبر
۳۱	شراب و جوا	۲	۶۰
۳۲	حیض میں جماع کی ممانعت	۲	۶۲
۳۳	طلاق	۲	۶۳
۳۴	دودھ پلانے کی مدت دو سال	۲	۶۴
۳۵	بیوہ کے سوگ کی مدت	۲	۶۵
۳۶	ایک معصوم کے زندہ ہونیکا واقعہ	۲	۶۶
۳۷	تابوت سکینہ	۲	۶۹
۳۸	نہر طالوت	۲	۷۲
۳۹	دین میں جبر نہیں	۳	۷۳
۴۰	حضرت عزیر کا واقعہ	۳	۷۵
۴۱	حضرت ابراہیم کا پرندوں کو زندہ کرنا	۳	۷۷
۴۲	سود کی حرمت	۳	۷۹
۴۳	راسخون فی العلم	۳	۸۱
۴۴	اسلام اللہ کا دین ہے	۳	۸۴
۴۵	تقیہ	۳	۸۸
۴۶	آل عمران سے کون مراد ہیں	۳	۹۱
۴۷	مریم کے لئے خدا کی طرف سے رزق آنا۔	۳	۹۳
۴۸	حضرت مریم کا دوہرا اصطفا	۳	۹۴
۴۹	مریم کو کسی بشر کا مس نہ کرنا	۳	۹۵
۵۰	حضرت عیسیٰ کا بے باپ کے پیدا ہونا	۳	۹۶
۵۱	حضرت عیسیٰ کے معجزات	۳	۹۷
۵۲	خدا کا مکر کیا ہے	۳	۹۸
۵۳	حضرت عیسیٰ کی مثال آدم جیسی ہے۔	۳	۹۹
۵۴	مباہلہ	۳	۱۰۰
۵۵	میثاق انبیاء	۳	۱۰۳
۵۶	یہودیوں پر اونٹ کا گوشت حرام نہ تھا۔	۴	۱۰۴
۵۷	خانہ کعبہ سراپا ہدایت ہے	۴	۱۰۶
۵۸	خیر امت کون ہیں	۴	۱۰۷
۵۹	جنگ بدر میں ملائکہ کا آنا	۴	۱۰۹
۶۰	شہیدان راہ خدا زندہ ہیں	۴	۱۱۲
۶۱	مرد کو چار نکاح کی اجازت	۴	۱۱۳
۶۲	مطلقہ کا حق	۴	۱۱۵
۶۳	متعہ	۴	۱۱۶
۶۴	مرد کو عورت پر فضیلت ہے	۵	۱۱۸
۶۵	روز قیامت رسول تمام امتوں پر گواہ ہونگے	۵	۱۲۰

نمبر شمار	مضمون	پارہ	صفحہ نمبر
۶۶	آل ابراہیم کو کتاب و حکمت سے مخصوص کیا گیا۔	۵	۱۲۰
۶۷	اولی الامر کون ہیں	۵	۱۲۲
۶۸	جو رسول کا فیصلہ نہیں مانتا وہ مومن نہیں	۵	۱۲۴
۶۹	صدیق کون ہے	۵	۱۲۵
۷۰	رفع عیسیٰ علیہ السلام	۶	۱۲۸
۷۱	اچھائی اور برائی کس کی طرف سے ہے۔	۶	۱۲۹
۷۲	موسیٰ کلیم اللہ ہیں	۶	۱۳۰
۷۳	کلمۃ اللہ اور روح اللہ کے معنی۔	۶	۱۳۱
۷۴	اکمال دین و اتمام نعمت	۶	۱۳۲
۷۵	وضو	۶	۱۳۵
۷۶	نور و کتاب مبین	۶	۱۳۶
۷۷	زمانہ فترت	۶	۱۳۷
۷۸	وادی تیہ	۶	۱۳۸
۷۹	عوج بن عوق	۶	۱۳۹
۸۰	ہابیل و قابیل	۶	۱۴۱
۸۱	وسیلہ تلاش کرنے کا حکم	۶	۱۴۳
۸۲	چور کی سزا	۶	۱۴۳
۸۳	نور	۶	۱۴۴
۸۴	یہود و نصاریٰ کو اپنا سرپرست بناؤ	۶	۱۴۶
۸۵	سچے مومن کی صفات	۶	۱۴۷
۸۶	ولی کون ہے	۶	۱۴۹
۸۷	خلافت علی کی تبلیغ	۶	۱۵۱
۸۸	شراب جوا بت اور پانسے	۷	۱۵۴
۸۹	مائدہ	۷	۱۵۵
۹۰	کتاب خدا میں کوئی چیز نہیں چھوٹی۔	۷	۱۵۸
۹۱	کفار کو نعمتیں کیوں دیں	۷	۱۶۰
۹۲	رسول کے ذریعہ تبلیغ وحی ضروری ہے	۷	۱۶۱
۹۳	توبہ	۷	۱۶۳
۹۴	ابراہیم کو ملکوت سماوات و ارضی دکھائے گئے	۷	۱۶۴
۹۵	حضرت ابراہیم کا استدلال	۷	۱۶۴
۹۶	خدا کا مردہ سے زندہ پیدا کرنا	۷	۱۶۶
۹۷	عدم رویت باری تعالےٰ	۷	۱۶۷
۹۸	نماز کے وقت زینت کا حکم	۸	۱۶۸

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	پارہ	صفحہ نمبر
۹۹	قیمتی لباس پہننا حرام نہیں	۸	۱۶۹
۱۰۰	چھ دن میں زمین و آسمان بنائے گئے	۸	۱۶۹
۱۰۱	خلق و امر	۸	۱۷۱
۱۰۲	خلافت ہارونی	۹	۱۷۱
۱۰۳	رسالت اور کلام کے لئے موسیٰ کا انتخاب میں آنا	۹	۱۷۳
۱۰۴	الواح تورات	۹	۱۷۴
۱۰۵	سامری کا گوشالہ	۹	۱۷۵
۱۰۶	موسیٰ کا طور سے لوٹنا	۹	۱۷۷
۱۰۷	طور پر لیجانے کے لئے موسے کا انتخاب	۹	۱۷۹
۱۰۸	اُمّی کے معنی	۹	۱۸۰
۱۰۹	من و سلویٰ	۹	۱۸۳
۱۱۰	یوم سبت کا واقعہ	۹	۱۸۴
۱۱۱	عہد الست	۹	۱۸۵
۱۱۲	بلعم باعور	۹	۱۸۷
۱۱۳	قرآن میں دل کا ذکر ہے دماغ کا نہیں۔	۹	۱۸۸
۱۱۴	مال و اولاد فتنہ ہیں	۹	۱۹۰
۱۱۵	کیا رسول کے ہوتے امت پر عذاب ہو گا۔	۹	۱۹۱

نمبر شمار	مضمون	پارہ	صفحہ نمبر
۱۱۶	خمس اور اس کے مستحق	۱۰	۱۹۳
۱۱۷	کافر ماں باپ کا رشتہ مسلمان اولاد سے قطع ہو جاتا ہے	۱۰	۱۹۴
۱۱۸	مشرک نجس ہے	۱۰	۱۹۵
۱۱۹	یہود و نصاریٰ کا شرک باللہ	۱۰	۱۹۷
۱۲۰	دین اسلام کا غلبہ تمام ادیان پر	۱۰	۱۹۹
۱۲۱	غار ثور	۱۰	۲۰۰
۱۲۲	رسول کو منافقین سے جہاد کا حکم	۱۰	۲۰۲
۱۲۳	رویت اعمال	۱۱	۲۰۳
۱۲۴	کن مومنوں کے جان و مال کو خدا نے خریدا	۱۱	۲۰۳
۱۲۵	تبرا	۱۱	۲۰۵
۱۲۶	صادقین کون ہیں	۱۱	۲۰۵
۱۲۷	زندگانی دنیا کی مثال	۱۱	۲۰۶
۱۲۸	قوم موسیٰ کے گھر قبلہ تھے	۱۱	۲۰۷
۱۲۹	رسول کی نبوت کا سب سے پہلا شاہد	۱۲	۲۰۸
۱۳۰	کشتی نوح خدا کے سامنے بننے کا مطلب	۱۲	۲۰۹
۱۳۱	کنعان نوح کا صلبی فرزند تھا	۱۲	۲۱۰

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	پارہ	صفحہ نمبر
۱۳۲	زن لوط	۱۲	۲۱۱
۱۳۳	برزخ، دوزخ وجہنم	۱۲	۲۱۲
۱۳۴	اولاد انبیاء سے رشک وحسد	۱۲	۲۱۳
۱۳۵	انبیاء کی قوت شامہ	۱۲	۲۱۴
۱۳۶	یوسف نے زلیخا کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔	۱۲	۲۱۵
۱۳۷	قمیص یوسف کے کرشمے	۱۲	۲۱۶
۱۳۸	یوسف کا بے پناہ حسن اور زنان مصر	۱۲	۲۱۷
۱۳۹	قیدخانہ میں حضرت یوسف کی تبلیغ	۱۲	۲۱۸
۱۴۰	یوسف کی عصمت پر زلیخا کی گواہی	۱۲	۲۱۹
۱۴۱	انبیاء بھی نفس امارہ رکھتے ہیں	۱۳	۲۲۰
۱۴۲	انبیاء وآئمہ نہ چاہیں تو کوئی انہیں پہچان نہیں سکتا	۱۳	۲۲۱
۱۴۳	برادران یوسف پر چوری کا الزام	۱۳	۲۲۱
۱۴۴	برادران یوسف نے یوسف پر چوری کا الزام لگانا	۱۳	۲۲۲
۱۴۵	روتے روتے یعقوب کی بینائی جاتی رہی	۱۳	۲۲۲

نمبر شمار	مضمون	پارہ	صفحہ نمبر
۱۴۶	یعقوب نے پیراہن یوسف کی بو سونگھ لی	۱۳	۲۲۳
۱۴۷	باپ کا بیٹے کو سجدہ کرنا	۱۳	۲۲۴
۱۴۸	زلیخا کا باقی قصہ	۱۳	۲۲۵
۱۴۹	اسلام عقلی دین ہے	۱۳	۲۲۶
۱۵۰	ہر قوم کیلئے ایک ہادی ہوتا ہے	۱۳	۲۲۷
۱۵۱	کتاب خدا کا علم کس کے پاس ہے	۱۳	۲۲۸
۱۵۲	شجرہ طیبہ	۱۳	۲۲۹
۱۵۳	درخت خبیثہ	۱۳	۲۳۰
۱۵۴	حضرت ابراہیم کی دعائیں	۱۳	۲۳۱
۱۵۵	حفاظت قرآن کا دعویٰ اللہ نے کیا ہے	۱۴	۲۳۱
۱۵۶	آسمانی برج اور شیاطین سے حفاظت	۱۴	۲۳۳
۱۵۷	قالب آدم میں نفخ روح	۱۴	۲۳۴
۱۵۸	شیطان کو وقت معلوم تک کی مہلت کیوں دی گئی	۱۴	۲۳۵
۱۵۹	نبی وامام عالم پیدا ہوتے ہیں	۱۴	۲۳۶
۱۶۰	مجبوری میں کلمہ کفر کہنا جائز ہے	۱۴	۲۳۷
۱۶۱	لفظ امت شخص واحد پر بھی بولا جاتا ہے	۱۴	۲۳۸
۱۶۲	شہد کی مکھی اور اسکی خصوصیات	۱۴	۲۳۹
۱۶۳	اگر جان جاتی ہو تو حرام کھا سکتے ہیں	۱۴	۲۴۵

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	پارہ	صفحہ نمبر
۱۶۴	معراج رسول	۱۵	۲۴۹
۱۶۵	ذوی القربیٰ رسول کون ہیں	۱۵	۲۵۰
۱۶۶	ہر شے تسبیح خدا کرتی ہے	۱۵	۲۵۱
۱۶۷	شجرہ ملعونہ	۱۵	۲۵۲
۱۶۸	شیطان کا تسلط خاصانِ خدا پر نہیں ہوتا	۱۵	۲۵۲
۱۶۹	روح کیا ہے	۱۵	۲۵۴
۱۷۰	نو آیات جو موسیٰ کو دی گئیں	۱۵	۲۵۴
۱۷۱	اطاعت والدین کا حکم	۱۵	۲۵۵
۱۷۲	اصحاب کہف	۱۵	۲۵۶
۱۷۳	موسیٰ و خضر کی ملاقات	۱۵	۲۵۸
۱۷۴	یاجوج و ماجوج کا قصہ	۱۵	۲۶۳
۱۷۵	حضرت یحییٰ علیہ السلام	۱۶	۲۶۸
۱۷۶	حضرت مریمؑ کا قصہ	۱۶	۲۷۰
۱۷۷	ادریس نبی	۱۶	۲۷۴
۱۷۸	فاخلع نعلیک کا مطلب	۱۶	۲۷۵
۱۷۹	عصائے موسیٰ کا سانپ بننا	۱۶	۲۷۶
۱۸۰	موسیٰ کی درخواست وزارت کے لئے	۱۶	۲۷۷
۱۸۱	سحر و معجزہ میں فرق	۱۶	۲۷۹
۱۸۲	سامری اور اس کے گوسالہ کا حشر	۱۶	۲۸۰
۱۸۳	آدم کونسی جنت میں تھے	۱۶	۲۸۱
۱۸۴	آدم کا عصیان	۱۶	۲۸۲
۱۸۵	اہل ذکر کون ہیں	۱۷	۲۸۴
۱۸۶	اگر چند خدا ہوتے تو عالم تباہ ہو جاتا	۱۷	۲۸۵
۱۸۷	حضرت ابراہیم کی بت شکنی	۱۷	۲۸۶
۱۸۸	حضرت داؤد کا فیصلہ	۱۷	۲۸۸
۱۸۹	حضرت سلیمان کی سلطنت	۱۷	۲۸۹
۱۹۰	قیامت کا ایک دن ہزار برس کا ہوگا	۱۷	۲۹۰
۱۹۱	مکھی خدا کی خاص صنعت ہے	۱۷	۲۹۱
۱۹۲	خلقت انسانی کے چھ درجے	۱۸	۲۹۲
۱۹۳	برزخ	۱۸	۲۹۴
۱۹۴	پردہ	۱۸	۲۹۵
۱۹۵	نکاح کرنا حکم خدا و سنت رسول ہے	۱۸	۲۹۹
۱۹۶	خدا کے نور کی مثل	۱۸	۳۰۱
۱۹۷	لاشے کیا ہے	۱۸	۳۰۴
۱۹۸	ہر شے تسبیح خدا کرتی ہے	۱۸	۳۰۶

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	پارہ	صفحہ نمبر	نمبر شمار	مضمون	پارہ	صفحہ نمبر
۱۹۹	ہر شے کی خلقت پانی سے ہے	۱۸	۳۰۷	۲۱۸	مادر موسیٰ کو وحی	۲۰	۳۲۷
۲۰۰	اللہ کا وعدہ استخلاف	۱۸	۳۰۸	۲۱۹	موسیٰ کا محل فرعون میں پہنچنا	۲۰	۳۲۸
۲۰۱	اوقات خلوت	۱۸	۳۰۹	۲۲۰	موسیٰ کا ایک قبطی کو قتل کرنا	۲۰	۳۲۹
۲۰۲	جب گھروں میں داخل ہو تو سلام کرو	۱۸	۳۱۰	۲۲۱	موسیٰ آل فرعون	۲۰	۳۳۱
				۲۲۲	موسیٰ کا مدائن پہنچنا	۲۰	۳۳۱
۲۰۳	حضرت ابراہیم کا آزر کیلئے استغفار	۱۹	۳۱۱	۲۲۳	ابوطالب مومن تھے	۲۰	۳۳۴
۲۰۴	لسان صدق کون ہے	۱۹	۳۱۱	۲۲۴	لفظ اُم کے معنی	۲۰	۲۳۵
۲۰۵	نزول قرآن قلب رسول پر ہوا	۱۹	۳۱۲	۲۲۵	انتخاب انبیاؑ و خلفا خدا کے ہاتھ میں ہے۔	۲۰	۲۳۶
۲۰۶	دعوت ذوالعشیرہ	۱۹	۳۱۲				
۲۰۷	آنحضرت کو بازو جھکانے کا حکم	۱۹	۳۱۵	۲۲۶	قارون کا قصہ	۲۰	۲۳۶
۲۰۸	شعرا کی مذمت	۱۹	۳۱۵	۲۲۷	اطاعت والدین	۲۰	۳۴۰
۲۰۹	حضرت موسیٰ کا نبوت پانا	۱۹	۳۱۶	۲۲۸	رسول قرأت و کتابت کیوں نہ کرتے تھے۔	۲۱	۳۴۱
۲۱۰	حضرت سلیمان کا لشکر	۱۹	۳۱۷				
۲۱۱	حضرت سلیمان اور وادی نمل	۱۹	۳۱۸	۲۲۹	مکڑی کا گھر	۲۱	۳۴۱
۲۱۲	حضرت سلیمان اور ہدہد	۱۹	۳۱۹	۲۳۰	قرآن کا علم کچھ لوگوں کے ہی ہے۔	۲۱	۳۴۲
۲۱۳	ہدہد کا بیان	۱۹	۳۲۰				
۲۱۴	تخت بلقیس	۱۹	۳۲۲	۲۳۱	معجزہ کا ظہور خدا کے ہاتھ میں ہے۔	۲۱	۳۴۳
۲۱۵	سلیمان کا خط بلقیس کے نام	۱۹	۳۲۳				
۲۱۶	حضرت سلیمان کا اہل دربار سے خطاب	۱۹	۳۲۴	۲۳۲	مضبوط اور سیدھا دین کیا ہے	۲۱	۳۴۴
۲۱۷	بلقیس کی عقل کا امتحان	۱۹	۳۲۶	۲۳۳	قرابتدار الائمہ رسول کے حق ادا کرنے کا حکم	۲۱	۳۴۵

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	پارہ	صفحہ نمبر
۲۳۴	شرک کیوں ظلم عظیم ہے	۲۱	۳۴۷
۲۳۵	خدا کی نعمتیں کوئی شمار نہیں کر سکتا۔	۲۱	۳۴۹
۲۳۶	حضرت رسول خدا تمام مومنوں کی جانوں پر حاکم تھے	۲۱	۳۵۱
۲۳۷	ازواج رسول	۲۱	۳۵۱
۲۳۸	رسول کے حکم کے بعد کسی کو کچھ کہنے کا حق نہیں	۲۲	۳۵۶
۲۳۹	لے پالک کی زوجہ مطلقہ سے عقد ہو سکتا ہے۔	۲۲	۳۵۶
۲۴۰	محمد کسی امتی کے باپ تھے	۲۲	۳۵۷
۲۴۱	رسول کو ایک خاص نکاح کی اجازت	۲۲	۳۵۸
۲۴۲	بے اذن رسول کے گھر میں داخل ہونے کی ممانعت	۲۲	۳۵۹
۲۴۳	صلوات میں آل محمد داخل ہیں	۲۲	۳۶۲
۲۴۴	نواسیاں داخل اولاد ہیں	۲۲	۳۶۴
۲۴۵	حضرت داؤد کے لئے لوہا نرم ہو جاتا تھا	۲۲	۳۶۵
۲۴۶	حضرت سلیمان کے لئے ہوا اور جنات کا مسخر کرنا	۲۲	۳۶۵
۲۴۷	حضرت سلیمان کی موت کا واقعہ	۲۲	۳۶۹
۲۴۸	وارث کتاب اللہ کون ہے	۲۲	۳۷۰
۲۴۹	امام مبین کون ہے	۲۲	۳۷۳
۲۵۰	حبیب النجار کی تصدیق و دیگر واقعات	۲۲	۳۷۴
۲۵۱	قیامت میں اعضا کا گواہی دینا	۲۳	۳۷۷
۲۵۲	رسول کو شعر گوئی کی ممانعت	۲۳	۳۷۸
۲۵۳	قیامت میں محبت اہلبیت کا سوال	۲۳	۳۷۹
۲۵۴	حضرت ابراہیم کا بتوں سے مکالمہ	۲۳	۳۸۰
۲۵۵	حضرت ابراہیم کا خواب	۲۳	۳۸۰
۲۵۶	یونس اور مچھلی	۲۳	۳۸۶
۲۵۷	حضرت داؤد کو خدا نے ملک بھی دیا تھا اور عقل و حکمت بھی۔	۲۳	۳۸۸
۲۵۸	حضرت داؤد کے سامنے ایک عجیب قضیہ	۲۳	۳۸۹
۲۵۹	سلیمان کے گھوڑوں کا قصہ	۲۳	۳۹۱
۲۶۰	کرسی سلیمان پر ایک مردہ جسم	۲۳	۳۹۴
۲۶۱	ملک سلیمان و تسخیر جنات	۲۳	۳۹۵
۲۶۲	خلقت انسانی بھی قدرت کا کمال	۲۳	۳۹۷
۲۶۳	خواب میں روح کہاں جاتی ہے	۲۳	۳۹۸
۲۶۴	موسیٰ آل فرعون کا قصہ	۲۴	۳۹۹
۲۶۵	شریعت کا آغاز کہاں سے ہوا	۲۵	۴۰۰

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	پارہ	صفحہ نمبر	نمبر شمار	مضمون	پارہ	صفحہ نمبر
۲۶۶	رسول کا اجر رسالت	۲۵	۴۰۱	۲۸۱	رسول نے کبھی کسی بت کی تعریف نہیں کی	۲۷	۴۱۷
۲۶۷	وحی کی صورتیں	۲۵	۴۰۳	۲۸۲	معجزہ شق القمر	۲۷	۴۱۸
۲۶۸	آسمان و زمین کس پر رکے ہوئے	۲۵	۴۰۴	۲۸۳	مس کتابت قرآن	۲۷	۴۱۹
۲۶۹	والدین کے ساتھ احسان	۲۵	۴۰۵	۲۸۴	نبوت و کتاب ذریت ابراہیم کو ملی	۲۷	۴۲۰
۲۷۰	آنحضرت کے گناہوں کی معافی کا مطلب	۲۶	۴۰۵	۲۸۵	حضرت رسول خدا کے متعلق بشارت عیسیٰ	۲۸	۴۲۱
				۲۸۶	دین اسلام تمام ادیان پر غالب آئیگا	۲۸	۴۲۱
۲۷۱	بیعت رسول بیعت خدا ہے	۲۶	۴۰۶	۲۸۷	تمنائے موت کرنا اولیائے خدا کا خاصہ ہے	۲۸	۴۲۲
۲۷۲	نبی کی آواز پر آواز بلند کرنے کی ممانعت	۲۶	۴۰۶	۲۸۸	ذکر رسول کا نام ہے	۲۸	۴۲۳
				۲۸۹	رسول کی دو بیبیوں کے دل ٹیڑھے ہوگئے تھے	۲۸	۴۲۴
۲۷۳	طعنہ دینے اور برا نام رکھنے کی ممانعت	۲۶	۴۰۸	۲۹۰	نوح اور لوط کی بیبیاں	۲۸	۴۲۸
۲۷۴	بدگمانی اور ٹوہ لگانے کی ممانعت۔	۲۶	۴۰۸	۲۹۱	آسیہ زن فرعون	۲۸	۴۲۹
				۲۹۲	عالم امکان کی حد آخر	۲۹	۴۳۰
۲۷۵	انبیاء خدا کے ہاں سے علم لے کر آتے ہیں	۲۶	۴۰۹	۲۹۳	علم غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا	۲۹	۴۳۰
				۲۹۴	نفس کی تین قسمیں	۲۹	۴۳۱
۲۷۶	جن و انس کو عبادت کے لئے پیدا کرنے کا مطلب	۲۷	۴۱۰	۲۹۵	جانکنی کا ہولناک عالم	۲۹	۴۳۲
				۲۹۶	شداد کا بہشت	۳۰	۴۳۳
۲۷۷	ستارہ کا ٹوٹنا	۲۷	۴۱۱	۲۹۷	والد و ما ولد سے کیا مراد ہے	۳۰	۴۳۵
۲۷۸	قاب قوسین او ادنیٰ کا مطلب	۲۷	۴۱۳	۲۹۸	رسول کا شرح صدر اور نصب جانشین کا حکم	۳۰	۴۳۶
۲۷۹	رسول کو معراج میں کیا وحی ہوئی	۲۷	۴۱۵	۲۹۹	زمین کا کلام کرنا	۳۰	۴۳۷
۲۸۰	سدرہ پر جبرئیل کو دوبارہ دیکھنا	۲۷	۴۱۷	۳۰۰			

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ الیٰ یوم الجزاء

(۱) قرآن سراپا ہدایت ہے

پ۱ . الٓمٓ ۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الخ

(یہ وہ کتاب ہے جس میں شک کو راہ نہیں۔ وہ متقیوں کے لئے سرتا پا ہدایت ہے)

کتاب خدا کا دامن وہم ویاس ۔ شک و گمان سے بالکل پاک صاف ہے اس میں جتنا بیان ہے سب یقین کی روشنی میں ہے ۔ قرآن کریم یوں تو کافۃ الناس کے لئے ہدایت ہے ۔ خواہ وہ کہیں بستے ہوں، کسی قوم و قبیلہ کے ہوں یا کسی مذہب و ملت کے بشرطیکہ وہ ہدایت حاصل کرنا چاہیں۔ لیکن پوری پوری ہدایت تو وہ متقی لوگ حاصل کر سکتے ہیں۔ جن کی صفات یہ بیان کی گئی ہیں

۱۔ غیب پر ان کا ایمان ہو۔

۲ - پابندی سے نماز پڑھتے ہوں۔

۳ - جو رزق اللہ نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ راہ خدا میں خرچ کرتے ہوں۔

۴ - جو کتاب (قرآن) رسول پر نازل کی گئی ہے اس کے منجانب اللہ ہونے پر ایمان لائیں۔

۵ - رسول سے پہلے جو کتابیں نازل ہو چکی ہیں ان پر بھی ایمان رکھتے ہوں۔

۶ - قیامت پر بھی ایمان رکھتے ہوں۔

اگر مذکورہ بالا اسنفائد میں سے کسی ایک پر بھی نہ ہوگا تو وہ متقیوں کی فہرست سے خارج ہے۔

Marfat.com

ہوجائے گا اور قرآن سے پوری ہدایت حاصل نہ کرسکے گا۔

غیب پر ایمان بہت سی چیزوں پر شامل ہے۔

وجود باری تعالیٰ ۔ ملائکہ جنت و دوزخ ۔ جزا و سزا ۔ انبیائے سابقین ۔ وجود حضرت حجت حشر و نشر ۔ قیامت ۔ رجعت ۔

انبیائے مرسلین کے بھیجنے کے بعد خدا کی حجت بندوں پر تمام ہوجاتی ہے۔ جو لوگ ان کے بتائے ہوئے احکام الہٰی پر ایمان نہیں لاتے یا ان سے بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں ان کا ایمان ناقص ہے وہ کتاب خدا کی ہدایت سے پورا پورا فائدہ حاصل نہیں کرسکتے ۔

(۲) کٹر کافر کو عذاب سے ڈرانا فائدہ نہیں دیتا

پ۱ ۔ البقرع ۱ ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۔

(جن لوگوں نے کفر اختیار کیا (اے رسول) چاہے تم ان کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان نہیں لائیں گے)

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب خدا نے اپنا یہ فیصلہ سنا دیا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے تو ان کا ایمان نہ لانا باعث عذاب نہیں ہوسکتا کیونکہ علم الہٰی کے خلاف وہ کیسے کرسکتے ہیں جب ان پر تبلیغ کارگر نہیں ہوسکتی تو وہ مجبور قرار پائے ۔

یہ اعتراض اس لئے غلط ہے کہ علم الہٰی افعال عباد پر اثر انداز نہیں ہوتا ۔ ہم جس طرح ماضی کے واقعات کو جانتے ہیں ۔ علام الغیوب خدا اس سے ہزار درجہ بہتر آئندہ کے واقعات کو جانتا ہے پس اس کے علم میں وہ سب باتیں ہیں ۔ جو بندے اپنی آئندہ زندگی میں کرنے والے ہیں ۔ علم الہٰی نے ان کو مجبور نہیں کیا بلکہ وہ خود کفر پر اڑے رہے اس کو ایک مثال سے سمجھیئے !

ایک طبیب یا ڈاکٹر مریض کی حالت کا اندازہ کر کے کہتا ہے اب کوئی علاج اسے فائدہ نہ دے گا۔ یہ ایک ہفتہ کے اندر مر جائے گا اور وہ مر جائے تو اس کی موت کا سبب اس کی جسمانی حالت کی تباہی ہوگا نہ کہ طبیب۔ ورنہ طبیب قاتل قرار پاتا۔

بندہ اپنے فعل میں مختار ہے خدا نے اچھائی اور برائی کے دونوں راستے دکھا دیئے ہیں اِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا پس جو راستہ وہ چاہے اختیار کرے۔ چاہے کافر بنے یا مومن۔ جو کچھ وہ بننے والا ہے وہ خدا کے علم میں پہلے سے موجود ہے اسی کی بنا پر وہ رسول سے کہہ رہا ہے کہ ان کٹر کافر دل کو جیسے ابوجہل وابولہب وغیرہ تم عذاب خدا سے ڈراؤ یا نہ ڈراؤ یہ ایمان لانے والے نہیں۔

(۳) دلوں پر مُہر لگانے کا مطلب

پ۱۔ البقرہ ع۱۔ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۝
(اللہ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر مہر لگا دی اور ان کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں)

یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ جب اللہ نے کافروں کے دلوں اور کانوں پر مُہر لگا دی تو اب وہ ایمان نہ لانے پر مجبور ہو گئے۔ بات یہ ہے کہ جب علم الٰہی میں یہ آ چکا کہ یہ لوگ ایمان لانے والے ہی نہیں تو ان کو ہدایت کرنا بے سود ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر ایک ایسی نشانی بنا دی۔ جس سے فرشتوں کو پتہ چل جائے کہ یہ ایسے کٹر کافر ہیں کہ ان سے ایمان لانے کی امید ہی نہیں لہٰذا ملک الموت مرتے وقت ان کی روح نہایت سختی کے ساتھ کھینچتے ہیں اور رسول ان کے ایمان نہ لانے سے رنجیدہ نہیں ہوتے۔

اللہ کی طرف سے یہ روک نہیں بلکہ ان کافروں ہی کی طرف سے ہے جو بالقصد خود ایمان لانے کا قصد ہی نہیں کرتے۔ اللہ نے ان کو ایمان لانے سے نہیں روکا بلکہ وہ خود رُکے

Marfat.com

لہٰذا ایسے لوگوں کے دلوں پر قدرت کی طرف سے ایسا نشان دیا گیا۔ جس سے پتہ چلے کہ یہ قابل ہدایت نہیں اگر ہم اس علامت کو نہ پہچانیں۔ لیکن خدا کے فرشتے اور رسول پہچان لیتے ہیں فرشتے تو خیر فرشتے ہیں دنیا میں ایسے بہت سے لوگ ہیں جو قیافہ شناس ہوتے ہیں اور لوگوں کا چہرہ دیکھ کر ان کے واردات قلبی کا پتہ چلا لیتے ہیں اور ان کے اخلاقی محاسن و معایب کو ان کے چہروں کے آئینوں میں دیکھ لیتے ہیں اور بتا دیتے ہیں کہ فلاں شخص سنگدل ہے یا رحمدل۔ سخی ہے یا بخیل۔ عالم ہے یا جاہل۔ یہ علامتیں ایسی پوشیدہ ہوتی ہیں کہ عام نگاہیں ان تک نہیں پہنچ سکتیں۔ افلاطون کے متعلق مشہور ہے کہ جو لوگ اس سے ملنے آتے وہ ان کے چہروں سے ان کے باطن کا حال معلوم کر لیتا جو بری طبیعت ہوتے ان سے بات چیت نہ کرتا۔

حصول ہدایت کا تعلق تین ہی چیزوں سے ہے اول کان جن سے انبیاء و مرسلین کی ہدایت کو سنتے ہیں۔ دوسرے آنکھ ہے جس سے آثار قدرت کو دیکھ کر ایمان لاتے ہیں۔ تیسرا دل ہے جس سے دیکھنے اور سننے کے بعد کسی صحیح عقیدہ پر قائم ہونے کا فیصلہ کیا جاتا ہے اگر کوئی شخص ان تینوں دروازوں کو اپنے اوپر بند کر لے تو وہ ہدایت یافتہ ہو ہی نہیں سکتا اور اس پر تبلیغ کرنا وقت کا ضائع کرنا ہوگا۔

زمین شور سنبل بر نیارد ... درو تخم عمل ضائع مگردان

اس آیت کا آخری حصہ یہ ہے وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (ان کے لئے سخت عذاب ہے) اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کا روکنا ہوتا تو پھر عذاب عظیم کا ذکر نہ کرتا۔ یہ عدل الٰہی کے خلاف ہے کہ آپ ہی تو مہر لگا کر ہدایت سے روکے اور پھر ان مجبوروں پر عذاب بھی نازل کرے۔ اسی سے معلوم ہوا کہ بندہ اپنے افعال میں خود مختار ہے۔

Marfat.com

(۴) اللہ کا استہزاء

پ ۱ ۔ البقرع ۲ ۔ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ

(اللہ ان کو ڈھیل دیتا ہے اور وہ اپنی غلطی میں غلطاں پیچاں ہیں) ترجمہ مولانا فرمان علی صاحب مرحوم)

اس آیت میں استہزاء یعنی تمسخر کی نسبت اللہ کی طرف ہے ۔ حالانکہ تمسخر کرنا اللہ کی شان سے بعید ہے ۔ چونکہ اس سے پہلے کی آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ منافقین جب کفار سے ملتے تھے تو کہتے تھے کہ ہم تو مسلمانوں میں شامل ہو کر ان کا مذاق اڑاتے ہیں ۔ ان کے اسی انداز بیان کو ملحوظ رکھ کر اللہ نے فرمایا کہ اللہ ان سے استہزاء کرتا ہے ۔ لیکن اس کے اصلی معنی یہ ہیں کہ ان کو ڈھیل دیتا چلا جا رہا ہے ۔ علم بدیع میں اس اسلوب بیان کو صنعت مشاکلت کہتے ہیں یعنی جس انداز میں کوئی کلام کرے ۔ اسی انداز میں اسی کے الفاظ کے ساتھ جواب دیا جائے

مثلاً ایک برہنہ شخص کسی کے یہاں جا کر مہمان ہوا اور وہ مفلوک الحال تھا ۔ میزبان نے اس سے کہا کہ جو آپ پسند کریں وہ کھانا پکوا دیا جائے ۔ اس نے جواب میں کہا کہ مجھے ایک کرتہ پکوا دیجئے یا مثلاً نصاریٰ جو اپنے بچوں کا اصطباغ (بپتسمہ) کراتے تھے یعنی اس زرد رنگ پانی میں نہلاتے تھے جس میں حضرت عیسیٰ کو نہلایا گیا تھا تو کہتے تھے ہمارا بچہ خدائی رنگ میں رنگا گیا ۔ مسلمانوں پر اعتراض کرتے تھے کہ چونکہ تمہارا اصطباغ نہیں ہوا ۔ لہٰذا ناپاک ہو ۔ خدا نے ان کے جواب میں فرمایا : صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً یعنی اصلی رنگ تو اللہ کا ہے وہی سب سے بہتر رنگنے والا ہے ۔ مسلمانوں نے جواب میں کہا صَبَغَنَا اللّٰهُ بالایمان یعنی اللہ نے ہم کو ایمان سے رنگا ہے ۔ پس اسی صنعت مشاکلت کی بنا پر اللہ نے استہزاء کو اپنی طرف نسبت دی ہے ۔ اس قسم کی یہ آیت ہے

مَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ۔

Marfat.com

(۵) اللہ کے مرض بڑھانے کا سبب

پ البقرع ۲ - فِی قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ط

(ان کے دلوں میں کفر کی بیماری ہے اللہ نے ان کی بیماری کو بڑھا دیا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے)

دل کی بیماری سے مراد کفر ہے۔ اعتراض ہوتا ہے کہ جب اللہ نے دل کی بیماری بڑھائی تو پھر دردناک عذاب کیسا؟ خدا کے مرض بڑھانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کافروں سے اپنی توفیقات کو سلب کر لیتا ہے۔ اس لئے کہ وہ کفر سے ایمان کی طرف آنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ مدد تو نیک کام میں کی جاتی ہے نہ کہ بد کام میں البتہ جو صاحب ایمان ہیں اللہ کی توفیقات ان کے ساتھ ہوتی ہیں جس سے روز بروز ان کے ایمان میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ انعام تو فرمانبرداروں کو دیا جاتا ہے نہ کہ باغیوں اور سرکشوں کو۔ توفیق الٰہی سے یہ مراد ہے کہ وہ اہل ایمان کے لیے ایسے اسباب فراہم کر دیتا ہے جو اس کے ایمان کو زیادہ قوی کرنے والے ہوں کافروں کے لئے وہ ایسا کیوں کرے۔

(۶) قرآن کی مثل لانے کا چیلنج

پ البقرہ ع ۳ ! - وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ۝

(اگر تم اس کلام سے جو ہم نے محمد پر نازل کیا ہے شک میں پڑ گئے ہو پس اگر تم سچے ہو تو ایک سورہ ایسا بنا لاؤ اور خدا کے سوا جو تمہارے مددگار ہوں ان کو بھی بلاؤ پس اگر تم یہ نہیں کر سکتے اور ہرگز نہیں کر سکتے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے اور جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے)

Marfat.com

عرب کو اپنی فصاحت وبلاغت پر بڑا ناز تھا وہ اپنے سوا سب کو عجم یا گونگا کہتے تھے ان کی شاعری کی بڑی دھوم تھی۔ عورتیں، مرد اور بچے تک شعر کہتے تھے۔ جس قبیلہ میں کوئی شاعر ہوتا تو اس کو مبارک باد دی جاتی۔ ان کے نامور شعرا نے سات قصیدے اس دعوے کے ساتھ خانہ کعبہ کی دیواروں پر لٹکائے تھے کہ ہے کوئی جو ایسا کلام پیش کر سکے۔ برسوں تک اس دعویٰ کے طلسم کو کوئی توڑ نہ سکا۔ لیکن جب قرآن نازل ہوا تو ان کے سر جھک گئے۔ جب کسی طرح جواب نہ بن پڑا تو ہٹ دھرمی پر کمر باندھی اور مختلف طریقہ سے افترا پردازیاں کرنے لگے۔

۱۔ یہ خود محمد کا گھڑا ہوا کلام ہے خدا کا نہیں۔

۲۔ یہ تو پرانے زمانے کے قصے کہانیاں ہیں۔

۳۔ ایک عجمی شخص (سلمان فارسی) محمد کے پاس آتا ہے اور یہ سبق پڑھا جاتا ہے۔

۴۔ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔

اس قسم کی بکواس تو کرتے رہے مگر جواب نہ بن پڑا۔ کئی بار نامور ادیب شہرہ آفاق فصحا وبلغا سر جوڑ کر بیٹھے اور اپنی قابلیتوں کا پسینہ چوٹی سے ایڑی تک بہایا مگر عہدہ برآ نہ ہوئے۔ ان کی عاجزی کا ثبوت یہ ہے کہ بار بار لڑائیوں میں بے شمار جانیں گنوائیں۔ ایک سورہ کا جواب لکھ کر لے آتے تو آنحضرت کا دعوے نبوت باطل ہو جاتا۔

آخر کچھ تو اس کلام میں اعجازی شان تھی کہ ان سے جواب نہ بن پڑا اور اس کے سامنے ان کی فصاحت وبلاغت کا سر جھک گیا اور ایک انصاف پسند اور حق نواز طبقہ کو یہ کہنا ہی پڑا۔ ماھذا کلام البشر (یہ آدمی کا کلام نہیں)

جب تک کوئی شخص فن معانی وبیان وبدیع سے لغات عرب سے کما حقہ واقف نہ ہو کلام باری تعالیٰ کی خوبیوں کو سمجھ ہی نہیں سکتا۔ ہم بطور نمونہ چند آیات پیش کرتے ہیں۔

Marfat.com

۱ - فَدَعَا رَبَّهٗ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ (نوح نے اپنے رب سے دعا کی میں مغلوب ہوں میری دعا قبول کر) صرف پانچ الفاظ کی دعا ہے۔ اب اس کے محاسن پر غور کیجئے۔

۱۔ مجیب الدعوات رب کو پکار کر اپنی طرف توجہ دلانا۔

۲۔ دعاؤں کے قبول کرنے والے کی لفظ "رب" کہہ کر مدح و ثنا کرنا۔ تاکہ توجہ جلد ہو اور زیادہ ہو۔ مانگنے سے پہلے اپنے معطی کی مدح کرنا بلاغت کا بہترین اصول ہے۔

۳۔ اپنے حال پر توجہ دلانے کے لئے رحمت و عطوفت پروردگار کا اظہار۔

۴۔ اظہار تواضع و انکسار مانگنے والے کے لئے ضروری ہے۔ سوال میں تاثیر اس سے پیدا ہوتی ہے۔

۵۔ انی مغلوب کہہ کر اپنی بیکسی و بےبسی کا اظہار تاکہ توجہ زیادہ ہو۔

۶۔ عرض حاجت بعنوان شائستہ۔

۷۔ اختصار کلام تاکہ طوالت مخاطب پر بار نہ ہو اور گستاخی نہ قرار پائے۔

غرضیکہ ایک کوزہ میں دریا کو بند کر دیا ہے۔ ایک ذرا سی آیت میں بلاغت کلام کے سات اصول کس خوبی سے پائے جاتے ہیں۔

۲ ۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (اے رسول جب تک تم ان میں ہو ہم ان کو عذاب کرنے والے نہیں) اب اس کے رموز و غوامض پر نظر ڈالیے۔

۱۔ کافروں کو تہدید کی گئی کہ وہ مستحق عذاب ہو چکے ہیں تاکہ وہ حرکات ناشائستہ سے باز رہیں

۲۔ عذاب دینے پر اپنی قدرت کا اظہار۔

۳۔ عذاب نازل کرنا اس کی مصلحت پر موقوف ہے

۴ پیغمبر کی فضیلت اور عزت کا بیان کہ جس قوم میں اس کا وجود ہے اس پر عذاب نازل نہ ہو

(۳) مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ ہم نے تم کو (اے رسول) تمام عالموں کے

Marfat.com

لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے اس مختصر آیت میں پانچ بلیغ نکتے ہیں۔

۱- اپنے غنا کا اظہار کہ ارسال پیغمبر محض از راہ رحمت بر بندگان ہے خود اس کا کوئی نفع نہیں۔

۲- رسول کی رسالت پر نص یعنی ہم نے ان کو رسول بنایا ہے وہ اپنی طرف سے نہیں بنے۔

۳- حضرت کی افضلیت کا اعلان کہ آپ کی رسالت باعث رحمت ہے۔

۴- آنحضرت کی بعثت کافۃ الناس کے لئے ہے صرف عرب سے مخصوص نہیں۔

۵- پیغمبر کے اتباع کی طرف رغبت دلاتا تاکہ اس سے طالب رحمت ہوں۔

یہ تو معنوی خوبیاں تھیں اب ایک نظر لفظی خوبیوں پر ڈال لیجئے۔

الذی یطعمنی ویسقین واذا مرضتُ فھو یشفین

(وہ مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور جب بیمار ہوں تو شفا دیتا ہے)

اس میں صنعت مقابلہ ہے۔ طعام۔ سقا۔ مرض۔ شفا۔ یسقین و یشفین۔ ان دونوں میں صنعت تجنیس ہے دونوں لفظ کتابت میں یکساں ہیں۔ صرف نقطوں کا فرق ہے۔

۲ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ نیک بندے نعمتوں میں ہیں اور بد بندے جہنم میں) ابرار کی ضد فجار۔ نعیم کی ضد جحیم۔ چاروں لفظ ہم وزن۔ غرض اس قسم کی بے شمار خوبیاں ہیں جن کا بیان طاقت بشری سے خارج ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بہت سے انسانوں کا کلام بھی ایسا ہے کہ جس کا جواب دوسروں سے ممکن نہ ہو۔ جیسے سعدی کی گلستان۔ فردوسی کا شاہنامہ، رومی کی مثنوی، غالب کا دیوان۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی کتابوں کے مصنفوں نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ایسا کوئی کلام پیش نہیں کر سکتا اگر یہ دعویٰ ہوتا تو اللہ تعالیٰ ضرور ایسے لوگ پیدا کرتا جو ان کے اس دعویٰ کی تردید کر دیتے۔

Marfat.com

دوسرے طرز نگارش اور اسلوب بیان ہر شخص کا جداگانہ ہوتا ہے اس میں مقابلہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سعدی شاہنامہ نہیں لکھ سکتے اور فردوسی گلستان نہیں لکھی جا سکتی۔ جس سے دونوں کا عجز ظاہر ہوتا ہے اور یہ عجز ظاہر کرتا ہے کہ کلام پر پوری قدرت حاصل نہیں۔ اس کے علاوہ اگر کوئی کلام عیوب لفظی ومعنوی سے قطعاً خالی ہو تو یہ دعویٰ ہو سکتا ہے لیکن انسانوں میں ایسا کلام کسی کا نہیں پایا جاتا۔ چاہے کتنا ہی قادر الکلام ہو۔ کتنا ہی فصیح و بلیغ ہو۔ متضاد خیالات اور مختلف بیانات جس کلام میں پائے جائیں وہ قابل تحدی نہیں سمجھا جا سکتا۔

قرآن نے اپنے معجز نما بیان کے متعلق فرمایا ہے:۔

لو کانَ من عندِ غیرِ اللہِ لوَجَدُوا فِیہِ اختلافًا کثیرا

(اگر یہ کلام خدا کے سوا کسی بندے کا ہوتا تو اس میں بہت کچھ اختلاف پایا جاتا)

اس سے معلوم ہوا کہ ہر مصنف و شاعر کے بیان میں اختلاف خیال ضرور پایا جاتا ہے اور اسلوب بیان بھی بدل جاتا ہے لہذا اس سے تحدی نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ عیب دار کلام قابل تحدی نہیں ہوتا۔ تیسرے اول سے آخر تک کلام کا ایک ہی نوعیت سے چلا جانا کسی مصنف کی تصنیف میں نہیں پایا جاتا۔ کہیں آمد ہوتی ہے تو کہیں آورد اور کہیں جھوٹ ہے تو کہیں سچ۔ کہیں دلیل کمزور ہوتی ہے تو کہیں قوی۔ ایسی صورت میں تحدی کیسی۔ تحدی تو اس کلام سے ہوتی ہے جو رسول کے پاس بطور معجزہ آیا ہو تو دعویٰ نبوت کے ساتھ پیش کیا گیا ہو۔ کسی کتاب کا جواب نہ ہونا اس کی دلیل نہیں کہ وہ معجزہ ہے اور جب معجزہ نہ ہوا۔ تو اس کا جواب حدِ امکان بشری سے خارج نہ ہوگا۔

۷ خدا نے مچھر کی مثال کیوں دی

پ البقرع ۳۔ اِنَّ اللہَ لَا یَسْتَحْیٖٓ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَۃً فَمَا فَوْقَھَا

(خدا نے مچھر اور اس سے بڑھ کر (حقیر چیز) کسی چیز کی مثال بیان کرنے میں نہیں

شرماتا) کفار و مشرکین نے مذاق اڑایا تھا کہ مسلمانوں کا خدا چھوٹی چھوٹی حقیر چیزوں کی مثالیں بیان کیا کرتا ہے ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ان احمقوں نے یہ سمجھا ہی نہیں کہ مچھر باوجودیکہ ایک چھوٹا سا جانور ہے مگر قدرت کے بیشمار راز اس کے اندر پائے جاتے ہیں۔ کیا یہ کچھ کم بات ہے کہ جتنے اعضا ہاتھی میں ہیں اتنے ہی مچھر میں ہیں علم الحیوانات کے ماہروں نے جب مچھر کے متعلق تحقیقات کی تو معلوم ہوا :-

۱- مچھر کے اندر ایک ایسا زہریلا مادہ پایا جاتا ہے کہ انسان کے بدن میں جاتے ہی سارے بدن میں اس کا اثر دوڑ جاتا ہے اور کئی طرح کی بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں ظاہر ہے کہ مچھر کا جثہ ہی کیا ہوتا ہے۔ پھر اس کے اندر کتنا سا زہر ہوتا ہوگا لیکن وہ ذرا سا زہر بھی قیامت برپا کر دیتا ہے۔

۲- افریقہ کے جنگلوں میں ایک قسم مچھروں کی ایسی پائی جاتی ہے کہ ان کے کاٹنے سے انسان کا سارا بدن پھول کر کُپّا ہو جاتا ہے اور بسا اوقات پھٹ کر خون دینے لگتا ہے

۳- باوجودیکہ نرے خفیف جانور ہے لیکن اس کے اندر کا ذرا سا زہر کئی مچھر زدہ آدمیوں کو بیمار ڈالنے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ مچھر کے کاٹنے سے جتنے لوگ مرتے ہیں اور کسی بیماری سے نہیں. کیونکہ اس کے کاٹنے سے مختلف قسم کی مہلک بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

۴- وہ اپنے شکار پر خاموشی سے حملہ نہیں کرتا بلکہ اسے للکار کر کاٹنے آتا ہے. خدا کی شان دیکھو یہ ذرا سا وجود اور یہ جرأت۔

۵- مچھر کے سر میں جو سونڈ ہوتی ہے اس میں دو آلے اور ہوتے ہیں - ایک سوئی دوسری آری - وہ بدن پر بیٹھ کر پہلے بدن میں سوئی چبھوتا ہے پھر آری سے اسے چوڑا کرتا ہے. پھر نلکی سے خون کو کھینچتا ہے اور یہ کام اتنے جلدی کر لیتا ہے کہ آدمی کا ہاتھ اس تک پہنچنے نہیں پاتا۔

Marfat.com

۶۔ مچھر انتہائی سریع الحس ہوتا ہے کہ انسان کا ہاتھ اٹھتے ہی اسے خبر ہو جاتی ہے
۷۔ وہ اپنے وجود کو ایسی جگہ چھپاتا ہے جہاں اسے کوئی دیکھنے نہ پائے۔
۸۔ وہ ہمیشہ رات کو حملہ کرتا ہے اور کھلے ہوئے اعضاء پر کرتا ہے۔ کپڑے کے اندر جا کر اپنے کو مقید نہیں کرنا چاہتا۔
۹۔ وہ اپنی قوت پرواز کا اندازہ کر کے تیز ہوا میں کبھی حملہ آور نہیں ہوتا بلکہ جب حبس ہوا ہو تو یکایک دوڑ پڑتا ہے۔
۱۰۔ اس کے حملے گرمی کے زمانہ میں زیادہ ہوتے ہیں۔ جب کہ انسان کے بدن کا اکثر حصہ کھلا رہتا ہے۔
۱۱۔ وہ گندی جگہوں میں پایا جاتا ہے وہیں سے وہ اپنا زہر حاصل کرتا ہے۔
۱۲۔ اس کے انڈے اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ کھلی آنکھوں سے نظر نہیں آ سکتے بلکہ بڑی طاقت ور خوردبین کے ذریعے سے دیکھے جا سکتے ہیں۔
۱۳۔ ایک ایک مچھر کی نسل سے کئی کئی سو مچھر پیدا ہوتے ہیں۔
۱۴۔ سات روز کے بعد اس کے بچے پرواز کے قابل ہو جاتے ہیں۔

سبحانہ ما اعظم شانہٗ کیسی صاحب قدرت کاملہ ہے وہ ذات جس نے ایک ذرا سے جانور کے اندر یہ کمالات ودیعت فرما دیے ہیں۔ انسان سمجھے یا نہ سمجھے۔

(۸) قرآن کن لوگوں کو گمراہی میں چھوڑتا ہے۔

پ ۱ البقرع ۳۔ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ (قرآن بہتوں کو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے (اور مچھر ہی جیسی مثال سے) بہتوں کو ہدایت کرتا ہے اور گمراہی میں بھی چھوڑتا ہے تو بدکاروں کو)

قرآن کریم خلق اللہ کی ہدایت کو آیا ہے مگر بہت سے بدکار بندے بجائے ہدایت پانے کے گمراہ ہو جاتے ہیں اس کی بہت سی صورتیں ہیں۔

Marfat.com

۱- خدا جو مثالیں بیان کرتا ہے اس پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔
۲- آیات متشابہات کی غلط تاویلیں کر کے اپنا مقصد پورا کرنا چاہتے ہیں۔
۳- اپنی منشا کے خلاف آیات کو نہیں مانتے۔
۴- بعض آیات کے متعلق کہتے ہیں رسول نے اپنے دل سے بنالی ہیں۔
۵- قرآنی آیات کو توجہ سے نہیں سنتے۔
۶- احکام قرآنی پر صحیح طریقے سے عمل نہیں کرتے۔
۷- احکام الٰہی کو قابل ترمیم و تنسیخ سمجھتے ہیں۔
۸- احکام الٰہی کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔
۹- ہدایت کے لئے صرف قرآن کو کافی سمجھتے ہیں۔ اہلبیت علیہم سے تعلق نہیں رکھتے۔

(۹) خلافت آدمؑ

پ۱ البقرہ ع۴ ۱- اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً :-

(اے رسول وہ وقت یاد کرو) جب تمہارے رب نے ملائکہ سے کہا میں روئے زمین پر ایک خلیفہ بنانے والا ہوں) اس سلسلے میں جو آیات ہیں ان میں چند باتیں توضیح طلب ہیں۔

۱- حضرت آدم کی پیدائش سے پہلے روئے زمین پر جنات کی آبادی تھی جن کا سردار ابلیس تھا جو بڑا عبادت گزار تھا اس لئے وہ بعد میں صفوف ملائکہ میں شامل ہو گیا۔
جب قوم جن میں فساد و خون ریزی بہت زیادہ ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو ان کے قتل و غارت کے لئے بھیجا۔ چنانچہ ملائکہ نے ان کے ناپاک وجود سے زمین کو پاک کر دیا۔

۲- جب فضائے قدس میں یہ آواز گونجی کہ میں روئے زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں تو ملائکہ کے دل میں اس خواہش نے چٹکی لی کہ یہ عہدہ ہم ہی کو کیوں نہ ملے اور ابلیس چونکہ مدت تک زمین کے باشندوں (جنات) پر حکومت کر چکا تھا لہٰذا آدم کا نام سن کر

اس کے دل میں آتشِ حسد بھڑکی۔

۳۔ آدم کے قلب میں قوتِ غضبی اور شہوی کو جگہ پاتے دیکھ کر ملائکہ نے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ وجود جس کا نام آدم ہے اپنی قوتِ شہوی کی وجہ سے فساد برپا کرے گا اور قوتِ غضبی کی بنا پر خونریزی کرے گا۔

۴۔ ملائکہ چونکہ معصوم تھے اور مزاج شناس قدرت تھے اس لئے صاف صاف تو اپنی خواہش کو نہ جتایا البتہ ایک لطیف پیرائے میں جو کہنا چاہتے تھے کہہ گئے یعنی آدم کے عیب کو اپنے محاسن کے ساتھ بیان کر دیا۔

اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ

(کیا تو ایسے کو زمین پر خلیفہ بنانا چاہتا ہے جو وہاں فساد برپا کرے گا اور خونریزی کرے گا اور ہم تو تیری حمد کی تسبیح کرتے ہیں اور تیری تقدیس کرتے ہیں)

خدا نے یہ کہہ کر ان کو خاموش کر دیا میں جو کچھ جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔

وہ چپ ہو رہے مگر دلوں میں یہ خلش ضرور رہی کہ قدرت نے ہمارا دعویٰ بے دلیل رد کر دیا۔ وہ جو کچھ دل میں چھپائے ہوئے تھے۔ قدرت کے علم میں تھا۔ آدم کی برتری ثابت کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ آدم کو کچھ اسما تعلیم کر کے ان کے مسمیات کو سامنے لایا گیا۔ ملائکہ سے پوچھا گیا کہ ان مسمیات میں کونسا نام کس کا نام ہو سکتا ہے ملائکہ میں چونکہ قوتِ استنباط (مقدمات کو ترتیب دے کر نتیجہ نکالنا) نہ تھی اس لئے نہ بتا سکے۔ آدم نے اپنی قوتِ استنباط سے کام لے کر بتا دیا۔ ملائکہ نے شرمندہ ہو کر کہا:۔ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا (ہمارے پاس تو اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے سکھا دیا ہے) اس سلسلے میں چند باتیں قابلِ غور ہیں۔

۱۔ خدا نے آدم کو اسما سکھائے (وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا) ملائکہ کو تعلیم نہ دی تو یہ مقابلہ صحیح کیسے ہوا؟ جواب یہ ہے کہ جب آدم کو اسما تعلیم کئے جا رہے

تھے تو ملائکہ بھی سن رہے تھے۔ کیونکہ یہ تعلیم کوئی ڈھکی چھپی نہ تھی۔ دوسرے ملائکہ کو یہ نام پہلے سے معلوم تھے اور مسمیات سے بھی متعارف ہو چکے تھے۔ کیونکہ حدیث رسول ہے کہ محمد و آل محمد خلقت آدم سے چودہ ہزار برس پہلے پیدا ہوئے تھے ملائکہ نے انہی کی تسبیح سے تسبیح سیکھی تھی۔ یہاں تو انہیں صرف یہ بتانا تھا کہ ان انوار مقدسہ میں محمد کس کا نام ہو سکتا ہے علی کس کا اور فاطمہ و حسن و حسین کس کا۔ ملائکہ اس تعین و تشخص میں ناکام رہے۔

۲۔ مفسرین کا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ جو اسما آدم کو تعلیم دیئے گئے وہ روئے زمین کی تمام مخلوقات کے نام تھے۔ از قسم جمادات و نباتات و حیوانات تاکہ جب زمین پر جائیں تو کسی مخلوق کے نام سے واقف نہ ہوں۔ اچھا یوں ہی سہی تو جو جو نام آدم کو تعلیم دیئے گئے ان کے تمام مسمیات بھی وہاں موجود رہنے چاہئیں اور آدم کو ان سب کے نام بتائے تھے۔ کیا بھونڈا خیال ہے۔ دربار ذوالجلال کو ایک بہت بڑی نمائش گاہ فرض کر لیا گیا۔ قبل از وقت سب کے نام بتانے سے فائدہ۔ جب زمین پر آتے تو بالہام ربانی کیا ان کے نام نہیں جان سکتے تھے؟

۳۔ جب اللہ کو کسی سے مشورہ لینے کی ضرورت نہیں تو ملائکہ سے یہ کیوں کہا کہ میں روئے زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کی رائے معلوم کی جا رہی تھی جواب یہ ہے کہ وہ مشورہ طلب بات نہ تھی بلکہ جو خواہش وہ اپنے دل میں لئے ہوئے تھے اس کا ظاہر کرانا اور خلافت کے لئے ان کی عدم اہلیت کا واضح کرنا مقصود تھا

۴۔ ملائکہ نے اپنا استحقاق ثابت کرنے کے لئے جو دلیل پیش کی تھی۔ تسبیح و تقدیس کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید نہیں کی۔ لہٰذا ان کا استحقاق ثابت رہا۔ جواب یہ ہے کہ ان کی یہ دلیل مثبت مدعا نہ تھی۔ کیونکہ اس عہدہ الٰہیہ کے پانے کے لئے صرف تسبیح و تقدیس کافی نہ تھی بلکہ اسے ایسے علم کی ضرورت ہے جو برابر ترقی کرتا رہے اور

Marfat.com

مقدمات کو ترتیب دے کر نتیجہ نکالنے کا ملکہ رکھتا ہو۔ ملائکہ کا محدود علم اس ضرورت کو پورا نہیں کر سکتا تھا۔

۵۔ اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوا۔ کہ اجماع ملائکہ مسئلہ خلافت میں قابل قبول نہیں ہوا۔ پس جب معصوموں کا اجماع نامنظور ہوا تو غیر معصوموں کا اجماع اور وہ بھی ناقص۔ کسی کو خلیفہ بنانے کے لئے کب کافی ہو سکتا ہے۔ جب استحقاق خلافت کا مسئلہ طے ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے فرمایا۔

۶۔ جب میں آدم کا پتلا ٹھیک ٹھاک کر لوں اور اس میں اپنی روح (روح نبوت) پھونک دوں۔ تو تم سب سجدہ میں گر پڑنا۔ اب ملائکہ سمجھے کہ یہ سجدہ تعظیمی جسد آدم کے لئے نہیں ہے بلکہ اس روح نبوت کے لئے ہے۔ جس کی عظمت ہم سے بالاتر ہے۔ بہر حال اس کے بعد ملائکہ کا قصہ تو ختم ہوا۔ اب ابلیس کا قصہ سنیئے۔

ملائکہ کے ساتھ شیطان کو بھی سجدہ کر لینا چاہیئے تھا مگر وہ تو تھا آتش پیکر آتشی مزاج اکڑ گیا اور سجدہ سے انکار کر بیٹھا۔ وکان من الکافرین اور کافروں سے ہو گیا۔

سوال یہ ہے کہ شیطان کافر کیوں قرار پایا۔ وہ موحد تھا اور ایسا موحد کہ اپنا ستیاناس مار لیا۔ مگر خدا کے سوا کسی کو سجدہ کرنے پر راضی نہ ہوا۔ وہ نبوت شناس بھی تھا ورنہ یہ کیوں کہتا کہ میں تیرے سب بندوں کو بہکاؤں گا۔ سوائے تیرے مخلص بندوں کے۔ یہ مخلص بندے انبیاء مرسلین ہی تھے۔ وہ قیامت کا بھی قائل تھا۔

ورنہ قیامت کے دن تک کی مہلت کیوں مانگتا۔ ان تین اصولوں میں سے وہ کسی ایک کا بھی منکر نہ تھا۔ اس نے تو کہا کہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی سے اور آگ مٹی سے افضل ہے۔ پھر یہ کہاں کا عدل ہے کہ فاضل سے مفضول کی تعظیم کرائی جائے۔ وہ دوسرے خلافت کا منکر تھا پس وہ کافروں میں سے ہو گیا۔ یعنی انہی

Marfat.com

سلسلہ میں کافر اور بھی ہوں گے ان میں سے پہلا کافر شیطان بنا۔

لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ خدا نے اس بانی شروفساد شیطان کو پیدا ہی کیوں کیا نہ اسے پیدا کرتا نہ دنیا میں بدی کا رواج ہوتا۔ جواب یہ ہے کہ خدا نے شیطان بنایا نہیں تھا بلکہ وہ اپنی سرکشی سے شیطان بنا۔ اگر شیطان پیدا ہی کیا ہوتا تو وہ ہزارہا سال عبادت خدا نہ کرتا۔ خلافت کو نہ ماننا اس کا ذاتی فعل تھا۔ جس کا اس کی خلقت سے تعلق نہ تھا۔ اگر اس کا وجود دنیا میں نہ ہو تو پھر نیکی نیکی ہی نہ رہے گی۔ کیونکہ نیکی تو بدی کے ترک کرنے کا ہی نام ہے۔ ہر شے اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔

(۱۰) آدم کا جنّت سے نکلنا

پ ۱۔ البقرع ۴ :۔ وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ۝ فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۝

(ہم نے (آدم سے) کہا کہ تم اپنی بی بی سمیت بہشت میں رہا سہا کرو اور جہاں تمہارا دل چاہے اس میں سے بفراغت کھاؤ (پیو) مگر اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ تم اپنا آپ نقصان کرو گے۔ تب شیطان نے آدم و حوا کو دھوکہ دیکر) وہاں سے ڈگمگایا اور آخر جس عیش میں وہ تھے اس سے نکال پھینکا اور ہم نے کہا (اے آدم و حوا) تم زمین پر اتر پڑو تم ہی سے ایک کا ایک دشمن ہوگا اور زمین تمہارے لئے ایک خاص وقت (قیامت) تک ٹھہرنے کی جگہ ہے)

ان آیات کے سلسلے میں چند باتوں پر غور کیجئے۔

۱۔ جس جنت میں آدم تھے وہ کونسی جنت تھی۔ بعض مفسرین لکھتے ہیں وہ جنت الخلد تھی لیکن یہ بات دل کو نہیں لگتی کیونکہ اول تو جنت الخلد سے نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں

ہوتا - دوسرے مور اور سانپ کے ذریعہ سے شیطان کا جنت الخلد میں جانا ناممکن جنت الخلد نیک لوگوں کا مقام ہے وہاں شیطان، مور اور سانپ کا کیا دخل -
تیسرے جنت الخلد میں ایسے درخت کا ہونا عقل تسلیم نہیں کرتی جس کا پھل کھانے سے بدن کے کپڑے اتر پڑیں وہاں کے پھل تو کچھ اور ہی قسم کے ہوں گے -
دوسرا قول یہ ہے کہ وہ جنت ارضی تھی کس خطہ زمین پر تھی اس کو اللہ بہتر جانتا ہے کونسی آنکھ تھی جو اس کو دیکھتی - جنت اس باغ کو کہتے ہیں جس کی زمین گھنے سایہ دار درختوں سے ڈھکی ہوئی ہو - چونکہ آدم زمین ہی کی مٹی سے بنے تھے لہذا ان کو زمین ہی کی جنت میں رہنا چاہئے تھا -

۲- آیات سے یہ معلوم ہوا کہ اس جنت میں جو کچھ غذائیں جہاں جہاں تھیں ان سب کے کھانے کی حضرت آدم کو اجازت تھی - سوائے ایک درخت کے جس کا پھل کھانا ان کے لئے مضر تھا - اس لئے خدا نے اس کا پھل کھانے سے منع کیا تھا اس پھل کے کھانے کا پہلا اثر تو یہ ہوا کہ میاں بی بی دونو کے بدن سے لباس اتر پڑے - یہ مخصوص لباس ہوگا - مادی غذا کا وہ تحمل نہ کرسکا اور اس کے کھانے کے بعد ان کا جنت میں ٹھہرنا ناممکن ہو گیا معلوم ہوتا ہے اس کے اثرات کچھ اور بھی ایسے ہوں گے کہ وہ اس مقدس سرزمین پر رہنے کے قابل نہ رہے -

۳- معتبر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ درخت گندم تھا - گیہوں کھانا آدم و حوا کے لئے حرام تو نہ تھا اس کے کھانے سے جو روکا گیا تو یہ نہی تحریمی نہ تھی - مادی غذا سے بچانے کے لئے اگر اس کا کھانا حرام ہوتا تو آدم کی ساری اولاد کے لئے حرام ہوجاتا کیونکہ جو شے نبی پر حرام ہوتی ہے وہ اس کی ساری امت پر حرام ہوتی ہے -
فتکونا من الظالمین کا مطلب یہ ہے کہ تم دونوں ایسے کھا کر اپنے نفس پر ظلم کرو گے یعنی اپنے کو نقصان پہنچاؤ گے - ظلم کی دو قسمیں ہیں - ظالم لنفسہ جو صرف

Marfat.com

اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے اور ظالم لغیرہ جو دوسروں پر ظلم کرتا ہے۔ پس آدم و حوا نے اپنے اوپر ظلم کیا نہ کسی غیر پر اور ایسا ظلم قابل معافی ہوتا ہے۔ چنانچہ آدم کو معاف کر دیا گیا اور ان کی خلافت باقی رہی۔

۴ - اب رہا شیطان کا بہکانا یعنی دھوکا دینا۔ تو اس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب آدم نبی تھے تو شیطان کا جادو ان پر کیوں چلا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آدم خلیفہ ارضی تھے ان کی نبوت و خلافت کا آغاز زمین پر آکر ہوا۔ اس سے پہلے جو کچھ ہوا وہ قابل مواخذہ قرار نہیں پا سکتا۔ وہ باقتضائے بشریت دھوکہ میں آگئے نہ بلحاظ نبوت و خلافت۔ چونکہ شیطان نے قسم کھا کر اپنا بیان دیا تھا۔ جو قرآن میں مذکور ہے اور اس وقت تک جھوٹی قسم کسی نے نہ کھائی تھی۔ لہٰذا اسم الٰہی کی عظمت و جلالت پر نظر کر کے انہوں نے سچ مان لیا تھا۔ پس اگر زمین پر آکر وہ اغوائے شیطانی کا شکار ہو جاتے تو ضرور قابل اعتراض بات ہوتی۔

۵ - یہ کہنا صحیح نہیں کہ آدم سے گناہ سرزد نہیں ہوا تھا تو جنت سے نکالے کیوں گئے؟ نکالا جانا کسی گناہ کی سزا نہ تھی۔ وہ تو بنائے ہی گئے تھے خلیفۃ الارض ان کو یہاں تو بہر صورت آنا ہی تھا اگر جنت سے نکلنا بطور سزا ہوتا تو پھر خلافت ارضی ان کو ملتی ہی نہیں۔

۶ - یہ بات بھی قابل غور ہے کہ گیہوں آدم و حوا دونوں نے ہی کھایا۔ لیکن عصیاں کی نسبت صرف آدم ہی کی طرف ہے۔ یعنی آدم ربہ فغویٰ۔ بات یہ ہے جن کے رتبہ میں سوا ان کو سوا مشکل ہے۔ بہ حیثیت خلیفہ مقرر ہونے کے اس ترک اولیٰ کا ذمہ دار آدم کو قرار دیا گیا۔ مثل مشہور ہے۔ حسنات الابرار سیئات المقربین (نیکوں کی نیکیاں خدا کے مقرب بندوں کے لئے گناہ سمجھے جاتے ہیں۔ تاریخ میں ہے کہ نادر شاہ کا ایک وزیر ایک روز اس کے سامنے اس طرح آیا کہ اس

Marfat.com

کے لباس کے دو بٹن کھلے ہوئے تھے - نادر شاہ کو اس پر غصہ آگیا اور کہا بدتمیز میرے سامنے سے دور ہو جا -

۷ - قلنا اهبطوا ہم نے کہا زمین پر اتر جاؤ اس سے مفسرین نے یہ مراد لی ہے کہ جنت الخلد سے ان کو زمین پر اتارا گیا - لیکن یہ خیال غلط ہے اھبطو سے یہ مراد نہیں کہ وہ آسمانی جنت سے زمین پر اتارے گئے - کسی بلند مقام سے نیچے مقام پر اترنے کے لئے یہ لفظ بولا جاتا ہے - جیسے بنی اسرائیل سے کہا گیا تھا - اھبطو مصراً یعنی تم وادی تیہ سے نکل کر کسی شہر میں چلے جاؤ - وہاں تم کو تمہاری خواہش کے مطابق پیاز، لہسن، دال، ککڑی سب کچھ مل جائے گا - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آدم جس جنت میں تھے وہ بلند مقام پر تھی لہذا ان کو ہموار زمین پر اتارا گیا تاکہ کھیتی باڑی کریں اور بستیاں بسائیں -

(۱۱) اللہ کے سوا دوسروں سے بھی مدد مانگ سکتے ہیں

پ۱ البقرہ ع ۵ - وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ -

(مصیبت کے وقت روزہ اور نماز کا سہارا پکڑو - البتہ نماز دوبھر ہے مگر ان خاکساروں پر نہیں جو بخوبی جانتے ہیں کہ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور اس کی طرف لوٹ کر جائیں گے)

انسان مدنی الطبع ہے اس کو اپنی ضرورتوں میں اپنے ابنائے نوع سے مدد مانگنا ضروری ہوتا ہے اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کے تمام کام معطل ہو جائیں یہ مدد کبھی تو وہ زندہ لوگوں سے مانگتا ہے کبھی ایسے لوگوں سے جو شہیدان راہ خدا ہیں بظاہر وہ مر گئے ہیں - لیکن اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے کہ ان کو مردہ مت سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اللہ کی طرف سے رزق

Marfat.com

پاتے ہیں۔ یہ کہنا غلط ہے کہ اللہ کے سوا کسی سے مدد مانگنا کفر ہے۔ اس آیت میں روزے اور نماز سے مدد مانگنے کی صاف طور سے اجازت ہے۔ حالانکہ نماز و روزہ بظاہر ہماری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ لیکن ان کے ذریعہ سے ہم کو اپنے نفسانی اور روحانی امور میں اتنی مدد ملتی ہے کہ ہمارے بہت سے بگڑے کام سنور جاتے ہیں۔ مثلاً ہم فحشاء و منکر سے بچ جاتے ہیں اور ان کے بجالانے سے لوگوں کی نظر میں ہمارا احترام قائم ہو جاتاہے اور وقت مصیبت وہ ہماری مدد کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح امور خیر میں۔ مصائب و آلام میں۔ حوادث ارضی و سماوی میں اگر اپنے پیشوایان دین سے مدد مانگتے ہیں تو کیا قابل اعتراض بات ہے۔ آیہ مذکورہ بالا سے جب ہمیں غیر اللہ سے امداد حاصل کرنے کی اجازت ہے تو پھر اعتراض کیوں!

نماز اور روزہ براہ راست تو ہماری مدد کرتے نہیں مگر بالواسطہ کرتے ہیں یعنی ان کے ذریعہ سے ہم فحشاءُ منکر سے بچے رہتے ہیں۔ پس جو پیشوایان دین ہمیں فحشاءُ و منکر سے بچاتے ہیں ان سے ہم براہ راست مدد حاصل کیوں نہ کریں۔

اس آیت کا آخری حصہ یہ ہے۔ اَنَّھُمْ مُلٰقُوْا رَبِّھِمْ۔ اس سے بعض احمقوں نے یہ مراد لی ہے کہ قیامت میں خدا سے بندوں کی ملاقات ہو گی۔ اگر ملاقات کی یہی صورت ہو گی۔ جیسے ہم ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور یہ کہ وہ اپنے تخت پر اس شان سے بیٹھا دکھیں گے کہ وہ لوگوں کے اعمال کی جانچ کر کے جنت یا دوزخ میں جانے کا حکم دے رہا ہو گا۔ تو وہ ہم ہی جیسا آدمی ہوگا۔ وہ خدا کہلانے کے قابل نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ قابل رویت ہوتا تو موسیٰ سے یہ نہ فرماتا۔ لن ترانی تم ہرگز مجھے نہ دیکھو گے نہ اب نہ مستقبل میں۔ نفی بلَنْ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی رویت کسی زمانہ میں نہیں ہو سکتی اگر وہ بندوں سے ملاقات کرتا ہوتا تو شب معراج حضرت رسول خدا سے ضرور گلے ملتا یا کم سے کم مصافحہ ہی کرتا۔ جب اپنے محبوب بندہ ہی سے نہ ملا تو عام لوگوں کا کیا ذکر

Marfat.com

اگر وہ قابل رویت ہوتا تو یہ نہ فرماتا۔ لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ہ (آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں ہاں وہ آنکھوں کا ادراک کر سکتا ہے اور وہ لطیف وخبیر ہے)

(۱۲) لفظ آل کی توضیح

پ۱ البقرہ ع ۶ ۔ وَاَغْرَقْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (ہم نے آل فرعون کو غرق کر دیا در انحالیکہ تم دیکھ رہے تھے) اس آیت میں چند باتیں قابل غور ہیں۔

۱۔ فرعون کے اولاد نہ تھی پھر اس آیت میں آل فرعون کیوں ہے۔

۲۔ اس آیت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرعون غرق نہیں ہوا بلکہ آل فرعون غرق ہوئی۔

۳۔ اگر آل فرعون سے اس کی اولاد مراد نہیں ہو سکتی تو اس کی تمام قوم مراد ہوگی۔

۴۔ اگر آل فرعون سے مراد اس کی قوم ہے تو آل محمد سے مراد تمام امت کیوں نہیں ہو سکتی

حقیقت یہ ہے کہ قرآن میں آل کا لفظ خاندان والوں کے لئے بولا گیا ہے اور اس میں سردار خاندان کو بھی شامل رکھا گیا ہے۔ مثلاً:

وَاٰتَیْنَا اٰلَ اِبْرَاھِیْمَ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ (ہم نے خاندان ابراہیم کو کتاب وحکمت دی) اس سے ابراہیم خارج نہیں کیونکہ وہ بھی صاحب کتاب وحکمت تھے۔ جیسا کہ آیہ صحف ابراہیم وموسیٰ سے ظاہر ہے کہ صاحب کتاب تھے اور آیہ (وَاٰتَیْنَا اِبْرَاھِیْمَ رُشْدَہٗ مِنْ قَبْلُ) سے ظاہر ہے کہ وہ صاحب علم وحکمت تھے۔

پ۱۳ سورۃ یوسف ع ۱ میں ہے۔ وَیُتِمُّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکَ وَعَلٰی اٰلِ یَعْقُوْبَ (اور اس سے پہلے جس طرح (اللہ تعالیٰ) تمہارے باپ دادا پر اپنی نعمت پوری کر چکا ہے اسی طرح تم پر اور آل یعقوب پر اپنی نعمت کو پورا کرے گا) یہاں آل یعقوب سے خاندان یعقوب مراد ہے جس میں یعقوب شامل ہیں۔

22850

Marfat.com

پس آل فرعون کے غرق ہونے میں فرعون شامل ہے اگرچہ غرق ہونے میں قوم فرعون بھی شامل تھی۔ لیکن خاص طور سے خاندان فرعون کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل پر فرعون اور اس کے خاندان والے ہی زیادہ ظلم کر رہے تھے اور ان کے حکم ہی سے دوسرے لوگ ستاتے تھے۔ لہٰذا انہی کا ذکر کرنا ضروری تھا۔

آیہ قال رجل من آل فرعون میں آل فرعون سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص (مومن آل فرعون) خاندان فرعون سے تھا۔ یعنی فرعون کا چچازاد یا ماموں زاد بھائی تھا۔ یہاں یہ مراد نہیں کہ اس کی قوم سے تھا۔ آل فرعون کہہ کر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس بدبخت خاندان میں ایک شخص مومن بھی تھا۔ اگر آل سے مراد قوم لی جائے تو مذکورہ بالا آیت میں کتاب وحکمت کے مالک ملت ابراہیمی کے تمام ماننے والے ہو جائیں گے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ یہ خصوصیت صرف اولاد ابراہیم کی ہے۔ ان میں بھی مخصوص لوگوں کی اس طرح اتمام نعمت تمام انبیائے بنی اسرائیل نبی کی امتوں پر ہونا لازم آئے گا جو بداہتہ باطل ہے۔

اس کی مزید توضیح یہ ہے کہ قرآن میں تابوت سکینہ کا ذکر ہے اس کے اندر جو کچھ تھا اس کا ذکر یوں ہے (فِیْهِ بَقِیَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوْسٰى وَآلُ هٰرُوْنَ) اس میں بقیہ تھا ان چیزوں کا جس کو چھوڑا تھا آل موسیٰ وآل ہارون نے اگر آل سے مراد تمام امت ہو تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ تابوت سکینہ میں تمام امت موسیٰ کی چھوڑی ہوئی چیزیں تھیں حالانکہ مقصود صرف وہ تبرکات ہیں جو خاندان موسیٰ وہارون سے متعلق تھے۔

اس آیت میں آل موسیٰ وآل ہارون آیا ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ آل موسیٰ سے مراد خود موسیٰ ہیں۔ لیکن کیسی عجیب بات ہے کہ خدا فرمائے آل موسیٰ اور مفسرین کہیں مراد ہے موسیٰ۔ کیونکہ موسیٰ کے اولاد نہ تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا جب آل موسیٰ سے مراد صرف موسیٰ ہیں تو قدرت نے لفظ آل کو خواہ مخواہ کیوں زیادہ کیا۔ یہ تو قرآن کے لئے باعث نقص ہے ماننا پڑے گا کہ آل موسیٰ سے مراد آل ہارون ہے جن میں موسیٰ وہارون شامل ہیں

Marfat.com

جیساکہ پہلے بیان ہوا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بھائی کی اولاد بھی مثل اپنی اولاد کے ہوتی ہے۔ حضرت رسول خدا نے حضرت علی سے فرمایا تھا اے علی کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تمہاری منزلت میرے نزدیک وہی ہے جو ہارون کی منزلت موسیٰ کے نزدیک تھی۔ پس جس طرح اولاد ہارون اولاد موسیٰ کہلائی اسی طرح اولاد علی اولاد رسول کہلائی حضرت نے فرمایا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ جَعَلَ ذُرِّیَّۃَ کُلِّ نَبِیٍّ فِی صُلْبِہٖ وَجَعَلَ ذُرِّیَّتِی فِی صُلْبِ عَلِیِّ بْنِ اَبِی طَالِب

(اللہ نے ہر نبی کی اولاد اس کے صلب سے پیدا کی ہے اور میری اولاد صلب علی سے ہے)

آل کا لفظ اپنی اصلاح خاص میں مخصوص افراد خاندان پر بولا جاتا ہے عام اولاد میں نہیں ورنہ انبیاء کی اولاد جو کفار و مشرکین تھے وہ بھی شامل ہو جائیں گے۔

۱۳ کوہ طور کا سروں پر بلند ہونا

پ ۱۔ البقرع ۸۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ۔

(وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے (تعمیل توریت کا) تم سے اقرار لیا اور ہم نے تمہارے سروں پر طور (پہاڑ) کو لا کر لٹکا دیا)

اس بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ طور کو بنی اسرائیل کے سروں پر بطور ایک چھتری کے لٹکا دیا تھا یا ایسا نہیں تھا بلکہ اس کی صورت کچھ اور تھی۔

سرسید احمد خاں نے اپنی تفسیر انوار القرآن میں حسب ذیل تحقیق لکھی ہے:

یہ مضمون قرآن مجید میں دو مقام پر آیا ہے ایک تو اس آیت میں کہ ہم نے تمہارے اوپر طور کو اونچا کیا دوسرے سورہ اعراف میں یہ الفاظ ہیں۔

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْا اَنَّهٗ وَاقِعٌ بِهِمْ

ان دونوں مقاموں میں چار لفظ ہیں۔ رَفع۔ فَوق۔ نَتق۔ ظُلّہ۔ رفع کے

Marfat.com

معنی اونچا کرنے کے ہیں۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو چیز اونچی کی گئی ہے وہ زمین سے معلق بھی ہو گئی ہو۔ دیوار اونچا کرنے کو بھی رفعنا کہہ سکتے ہیں حالانکہ وہ زمین سے معلق نہیں ہوتی۔ فوق کے لفظ کو بھی کسی شے کا زمین سے معلق ہونا لازم نہیں۔ فتق کا لفظ البتہ بحث طلب ہے جس کے معنی مفسرین نے قلع کے بھی لئے ہیں جس کو زمین یا جگہ سے علیحدہ کر لینا لازم ہے۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ اذ فتقنا الجبل فوقھم یعنی قلعناہ ورفعناہ یعنی اکھاڑ دیا اور اس کو ہم نے بلند کر دیا۔

قاموس میں اس کے معنی ہلا دینے کے ہیں اور ہر جنبش جدید کو بھی زعزع کہتے ہیں۔ پس اس آیت کے یہ معنی ہونے کہ ہم نے پہاڑ کو ہلا دیا اور الفاظ ظنوا انہ واقع بھم میں پہاڑ کے ہلنے سے ان کو گمان ہوا کہ وہ ان کے اوپر گر پڑے گا۔

ظُلہ کے معنی سائبان کے ہیں۔ چھتری کے بھی ہو سکتے ہیں اور جو چیز ہم پر سایہ ڈالے اس کے بھی۔ لیکن اس چیز کا زمین سے معلق ہونا لازم نہیں۔ اب غور کرنا چاہیئے کہ یہ واقعہ کیا تھا۔ بنی اسرائیل جو خدا کو دیکھنے کے لئے گئے تھے طور کے نیچے کھڑے تھے پہاڑ ان کے سر پر اونچا اٹھا ہوا تھا وہ اس کے سایہ تلے تھے اور طور بہ سبب آتش فشانی کے شدید حرکت اور زلزلہ میں تھا جس کے سبب وہ یہ گمان کرتے تھے کہ وہ ان پر گر پڑے گا۔ پس خدا نے اس حالت کو یاد دلایا ہے۔" سر سید معجزات انبیاء کے قائل نہیں۔ ان کے عقیدہ میں خارق عادات کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ ہر معجزہ کے متعلق وہ کوئی تاویل ایسی کرتے ہیں جو عادت و فطرت کے مطابق ہو۔ لیکن علمائے اسلام نے اس تاویل کو قبول نہیں کیا۔

میں عرض کرتا ہوں :-

۱- روئے زمین کے آتش فشاں پہاڑوں کی فہرست میں طور کا نام ڈھونڈا نہیں ملتا۔

۲- اگر بالفرض طور اس وقت آتش فشانی کر رہا تھا تو کیا وجہ تھی کہ بنی اسرائیل وہاں سے بھاگ نہ سکے۔

۳- اگر طور اس وقت آتش فشانی کر رہا تھا تو بنی اسرائیل پر اس کا احسان جتانے کا کیا موقع تھا ان کو بچانے کی کیا تدبیر کی گئی جس پر احسان خاص کا اطلاق ہوتا۔

۴- احسان الٰہی تو اس وقت کہا جا سکتا ہے جب کہ طور چھتری کی طرح ان کے سر پر آگیا ہو۔

۵- معجزات اگر سمجھ میں آجائیں۔ تو پھر وہ معجزات ہی نہیں کہے جا سکتے۔

(۱۴) بنی اسرائیل کا بندر ہو جانا

پ بقرع ۸ :- فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ

(ہم نے ان سے کہا تم راندے گئے بندر ہو جاؤ)

مفسرین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ جن بنی اسرائیل نے یوم سبت مچھلیوں کا شکار کر کے حکم خدا کے خلاف کیا تھا ان کے بندر ہو جانے کی کیا صورت تھی۔

۱- وہ ہو بہو بندر کی طرح ہو گئے تھے یعنی ان کا انسانی قالب بندر کا قالب بن گیا تھا

۲- ان کے قلوب میں بندروں کی سی خاصیت پیدا ہو گئی تھی یعنی ان کی عادتیں بندروں کی طرح ہو گئی تھیں۔

بیضاوی نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ ان کی صورتیں مسخ نہیں ہوئی تھیں بلکہ ان کے دل بندروں جیسے ہو گئے تھے اس لئے ان سے تشبیہ دی گئی۔ جیسا کہ سورہ جمعہ میں کچھ لوگوں کو گدھوں سے تشبیہ دی گئی ہے کَمَثَلِ الْحِمَارِ (ان کی مثال گدھوں کی سی ہے) یعنی جس طرح گدھوں پر کتابیں لاد دی جائیں اور ان سے گدھوں کو کوئی فائدہ

Marfat.com

نہ پہنچے۔ ایسے ہی یہ لوگ ہیں۔ پس جن لوگوں کو بندر بن جانے کا حکم ہوا تھا وہ بندروں کی سی حرکات کرنے لگے تھے۔

دوسرے گروہ کا یہ خیال ہے کہ ان کی صورتیں مسخ ہو کر بندروں جیسی ہو گئی تھیں وہ تین روز اسی حالت میں زندہ رہے اس کے بعد مر گئے۔ ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی پہلے گروہ کا خیال دل کو نہیں لگتا۔ یہ سزا تو اس لئے دی گئی تھی کہ اور لوگوں کو عبرت ہو۔ اگر ان کا دل بندروں کا سا ہو گیا تھا تو اس کی شناخت کرنے والے چند ہی آدمی ہو سکتے ہیں۔ وہ بھی ایسے لوگ جو ان کے حرکات و سکنات سے اس کا پتہ چلا سکتے ہوں کہ ان کے دل آدمیوں کے سے نہیں بلکہ بندروں کے سے ہیں۔ لہٰذا دوسرے لوگوں کو ڈرانے اور تنبیہ کرنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ ان کی صورتیں مسخ کر کے بندروں کی سی بنا دی جائیں۔ قدرت کے نزدیک یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ جس خدا نے حضرت عیسٰے کا ہم شکل ایک یہودی کو بنا دیا تھا۔ کیا وہ نافرمان بنی اسرائیل کی صورت کو بندر جیسی صورت کا نہیں بنا سکتا تھا

بعض مفسروں نے لکھا ہے کہ موجودہ بندر انہی کی نسل سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسی زنگ آلود عقلوں پر رحم کرے۔ کوئی ان سے پوچھے کیا اس سے پہلے دنیا میں بندر نہ پائے جاتے تھے پھر یہ کیسے فرض کر لیا جائے کہ موجودہ بندر انہی کی نسل سے ہیں۔

(۱۵) گائے کا قصّہ

پ۱ البقرع ۹۔ وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى (جب ایک شخص کو تم نے مار ڈالا اور تم میں اس کی بابت پھوٹ پڑ گئی (کہ ایک دوسرے کو قاتل بتانے لگے) اور جو تم چھپاتے تھے اللہ کو اس کا ظاہر کرنا منظور تھا ہم نے کہا اس گائے کے ٹکڑے کو اس کی لاش پر مارو خدا مردہ کو زندہ کرتا ہے)

واقعہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص کو قتل کر دیا گیا تھا اور اس کے قاتل کا پتہ نہ چلتا تھا۔ لوگوں نے حضرت موسٰے کے سامنے یہ قضیہ پیش کیا۔ وحی نے ان کو بتایا کہ ان سے کہو

Marfat.com

کہ ایسی گائے کو ذبح کرو جو خوب گہرے رنگ کی زرد ہو۔ اور یہ رنگ ایسا کھلتا ہوا ہو کہ دیکھنے والے کی نظر میں بھلا معلوم ہو۔ وہ گائے نہ تو بہت بوڑھی ہو نہ بچھیا بلکہ اوسط عمر کی ہو اور یہ کہ نہ تو اس نے زمین جوتی ہو نہ کھیتوں کو سینچا ہو۔ خاصی بھلی چنگی ہو اس کے بدن پر کوئی داغ دھبہ نہ ہو۔ اسے ذبح کرو اور اس کا ایک حصہ مقتول کے جسم پر مارو۔ وہ زندہ ہو جائے گا۔ چنانچہ یہ عمل کیا گیا تو وہ زندہ ہو گیا۔

یہ حضرت موسٰے کا معجزہ نہ تھا کیونکہ انہی لوگوں نے ذبح کیا تھا فذبحوہ وما کادوا یفعلون ہ اور انہوں نے ہی مقتول کے جسم پر گائے کا ایک پارچہ مارا۔ حضرت موسٰے کو اس تمام کارروائی میں کوئی دخل تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ غیر معصوموں کے ہاتھ سے ایسا اعجاز نما عمل کیوں ظاہر ہوا۔ میں کہتا ہوں اس کی قدرت محدود نہیں وہ جس کے ہاتھ سے جو چاہے کر کے دکھا سکتا ہے جو کچھ ہوا وہ وحی کی تعلیم سے ہوا۔

ہر زمانہ کے سائنس دان اسرار قدرت کی نقاب کشائی میں بڑا کمال رکھتے آرہے ہیں بڑے بڑے سربستہ راز معلوم کر کے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ لیکن حضرت موسٰی کے زمانہ سے آج تک کسی نے اس امر کی طرف توجہ نہیں کی۔ خدا کا بتایا ہوا نسخہ ہے غلط تو نہیں ہو سکتا۔ تمام مسلمان قرآن کو روز پڑھتے چلے آرہے ہیں مگر اس طرف کوئی متوجہ نہ ہوا۔

مسلمان سلاطین نے علم کیمیا، فلسفہ، حیاتیات کے بیشمار پیچیدہ مسائل کو علماء سے حل کرایا لیکن اس مسئلہ کے حل کے لئے آج تک کوئی بورڈ نہ بٹھایا۔ تمام مفسرین خاموش ہیں۔ کوئی نہیں بتاتا کہ ایسا کیوں ہوا اور آیا پھر بھی ہو سکتا ہے یا نہیں۔ قدرت نے بیکار تو اس قصے کو نہیں بیان کیا۔ مردہ کو زندہ کرنے کا یہ قصہ سنا کر گویا قدرت نے موت کا علاج بتا دیا میں عرض کرتا ہوں کہ اگر ایسی گائے مل جائے تو ضرور مردہ زندہ ہو جائے گا۔ لیکن ایسی گائے اب ملے ہی گی نہیں۔ ورنہ قانون قدرت میں خلل پڑ جائے گا۔ ایک بار اس نے

Marfat.com

اپنی قدرت کا کرشمہ دکھا دیا۔ اگر ہر گائے میں یہ خصوصیت پیدا ہو جائے تو پھر دنیا میں کوئی مرے ہی گا نہیں۔

(۱۶) حضرت عیسیٰ اور تائید روح القدس

پ۱ البقرہ ع۱۱۔ وَاٰتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَاَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ۔

(ہم نے عیسیٰ بن مریم کو بہت سے روشن اور واضح معجزات دیئے اور روح القدس نے ان کی تائید کی)

حضرت عیسیٰ مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ مبروص و مجذوم کو اچھا کر دیتے تھے لوگوں کے گھروں میں جو چیزیں ذخیرہ ہوتی تھیں وہ ان کو بتا دیتے تھے۔ اندھوں کو بینا کر دیتے تھے۔ انہوں نے آغوش مادر میں کلام کیا۔ انہوں نے مٹی سے ایک چڑیا بنا کر باذن خدا اسے اڑا دیا۔ اس آیت سے عیسائیوں کے اس عقیدہ کی تردید ہوتی ہے کہ تین خدا ہیں۔ ایک اللہ۔ دوسرے روح القدس۔ تیسرے عیسیٰ مسیح۔ ان تینوں کو وہ اقنوم ثلاثہ کہتے ہیں اور یہ بھی انہوں نے فرض کر لیا ہے کہ یہ تینوں مل کر ایک ہیں اور ایک میں تین جز و شامل ہیں۔

سوال یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام روح القدس کے جو ہمیشہ ان کے ساتھ رہتا تھا محتاج تھے یا نہ تھے اگر نہ تھے تو اس کے ساتھ رہنے کی کیا ضرورت تھی اور انجیل میں یہ کیوں ہے کہ روح القدس نے مریم کے اندر روح پھونکی یعنی اس سے عیسیٰ پیدا ہوئے پس احتیاج ثابت ہوئی اور جب وہ محتاج تھے تو ان کو ذات واجب اور خالق کل کے ساتھ شریک کرنا کیسا۔

اللہ تعالیٰ نے روح القدس (جبریل) کو ان کا مددگار بنایا ہے نہ کہ خدائی میں ان کا شریک۔ قرآن تو یہ بتاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ جو معجزہ دکھاتے تھے اس کو باذن الٰہی دکھاتے تھے اپنی طرف سے نہیں۔ حضرت عیسیٰ کا مخلوق ہونا محتاج بیان نہیں پس جو

مخلوق ہے وہ ذات واجب کے ساتھ قدم میں کیسے شریک ہو سکتا ہے جس کو روح القدس کی تائید اور مدد کی احتیاج ہو۔ وہ بے نیاز ذات قدیم کیسے بن جائے گا

(۱۷) ہاروت و ماروت

پ بقرہ ع ۱۲ :- وما کفر سلیمانُ ولکن الشیاطین کفرُوا یعلّمون النّاس السحرَ وَمَا اُنزل علی المَلکَیْنِ ببَابُل ھاروتَ ومَاروت ومَا یُعلّمانِ مِن احَدٍ حتی یقولُ انما نحنُ فِتنَۃٌ فلَا تکفرُ فیتعلّمونَ منہما ما یُفرّقون بہ بین المرءِ وزَوجِہٖ ومَاھم بِضَارّینَ بہ مِن اَحدٍ اِلّا باذن اللہ الخ۔

(سلیمان نے کفر اختیار نہیں کیا بلکہ شیطانوں نے اختیار کیا وہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے اور وہ چیزیں جو ہاروت و ماروت دونوں فرشتوں پر بابل میں نازل کی گئی تھیں۔ حالانکہ وہ دونوں فرشتے کسی کو سکھاتے نہ تھے جب تک یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم دونوں تو فقط ذریعہ آزمائش ہیں۔ پس تم اس پر عمل کر کے بے ایمان نہ ہو جانا۔ اس پر بھی وہ لوگ ان سے ٹوٹکے سیکھتے تھے جن کے ذریعہ سے میاں بی بی میں تفرقہ ڈال دیں۔ حالانکہ بے اذن خدا وہ ان چیزوں سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے)

اب مفسرین اور مؤرخین کی تک بندیاں سُن لیجیے :-

۱- ہاروت و ماروت بابل کے دو بدمعاش تھے جنہوں نے شیطان سے جادو سیکھا تھا اور وہ لوگوں کو سکھا کر میاں بی بی میں تفرقہ ڈالتے تھے کیسی عجیب بات ہے خدا ان کو فرشتہ کہتا ہے اور یار لوگ انہیں بدمعاش بناتے ہیں ؎

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

۲- دو فرشتے خدا نے بشکل انسان بھیجے تھے جب زمین پر آئے تو دو رنڈیوں پر جن کے نام زہرہ و مشتری تھے عاشق ہو گئے۔ انہوں نے کہا جب تک تم ہم کو اسم اعظم

Marfat.com

نہ سکھاؤ گے۔ حظِ وصل سے محروم رہو گے۔ چونکہ ان پر عشق کا جنون سوار تھا لہٰذا بتا بیٹھے وہ اسم اعظم پڑھ کر آسمان پر اڑتی چلی گئیں۔ قدرت نے ایک کو زہرہ ستارہ بنادیا اور دوسری کو مشتری ستارہ ۔ لاحول ولا قوۃ کیسی مضحکہ خیز داستان ہے۔ ہمارے شعراء آج تک شاہانہ محفلوں میں جہاں زمین پر رنڈیوں کا ناچ بیان کرتے ہیں۔ آسمان پر اس خوشی میں زہرہ و مشتری کو رقص کرتا بیان کرتے ہیں۔ کلامِ باری تعالیٰ کی کیا خوب قدر ہوئی۔

کہتے ہیں اس جرم کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے ہاروت و ماروت کو بابل کے کنوئیں میں الٹا لٹکا دیا اور قیامت تک وہیں لٹکے رہیں گے اور ان کی ناک اور منہ سے دھواں نکلتا رہے گا۔ عیاذاً باللہ ۔ ان داستانوں نے طلسم ہوش ربا اور الف لیلے کی داستانوں کو مات کر دیا۔ ایسی خرافات بیان کر کے مؤرخین اسلام نے اپنا بھرم کھو دیا ہے اور کہاں کی بات کہاں پہنچا دی۔

واقعہ صرف اتنا ہے کہ حضرت سلیمان کے زمانہ میں شیاطین نے لوگوں کو جادو سکھانا شروع کیا اور یہ ظاہر کیا کہ ہم نے سلیمان سے سیکھا ہے انہی جادو کے زور سے وہ سلطنت کر رہے تھے لوگ ان کے جھانسہ میں آ گئے ۔ شیطان نے جادو سیکھ کر ان کم بختوں نے شوہروں سے بیبیوں کو جدا کرنا شروع کر دیا ۔ ہر طرف زناکاری کا دور دورہ ہو گیا ۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت جوش میں آئی ۔ اس نے دو فرشتوں کو جن کے نام ہاروت و ماروت تھے بشکل انسان زمین پر بھیجے تاکہ وہ لوگوں کو جادو کا توڑ سکھا کر اس مصیبت سے بچالیں۔ لیکن ان شرطوں سے کہ وہ بار بار اظہار کریں کسی پر کریں نہیں اور یہ بھی بتا دیا کہ قدرت نے ہمارے ذریعہ سے تمہارا امتحان لیا ہے جنہوں نے خلاف ورزی کی ان کے جادو کا اثر جاتا رہا۔

یہاں ایک اعتراض پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ اگر ہاروت و ماروت فرشتے تھے تو خدا نے فرشتوں کے ذریعے جو جادو کا توڑ تعلیم کرایا وہ از قسم جادو ہی ہو گا۔ کیونکہ ان سے کہہ دیا

Marfat.com

تا کہ تم دوسروں پر جادو نہ کرنا اور شوہروں سے بیبیوں کو جدا نہ کرنا۔ جادو کرنا خلاف شریعت ہے اور بنی نوع انسان پر ظلم تو خدا نے فرشتوں کو اس کی تعلیم دے کر کیوں بھیجا اگر جائز بھی ہوتا تو یہ کام حضرت سلیمان سے لیا جا سکتا تھا نیز یہ کہ جادو کا رد کیا اسما ئے الہی کے ذریعہ سے نہیں ہو سکتا تھا۔

اس اعتراض سے بچنے کے لئے بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ ہاروت و ماروت بابل کے دو نیک بندے تھے۔ بعض نے ان کو بادشاہ لکھا ہے اب رہا ملک کہنا تو نیک بندوں پر یہ لفظ بولا جا سکتا ہے جیسا کہ زنان مصر نے حضرت یوسف کے متعلق کہا تھا اِن ھٰذا اِلاَّ مَلَکٌ کریم (یہ نہیں ہے مگر پاک طینت فرشتہ) اسی طرح قدرت نے ان دو نیک بندوں کے لئے "ملک" بولا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب تاویلیں شیطانی ہیں۔ بات یہ ہے کہ فرشتوں کو انہیں جادو کا توڑ سکھانا تھا لیکن جب تک جادو کو پہلے نہ بتاتے وہ کیا سمجھتے جادو کیا ہے اور اس کا توڑ کیسے کیا جا سکتا ہے۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ اگر ہم کسی کو سمجھائیں کہ گالیاں نہ دیا کرو یہ بری چیز ہے تو ضرورت ہے کہ دو چار گالیاں بیان کر کے سمجھائیں ورنہ وہ کیسے سمجھے گا کہ گالی کیا چیز ہوتی ہے یا مثلاً کسی سے کہیں زہر نہ کھانا اس سے آدمی ہلاک ہو جاتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی بتانا ضروری ہوگا کہ زہر ہے کیا پس فرشتوں پر کوئی الزام عائد نہیں ہوتا۔

(۱۸) آیات کے ناسخ و منسوخ ہونے کا بیان

پ بقرع ۱۱۳۔ مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰیَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَیۡرٍ مِّنۡهَاۤ اَوۡ مِثۡلِهَا (ہم جب کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں یا تمہارے ذہن سے مٹا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا ویسی ہی اور نازل کر دیتے ہیں)

Marfat.com

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا بہت اختلاف ہے ۔

۱۔ سرسید احمد خاں نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہاں آیت سے مراد قرآن کی آیت نہیں بلکہ وہ احکام ہیں جو یہودیوں کے لئے تھے اور اسلام میں بدل گئے۔ یہودی کہا کرتے تھے کہ توریت کے احکام دوامی ہیں جو قیامت تک بدلنے والے نہیں۔ اس آیت میں ان کے عقیدہ کی تردید کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ ہم مصلحت وقت جو سابق حکم بدلتے ہیں اس کی مثل یا اس سے بہتر کوئی دوسرا حکم لے آتے ہیں۔ مثلاً یہودیوں کے لئے احکام سبت داخل حسنات تھے۔ اسلام میں اس کو بدل کر جمعہ کا دن قرار دیا گیا۔ یہودی مشرق کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے ہیں۔ مسلمانوں کو مغرب کی طرف منہ کرکے پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ اسی طرح دین موسوی کے دیگر احکام جو شریعت اسلامی میں منسوخ ہو گئے ہیں۔ سرسید نے اپنی تفسیر میں اس امر پر پورا زور دیا ہے کہ قرآن میں کوئی آیت منسوخ نہیں ۔

سید صاحب کا یہ کہنا نسخ مطلق کے ساتھ نہیں۔ کیونکہ بعض آیات اگرچہ منسوخ التلاوہ نہیں مگر منسوخ الحکم ضرور ہیں۔ مثلاً زمانہ جاہلیت میں جس عورت کا شوہر مرجاتا تھا وہ سوگ میں ایک سال بیٹھتی تھی لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا اور عدت کی مدت صرف چار ماہ دس دن رہ گئی اکثر مفسرین نے یہی لکھا ہے کہ آیہ مذکورہ میں جو لفظ آیت ہے اس سے مراد قرآن ہی کی آیت ہے ۔

مولانا فرمان علی صاحب مرحوم نے اپنے مترجمہ قرآن پر حسب ذیل حاشیہ لکھا ہے ۔

قرآن مجید جب تک نازل ہوتا رہا کبھی کبھی کوئی آیت حسب مصلحت و موقع منسوخ التلاوہ ہوتی رہی۔ اس پر مخالفین اسلام نے اعتراض کیا اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ ہم بندوں کے مصالح سے خوب واقف ہیں اور بندوں کی حالت یکساں نہیں رہتی۔ ہر ایک حالت کے متعلق ایک حکم دیا جاتا ہے اور ہم کو ان کی حالتوں میں تصرف کا اختیار حاصل ہے جس طرح مناسب سمجھا جاتا

Marfat.com

ان کو تعلیم دی جاتی ہے۔

القرآن المبین کے حاشیہ پر جناب امداد الملت مولانا سید امداد حسین صاحب قبلہ کاظمی نے لکھا ہے۔

محمد بن مسلم نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر میں یہ روایت لکھی ہے کہ ناسخ وہ آیت ہے جس سے امر سابق بحکم مصلحت تبدیل یا منسوخ کردیا جائے جیسے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم پر جو عذاب آنے والا تھا اور انہوں نے سچے دل سے توبہ کی تو خدا نے رحمت فرمائی اور عذاب ان سے ہٹا لیا۔ بہرحال کسی آیت کی تنسیخ ہو یا کسی امر کی اللہ تعالےٰ کے اختیار میں ہے جب چاہے بدل دے جیسا کہ فرماتا ہے یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَاءُ وَ یُثْبِتُ اللہ جو چاہتا ہے محو کر دیتا ہے اور جو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے۔

او ننسھا کے یہ معنی غلط ہیں کہ اے رسول تم کو بھلا دیتے ہیں۔ بھولنا منصب رسالت کے خلاف ہے بلکہ یہ معنی ہوں گے کہ تمہارے ذہن سے مٹا دیتے ہیں۔ رسول کو بذات خود نسیاں عارض نہیں ہوتا لیکن اگر خدا خود اسے ذہن رسول سے مٹا دے تو دوسری بات ہے۔

---

(۱۹) امامت ابراہیمی

پ البقرع ۱۵۔ ۱۔ وَ اِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ۔

(وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیم کو ان کے پروردگار نے چند باتوں میں آزمایا اور انہوں نے پورا کر دیا تو خدا نے فرمایا میں تم کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ انہوں نے

Marfat.com

عرض کی اور میری اولاد سے بھی بنائے گا فرمایا ہاں مگر میرے عہد پر ظالموں میں سے کوئی فائز نہیں ہو سکتا۔ اس میں اختلاف ہے کہ وہ کونسی باتیں تھیں جن میں امتحان لیا گیا تھا۔

مولانا فرمان علی صاحب نے اپنے مترجمہ قرآن کے حاشیہ پر لکھا ہے:۔

ایک روایت میں ہے کہ وہ یہ باتیں تھیں (۱) اگر سارے سر پر بال ہوں تو مانگ نکالنا (۲) کلی کرنا (۳) ناک میں پانی دینا (۴) تین دفعہ دن میں مسواک کرنا (۵) مونچھوں کو کٹوانا (۶) بغل کے بال منڈوانا (۷) زیر ناف کے بال لینا (۸) ختنہ کرانا (۹) استنجا کرنا (۱۰) ناخن کٹوانا۔ انہی باتوں کا نام سنت ابراہیمی ہے۔

مولانا کا یہ حاشیہ دل کو نہیں لگتا۔ امامت جیسا جلیل القدر عہدہ اور اس کا امتحان ایسا معمولی جس کو ایک سلیم الطبع پاکیزگی پسند انسان بغیر امتحان کے بجالاتا ہے۔ پھر اس امتحان کی صورت یہی ہو گی کہ ان سے کہا گیا ہو گا کہ یہ سب کام کر کے آؤ تو امامت جیسا عظیم الشان عہدہ تم کو ملے گا۔ کیا حضرت ابراہیم اس عہدہ کے ملنے سے پہلے کلی نہ کرتے تھے۔ مسواک نہ کرتے تھے۔ موئے زہار نہ مونڈتے تھے۔ استنجا نہ کرتے تھے۔ ناخن نہ کٹواتے تھے۔ انبیاء کا کیا ذکر عام آدمی ایسا کیا ہی کرتے ہیں۔ کیا اس وقت سب انسان وحشی تھے۔

جانے دیجئے ان سب باتوں کو اس امتحان سے پہلے حضرت ابراہیم نبی تھے، رسول تھے، خلیل تھے کیا اس وقت ان سب باتوں پر عمل نہ تھا۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ ان سب باتوں کی تعلیم آپ نے اپنے زمانہ کے لوگوں کو دی ہو اور اس بنا پر یہ چیزیں سنت ابراہیمی کہلاتی ہوں۔ یہ دوسری بات ہے لیکن امامت کے لئے یہ امتحان کیوں کر قرین عقل ہو گا اس عہدہ جلیلہ کے لئے تو بڑے سخت امتحان کی ضرورت تھی۔

تفسیر مجمع البیان امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ کلمات سے مراد ذبح اسمٰعیل ہے۔ بیشک یہ بہت سخت امتحان تھا۔ جب وہ اس امتحان میں ثابت قدم رہے

Marfat.com

تو امامت خلق کا عہدہ سب سے پہلے ان کے سپرد کیا گیا۔ جب امامت پانے کی خوشخبری سُن لی تو بارگاہ باری میں عرض کی میری اولاد کو بھی یہ عہدہ ملے گا۔ فرمایا ہاں ملے گا۔ مگر تمہاری اولاد میں ان لوگوں کو نہیں جو ظالم ہوں گے۔ سب سے بڑا ظلم شرک باللہ ہے اگر کسی نے ایک دن بھی شرک کیا تو پھر اس عہدہ کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ کوئی سالہا سال اس نجاست میں لتھڑا رہا ہو۔ یہ عہدہ تو مخصوص ہے معصومین سے۔ عہدہ امامت و نبوت و رسالت سے اخص ہے۔ یہی وہ عہدہ ہے جس کا سلسلہ قیامت تک آئمہ اہل بیت علیہم السلام میں جانے والا ہے۔

(۲۰) تعمیر خانہ کعبہ اور اس کا جائے امن و ثواب ہونا

پ البقرع ۱۵: وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَۃً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا

(ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے لیے ثواب اور امن کی جگہ قرار دیا ہے)

خانہ کعبہ کو بیت عتیق بھی کہتے ہیں یعنی سب سے پرانا گھر اس کے بانی اوّل حضرت ابراہیم ہیں۔ حضرت اسمٰعیل کی مدد سے ہزارہا برس پہلے خدا کا یہ گھر انہوں نے کھُردرے پتھروں سے بنایا تھا جو بے چھت تھا اس زمانہ میں یہی دستور تھا کہ کسی جگہ ان گھڑا پتھر کھڑا کر کے اسے عبادت خانہ قرار دے لیتے تھے اس کا نام مذبح رکھتے تھے کیونکہ وہیں قربانی کرتے تھے۔ یہ پتھر تراشا نہیں جاتا تھا۔ کیونکہ تراش خراش میں لوہے کا اوزار لگنا ضروری تھا اور لوہا لگنے سے اس کی تقدیس جاتی رہتی تھی۔

بعض مقامات پر اس پتھر کے آس پاس کوئی عمارت بھی بنا لیتے تھے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حجر اسود جنت کا پتھر ہے جسے جبریل امین لائے تھے۔ حجر اسود کا ذکر قرآن میں نہیں۔ مقام ابراہیم کا ذکر ہے۔ یہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر عمارت کعبہ کو بلند کیا

Marfat.com

تھا۔ یہودیوں کا اعتراض ہے چونکہ توریت میں خانہ کعبہ کا ذکر نہیں۔ لہٰذا اسے قدوسیت حاصل نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا یہ اعتراض لغو اور بے بنیاد ہے۔ توریت میں بہت سے واقعات مذکور نہیں تو کیا ان کا ذکر نہ ہونے سے ان کا عدم وقوع لازم آتا ہے۔

حضرت ابراہیم نے اس مقدس گھر کی صرف دیواریں اٹھائی تھیں۔ بنی جراہم کے زمانہ میں ایک پہاڑی نالہ میں سیلاب آنے کی وجہ سے یہ گھر ڈھے گیا۔ دوبارہ بنی جراہم نے تعمیر کیا۔ پھر وہ عمالیق کے زمانہ میں منہدم ہو گیا اور دوبارہ عمالیق نے بنوایا۔ کچھ عرصہ بعد اس میں کچھ شگاف پڑے تو قصی نے تعمیر کرایا۔ جب آگ لگنے سے جل گیا تو قریش نے تعمیر کیا۔ اس زمانہ میں حضرت پیدا ہو چکے تھے اور آپ کی عمر تقریباً چودہ سال تھی۔

یزید کے زمانہ میں جب کعبہ پر فوج کشی ہوئی۔ تو پھر جل گیا۔ عبداللہ بن زبیر نے پھر تعمیر کرایا۔ عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں حجاج ابن یوسف نے ابن زبیر کی تعمیر کو گرا کر از سر نو ایسا بنوایا جیسا قریش کے زمانہ میں تھا۔ موجودہ عمارت وہی ہے جو حجاج نے بنوائی تھی۔

کعبہ صرف اس بنا پر کہ یہ گھر خدا کی طرف منسوب ہے اور اس نسبت سے کہ اس کے بانی اول حضرت ابراہیم خلیل تھے۔ ہر طرح صاحب عظمت و احترام ہے ورنہ ایک ایسے ظالم، سفاک کی بنائی ہوئی عمارت جس نے لاکھوں بیگناہوں کو تہ تیغ کیا۔ قابل تعظیم کیسے ہو سکتی تھی اور اس میں قدوسیت کیسے پیدا ہو سکتی تھی۔

آیت بتاتی ہے کہ خانہ کعبہ اور اس کا حرم جائے امن ہے وہاں کسی کو ستایا نہیں جا سکتا اگر کوئی قتل کر کے بھی وہاں آ جائے تو اسے زبردستی نہیں نکالا جا سکتا۔ تاوقتیکہ وہ خود نہ نکلے کوئی چھوٹے سے چھوٹا کیڑا بھی نہیں مار سکتے۔ وہاں کے درخت کی شاخ تک نہیں کاٹ سکتے کیونکہ وہ سب کے خالق کا گھر ہے اس کے علاوہ یہ مقدس گھر گناہوں سے امان ملنے کی جگہ ہے۔ جو صاحب ایمان اس میں داخل ہو گا اسے ضرور گناہوں سے امان ملے گی یعنی اس کے دل پر ایسا اثر ہو گا کہ گناہ کرنے کی جرأت ہی اس کو نہ ہو گی۔ لیکن جس کا ایمان ناقص ہے اس کو

Marfat.com

طواف وسعی سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ چنانچہ بہت سے پہلے حاجی ایسے ملتے ہیں جو ہر طرح کے معاصی کے مرتکب ہوتے ہیں اور ان پر یہ مثل صادق آتی ہے ۔

با جی بطواف کعبہ حاجی نمی شود

کعبہ کو یہ بھی شرف حاصل ہے کہ جانشین رسول حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام کی ولادت اس کے اندر ہوئی۔ دوسرے رسول اور علی نے مل کر فتح مکہ کے بعد خانہ خدا کو بتوں سے پاک کیا۔ غالب نے کیا خوب کہا ہے ۔

مشکیں لباس کعبہ علی کے قدم سے جان ناف زمین ہے نہ کہ ناف غزال ہے

ہمارے پہلے امام کعبہ میں پیدا ہوئے اور بارھویں امام علیہ السلام کعبہ سے ظہور فرمائیں گے۔ جس سے معلوم ہوا کہ کعبہ کے اصلی وارث اہلبیت رسول ہیں۔

(۲۱) حضرت ابراہیم کی دعا مکہ معظمہ کے حق میں

پ البقرع ۱۵۔ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرَةِ

(وہ وقت یاد کرو جب ابراہیم نے دعا کی اے میرے رب اس شہر کو امن کا شہر بنا اور اس کے رہنے والوں کو جو خدا اور روز آخرت پر ایمان لائے ہوں طرح طرح کے پھل کھانے کو دے)

حضرت ابراہیم نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت کئی دعائیں کی ہیں جو قرآن مجید میں متفرق مقامات پر مذکور ہیں اب ان کو پڑھیئے تاکہ ایمان میں روشنی پیدا ہو۔

(۱) اس شہر کو امن کی جگہ بنا اور اس کے اہل کے لیے ثمرات کا رزق دے۔ لوگ کہتے ہیں یہ حضرت ابراہیم کی دعا کا اثر ہے کہ مکہ میں ہر قسم کے پھل پائے جاتے ہیں۔ یہ ایک احمق خیال ہے مکہ ہی پر کیا منحصر ہے اب تو ہر خطہ زمین پر ریلوں، جہازوں، کشتیوں اور ہوا

Marfat.com

جہازوں کے وسیلوں سے ہر قسم کے پھل مل جاتے ہیں خلیل خدا جیسی مقدس ہستی سے بعید تھا کہ اپنی اس اولاد کے لئے جو صاحب ایمان و معرفت ہو۔ خدا سے پھل پھلاری مانگے اس کے لئے ایمان کی قید کیوں لگائی گئی۔ جب کہ مکہ کے مشرک و کافر سب ہی تر و خشک میوے کھاتے رہے۔ بڑے مرتبے والے ایسی پست خواہشوں کا اظہار نہیں کیا کرتے۔ خصوصاً ایسے لوگوں کے لئے جو صاحب ایمان ہوں۔

اس دعا کا مطلب یہ تھا کہ جو اس بیت کے اہل بیت ہیں ان کو مقطوع النسل نہ بنانا بلکہ ان کی نسل کو قیامت تک باقی رکھنا تاکہ اس بیت مقدس محترم کی تولیت ان کے سپرد ہوتی رہے اور ہر زمانہ میں وہ خلق اللہ کو ہدایت کرتے رہیں۔ یہ گھر کسی وقت اپنے وارثوں سے خالی نہ رہے۔ چاہے بظاہر ان کا قبضہ اس پر نہ ہو۔ پس ثمرات سے مراد ثمرات قلب ہے نہ کہ ثمرات اشجار۔ ہاں بغرض ثانوی اگر یہ بھی مل جائیں تو یہ احسان بالائے احسان ہوگا۔

(۲) وَاجعل اَفئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِی اِلَیهِم (اور لوگوں کے دل انکی طرف مائل کردینا)

اس دعا کی قبولیت یوں ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ذوی القربیٰ رسول کی محبت کو واجب کر دیا۔

(۳) وَاجْنُبْنِی وَبَنِیَّ اَن نَعبُدَ الاَصنَام (مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچائے رکھنا)

اس کی قبولیت یوں ہوئی کہ اہل بیت کی شان میں آیت تطہیر نازل ہوئی اور انہوں نے کبھی کسی بت کے آگے سر جھکایا ہی نہیں۔

(۴) وَاجعَل لِی لِسَانَ صِدقٍ فِی الاٰخِرِین (اور آخر زمانہ میں میرے لئے ایک سچی زبان بنا)

اس کی قبولیت یوں ہوئی۔ وَجَعَلنَا لَهُم لِسَانَ صِدقٍ عَلِیّاً (ہم نے ان کے لئے علی کو سچی زبان قرار دیا۔

(۲۲) امت مسلمہ

پ البقرع ۱۵۔ وَاِذ یَرفَعُ اِبرَاهِیمُ القَوَاعِدَ مِنَ البَیتِ وَاِسمٰعِیلُ رَبَّنَا تَقَبَّل مِنَّا اِنَّکَ اَنتَ السَّمِیعُ العَلِیمُ رَبَّنَا وَاجعَلنَا مُسلِمَینِ لَکَ وَمِن ذُرِّیَّتِنَا اُمَّةً مُسلِمَةً لَکَ وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُب عَلَینَا اِنَّکَ اَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِیمُ ۝ (اے رسول وہ وقت

Marfat.com

یاد دلاؤ جب ابراہیم و اسمٰعیل خانہ کعبہ کی بنیادیں بلند کر رہے تھے اور یہ دعا کرتے جاتے تھے اے ہمارے پروردگار ہماری یہ خدمت قبول کر لے بیشک تو بڑا سننے والا اور جاننے والا ہے ۔ اے ہمارے پروردگار ہمیں اپنا فرمانبردار بندہ بنائے رکھنا اور ہماری اولاد سے ایک گروہ پیدا کرنا جو تیرا فرمانبردار ہو اور ہم کو ہماری حج کی جگہیں دکھا دے اور ہماری توبہ قبول فرما تو بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے)

اس آیت میں رَبَّنَا وَاجعلنا مُسْلِمَیْنِ لَکَ کا علمائے اہل سنت نے یہ غلط ترجمہ کیا ہے " ہمیں اپنا مسلمان بندہ بنا لے اور اسی طرح ہماری اولاد کو " کیا حضرت ابراہیم پہلے سے مسلمان نہ تھے جو یہ دعا مانگ رہے تھے ان کا اسلام تو پیدائشی بلا واسطہ تھا یعنی کسی نبی یا رسول کی تبلیغ کے بعد وہ کافر سے مسلمان نہ ہوئے تھے بلکہ خدا نے ان سے کہا :- اذ قال لہ اسلم قال اسلمت لرب العالمین اے ابراہیم اسلام لاؤ ۔ انہوں نے کہا میں رب العالمین پر اسلام لایا ۔ ایسے اسلام میں کفر کا شائبہ کہاں ۔ پس آیہ مذکورہ میں مُسلمین لک کا ترجمہ یہ ہوا کہ ہم دونو باپ بیٹوں کو فعلیت اسلام پر باقی رکھنا یعنی ہم سے ہمیشہ ایسے افعال سرزد ہوتے رہیں جو تیری مرضی کے مطابق ہوں اور جو ہماری خاص اولاد ہو ۔ وہ بھی ہماری طرح بلا واسطہ اسلام لانے والی ہو ۔ یعنی پیدائشی مسلمان ہو ۔ کسی نے ان کو مسلمان بنایا نہ ہو ۔ خدا نے ان کی یہ دعا قبول کی اور آخر زمانہ نبوت میں ایسے لوگ پیدا کئے جو پیدائشی مسلمان تھے اور جس گھر کے بناتے وقت یہ دعا کی گئی تھی ۔ اسی میں حضرت علی کو پیدا کر کے یہ بتا دیا کہ وہ امت مسلمہ جس کے لئے حضرت ابراہیم نے دعا کی تھی ۔ علی علیہ السلام اور ان کی اولاد طاہرین ہے ۔

اگر یہ مراد نہ لئے جائیں تو پھر دعائے ابراہیم شرف قبولیت سے محروم سمجھی جائیگی کیونکہ امت ابراہیم میں بکثرت کفار و مشرکین ہوئے لہٰذا ماننا پڑے گا کہ حضرت ابراہیم

Marfat.com

کی مراد کل امت نہ تھی بلکہ کچھ مخصوص لوگ تھے - اس کا مزید ثبوت آگے کی آیت ہے۔
وَابۡعَثۡ فِيهِمۡ رَسُولًا مِّنۡهُمۡ الخ (اور اس امت مسلمہ میں سے ایک رسول مبعوث کو
جو انہی میں سے ہو۔ پس ضروری ہوا کہ وقت بعثت وہ امت مسلمہ موجود ہو جس کا ایمان بلا واسطہ ہو
تاکہ رسول کے دعوائے رسالت کی تصدیق سب سے پہلے وہ اُمت مُسلمہ کرے نہ کہ کفار و مشرکین
اسی لئے حضرت علی کو اعلان رسالت سے پہلے خانہ کعبہ میں پیدا کر دیا گیا تھا۔
اگر حضرت علی کا ایمان بلا واسطہ نہ ہوتا تو ایک کافر بچہ کو اپنے گھر میں کیوں پیدا کرتا
اس سے بہتر ثبوت ایمان ابوطالب کا اور کیا ہو سکتا ہے۔
امت کا لفظ ایک شخص پر بھی بولا جاتا ہے جیسے کان ابراھیم امۃ قانتاً (ابراہیم
ایک ایسی امت ہے جو خدا کی طرف رجوع کرنے والی ہے)
آنحضرت صلعم کے اعلان رسالت کے بعد جتنے لوگ مسلمان کہلائے گئے۔ وہ سب
کے سب کافر سے مسلمان ہوئے تھے۔ سوائے حضرت علی کے کسی کو پیدائشی مسلمان ہونے
کا شرف حاصل نہ ہوا۔ اگر کوئی کہے کہ وہ پیدائشی مسلمان تھے تو پھر ان کا نام اسلام لانے
والوں کی فہرست میں سب سے اوپر کیوں ہے اور ان کو اول المسلمین کیوں کہا جاتا ہے۔
جس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی نے سب سے پہلے اظہار اسلام کیا نہ یہ کہ کافر سے مسلمان
ہوئے۔ حضرت علی علیہ السلام نے بار بار فرمایا۔ ما اشرکتُ باللہ طرفۃ عین ابداً۔
(میں نے کبھی آن واحد کے لئے بھی خدا کا شریک کسی کو نہیں بنایا)

(۲۳) تحویل قبلہ

پ۲۔ البقرہ ۱۷۔ سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مَا وَلَّاهُمۡ عَنۡ قِبۡلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيۡهَا
قُلۡ لِلَّهِ الۡمَشۡرِقُ وَالۡمَغۡرِبُ يَهۡدِي مَنۡ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسۡتَقِيمٍ ٥
(احمق لوگ کہنے لگیں گے کہ مسلمانوں جس قبلہ (بیت المقدس) کی طرف پہلے سے

Marfat.com

سجدے کرتے آرہے تھے اس سے دوسرے قبلہ کی طرف مڑجانے کا کیا باعث ہوا (اے رسول ان کے جواب میں) کہہ دو کہ پورب پچھم سب خدا ہی کا ہے جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرتا ہے)

تحویل قبلہ کے متعلق سرسید احمد خاں صاحب آنجہانی کی تحقیق حسب ذیل ہے

اس سلسلے میں ہم کو پہلے یہ بات معلوم کرنی چاہیئے کہ حضرت ابراہیم کے زمانہ میں نماز کے کیا ارکان تھے غالباً اس نماز میں رکوع وسجدہ ہوگا لیکن اس امر کا کوئی ثبوت ہمارے پاس نہیں کہ حضرت ابراہیم کے زمانہ میں نماز کے بعینہٖ وہی ارکان تھے جیسے کہ ہماری نمازیں ہیں بلکہ اگر اس زمانہ کے حالات اور اس زمانہ کی وحشی قوموں کی عبادت پر خیال کریں تو اس کے سوا کچھ نظر نہیں آتا کہ وہ لوگ آپس میں حلقہ باندھ کر کھڑے ہو جاتے تھے اور کودتے اچھلتے تھے اور سارا حلقہ اس طرح چکر کھاتا جاتا تھا اور اس جوش وخروش میں اس کا نام پکارتے جاتے تھے یا اس کی تعریف کے گیت گاتے تھے جس کی وہ عبادت کرتے تھے اس نماز کا نشان اسلام میں بھی طریقہ ابراہیمی پر موجود ہے جس کا نام طواف کعبہ ہے۔

مشکوۃ میں ابن عباس سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کعبہ کے گرد طواف کرنا مثل نماز کے ہے۔ گو یہ طریقہ وحشیانہ ہو۔ مگر اس میں شک نہیں کہ مؤدب اور باوقار نمازوں سے پرجوش اور زیادہ محبت معبود کا برانگیختہ کرنے والا اور معبود کے شوق کو زیادہ تر جنبش میں لانے والا اور دل کو خالص اس کی یاد میں مشغول کرنے والا تھا۔

یہ حرکتیں انسان میں بالطبع مجنون کا سا جوش پیدا کر دیتی ہیں اور جس طرح مجنون کسی بات میں مشغول ہو۔ اسی طرح خدا کی یاد میں انسان کو مشغول کر دیتی ہیں۔

حضرت ابراہیم کے زمانے میں نماز کا جو طریقہ بھی ہو وہ اس سے زیادہ

اور کچھ نہیں تھا ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ کوئی سمت قبلہ کی معین نہیں ہوتی۔ تمام ذوق وشوق اور اچھل کود اس شے کے گرد ہوتا تھا۔ جس کو وہ بطور خدا کی نشانی کے قائم کرتے تھے اس قسم کی پرستش اب بھی بعض وحشی قوموں میں پائی جاتی ہے۔

حضرت ابراہیم خدا کی نشانی کے لئے ایک بن گھڑا پتھر کھڑا کر دیتے تھے اور جو عبادت یا نماز ہوتی تھی وہ اس کے گرد ہوتی تھی اس لئے حضرت ابراہیم کے زمانہ میں کوئی خاص سمت قبلہ کا ہونا بجز اس نشان کے جس کو وہ قائم کرتے تھے اور کچھ نہیں پایا جاتا۔

حضرت ابراہیم کی اولاد کا حال جہاں تک ہم کو ملا ہے اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ وہ بھی کعبہ کی جانب کو سمت قبلہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ ہر جگہ پتھر کھڑا کر کے اس کے گرد وحشیانہ طریقے پر عبادت کرتے تھے۔ چنانچہ ازرقی نے کتاب اخبار مکہ میں لکھا ہے کہ بنی اسمٰعیل اور جرہم جو مکہ میں رہتے تھے ان کو جب گنجائش نہ ہوئی تو وہ ملک میں نکلے اور معاش کی تلاش میں پڑے۔ پس لوگ خیال کرتے ہیں کہ اولاً پتھر کا پوجنا ہی بنی اسمٰعیل میں اس طرح شروع ہوا کہ ان میں سے کوئی جب مکہ سے جاتا تو حرم کے پتھروں میں سے ایک پتھر اٹھا لیتا۔ حرم کو بزرگ سمجھ کر اور مکہ اور کعبہ کے شوق میں جہاں اترتے اس پتھر کو رکھ لیتے اور اس کے گرد مثل کعبہ کے طواف کرتے۔ پھر یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ جو پتھر اچھا دیکھتے اور حرم کا جو پتھر عجیب اور اچھا معلوم ہوتا اس کی عبادت کرتے اس طرح ان کی پشتیں گزر گئیں اور پہلی بات بھول گئے اور ابراہیم واسمٰعیل کے دین کو بدل دیا اور بتوں کو پوجنے لگے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسمٰعیل اور جرہم کی اولاد میں پشت در پشت کعبہ کی جانب سمت قبلہ نہیں قرار پائی تھی اور ان کا طریقہ عبادت بھی ایسا تھا کہ کوئی

سمت قبلہ قرار بھی نہیں پا سکتی تھی۔ قرآن مجید میں کہیں اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ خدا نے اسمٰعیل اور ان کی اولاد کو کعبہ کی سمت قبلہ مقرر کرنے کا حکم دیا ہو۔

زمانہ جاہلیت میں جب کہ عرب کی قوم نے خانہ کعبہ میں بت رکھ دیئے تھے اس زمانہ میں بھی جو کچھ ان کی پوجا ہوتی ہوگی۔ وہ کعبہ کے اندر ہی ہوتی ہوگی لیکن جب کعبہ سے دور چلے جاتے تھے جب بھی کعبہ کی طرف منہ کر کے ان کا پوجا کرنا کسی طرح ثابت نہیں۔ بنی اسرائیل میں جب بیت المقدس کی تعمیر ہوگئی تو وہ بھی بطور ایک مسجد کے بنائی گئی تھی اور تمام رسوم عبادت جو بنی اسرائیل کرتے تھے اسی کعبہ یا مسجد میں جا کر کرتے تھے مگر بیت المقدس کی تعمیر کے وقت ان کے وحشیانہ طریق عبادت یا نماز میں کافی اصلاح ہوگئی تھی اور نماز کے باقاعدہ ارکان جن میں قیام اور رکوع بھی تھا قرار پاتے تھے۔

ہم کو عہد تحقیق کی کوئی کتاب ایسی نہیں ملی جس سے یہ ثابت ہو کہ خدا نے بنی اسرائیل کو یہ حکم دیا تھا کہ جب تم بیت المقدس سے دور ہو تو اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرو مگر جب بنی اسرائیل کی نماز باقاعدہ ہوگئی تھی اور اس کے ادا کرنے میں کسی نہ کسی طرف متوجہ ہونا لازمی امر تھا تو بالطبع بنی اسرائیل اس طرف مائل ہوتے ہوں گے کہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں اور اس طرح بیت المقدس قبلہ قرار پا گیا۔ آنحضرتؐ نے بعد نبوت کے قریباً تیرہ برس مکہ شریف میں تشریف رکھی اس بحث کو چھوڑ کر نماز پنج گانہ فرض ہو چکی تھی یا نہیں اور جو ارکان نماز بالفعل مسلمانوں میں مقرر ہیں وہ مقرر ہو چکے تھے یا نہیں مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ اس زمانہ میں بھی کوئی طریقہ عبادت کا آنحضرت نے ضرور اختیار کیا تھا۔ خواہ یہی ارکان نماز اختیار کیے ہوں جو بالفعل موجود ہیں خواہ بعد کو ان میں کچھ اصلاح ہوگئی ہو۔ لیکن یہ بات ثابت نہیں کہ ایسی حالت میں جب کہ حضرت کعبہ سے

Marfat.com

دور رہوں انہوں نے نماز یا عبادت ادا کرنے میں کعبہ کی طرف منہ کر کے ادا کرنا بطور ایک امر لازمی کے جس سے ثبوت سمت قبلہ کا ہو، اختیار فرمایا ہو۔

جب حضرت مکہ سے مدینہ تشریف لائے جہاں یہودی کثرت سے تھے اور ان کی نماز بھی تقریباً اسی قسم کی تھی تو بالطبع آنحضرت کو اس طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھنے کی رغبت ہوئی جس طرف یہودی نماز پڑھتے تھے۔ بلاشبہ مشرکوں کو یہ امر شاق گذرا ہوگا لیکن بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے میں ایک حکمت یہ بھی کہ مشرکین سے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے وہ اصلی ایمان والوں سے بالکل ممیز ہو جاتے۔ یہی بات خدا نے فرمائی ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ

(یعنی ہم نے اس قبلہ کو جس پر تو تھا بجز اس مطلب کے اور کسی لئے نہیں مقرر کیا تھا تاکہ ہم جان لیں اس شخص کو جو پیروی کرتا ہے رسول کی اس شخص سے جو پھر جاتا ہے اپنی ایڑیوں پر)

مدینہ اور اس کے گرد و نواح میں بکثرت یہودی رہتے تھے انہوں نے اسلام کی طرف رغبت ظاہر کی۔ چند لوگوں نے اسلام کو برحق جانا اور بہت سے ایسے تھے جو بطور منافقوں کے مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوتے تھے پس یہ ضرورت منافقین یہود کو اصلی ایمان والوں سے ممیز کرنے کی پیش آئی۔ ہر ایک شخص ظاہرداری کے لئے دوسرے مذہب کی جس کو وہ حق نہیں سمجھتا جھوٹی باتوں میں منافقانہ طور پر شریک ہو سکتا ہے لیکن کسی ایسی بات میں جو امر عظیم ہو اور خاص عبادت سے تعلق رکھتا ہو اور ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں داخل ہونے کے بطور ایک نشانی کے ہو اس کو بطور نفاق کے ادا کرنے سے بالطبع نفرت اور پرہیز کرتا ہے اور جب تک دل سے اس دوسرے مذہب

Marfat.com

کو اختیار نہ کر لیتا ہو۔ اس وقت تک اس کو ادا نہیں کرتا۔ اس لیے آنحضرتؐ کو فکر ہوئی سمت قبلہ کے تبدیل کرنے میں۔ خدا کی طرف سے وحی ہوئی کہ سمت قبلہ کو تبدیل کر لو۔ اس کی طرف خدا نے اس آیت میں اشارہ کیا ہے۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

(یعنی ہم نے آسمان کی طرف تیرا منہ پھرتا دیکھا پس ضرور ہم تجھ کو ایک ایسے قبلہ کی طرف پھیریں گے جس کو تو پسند کرے گا پس اپنا منہ مسجد الحرام کی طرف پھیر لے)

بیت المقدس اور بیت الحرام دونو مسجدیں تھیں اور دونوں میں کسی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا برابر تھا مگر ایسا کرنے سے منافقین یہود کی اصلی ایمان والوں سے تمیز ہو گئی۔ یہ امر ایک ایسا ممیز قرار پایا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ مَنِ اسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا فَهُوَ مُسْلِمٌ یعنی جس نے ہمارے قبلے کی طرف نماز پڑھی وہ مسلمان ہے اور درحقیقت ہے بھی ایسا ہی۔ جب تک کوئی یہودی دل سے مسلمان نہ ہو۔ بیت المقدس کو چھوڑ کر کعبہ کی طرف نماز پر بالطبع راضی نہ ہوگا۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ آیہ اَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ سے ظاہر ہوتا ہے کہ چونکہ خدا کی ذات ہر طرف ہے۔ لہٰذا جدھر رخ کر کے نماز پڑھو درست ہے۔ مسجد الحرام کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم محض جماعتی تنظیم کے لئے دیا گیا ہے تاکہ ایک سمت رخ کر کے سب مسلمانوں کا نماز پڑھنا ان کی یک جہتی اور وحدت پرستی کو ظاہر کرے ورنہ خدا کی ذات ہر طرف ہے۔

مسجد ذو قبلتین مدینہ کے قریب ہی ہے اس مسجد میں تحویل قبلہ کا حکم ہوا تھا۔ حضرت رسول اور حضرت علی کسی ضرورت سے باہر گئے تھے کہ ظہر کی نماز کا وقت آ گیا۔ دونوں نے ایک مسجد میں نماز پڑھی۔ اثنائے نماز میں تحویل قبلہ کا حکم ہوا۔ اس لئے اس مسجد کو ذو قبلتین کہتے ہیں یہ شرف بھی حضرت علی کو ملا کہ رسول کے ساتھ ایک نماز دو قبلوں کی طرف پڑھی اسی لئے آپ کو مُصَلِّیَ اِلَی الْقِبْلَتَیْنِ کا

Marfat.com

لقب ملا۔ اگر اس فضیلت میں کوئی دوسرا شریک ہوتا تو حضرت اس کو فخریہ نہ بیان کرتے۔

(۲۴) شہدائے راہِ خدا زندہ ہیں

پ۲ البقرع ۱۹: وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ۔

جو لوگ راہ خدا میں مارے گئے ہیں ان کو مُردہ نہ کہنا بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تم (ان کی زندگی کی حقیقت کا) کچھ بھی شعور نہیں رکھتے)

جو لوگ راہ خدا میں جان جیسی عزیز چیز بخوشی خاطر قربان کر دیتے ہیں اگر خدا اس کے صلہ میں حیات ابدی دیدے تو کون بڑی بات ہے۔ اگرچہ یہ لوگ بظاہر ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں مگر انہیں ایک ایسی زندگی مل جاتی ہے جس کا سمجھنا ہماری عقول سے باہر ہے۔

عام طور پر جو لوگ مرتے ہیں وہ بالکلیہ فنا نہیں ہوتے بلکہ ان کا مادی وجود یہاں پیوند خاک ہو جاتا ہے اور نفسی اور روحانی وجود عالم برزخ میں چلے جاتے ہیں اور وہاں قیامت تک رہتے ہیں۔ ہمارے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ وہاں ان کی زندگی کس شان سے بسر ہوتی ہے لیکن اس کا یقین ہے کہ وہ فنا نہیں ہوئے اور الی یوم یُبعثون برزخ میں زندہ رہیں گے مگر یہ بھی ضرور ہے کہ ان کا تعلق ہم سے قطع ہو جاتا ہے۔

پس اگر شہدائے راہ خدا بھی ایسے ہی ہوں تو پھر ان میں اور عام آدمیوں میں کیا فرق ہے ان کو اللہ تعالیٰ نے آزادی دے رکھی ہے وہ جہاں چاہیں جا سکتے ہیں اور جس طرح بوجود مادی لوگوں کی مدد کر سکتے تھے بوجود روحانی بھی کر سکتے ہیں۔ حضرت رسول خدا نے فرمایا ہے من مات منا لیس بمیت و یبلیٰ من بلی ومنا ولیس بہ بال ۔ ہم میں سے جو کوئی مر جاتا ہے وہ مردہ نہیں اور ہم میں سے جو مر کر بظاہر بوسیدہ ہو جاتا ہے وہ حقیقت میں کبھی بوسیدہ نہیں ہوتا اور یہ بھی فرمایا الم تعلموھم بکلوم ھم ودما ء ھم فانھم یحشرون یوم القیامۃ واوداجھم تشخب دما

انہیں انہی زخموں اور خون کی روانی کے ساتھ لپیٹ دو کیونکہ یہ جب قیامت میں محشور ہوں گے تو ان کی رگ ہائے گردن سے خون ابلتا ہوگا۔ نہج البلاغہ خطبہ ۵۰ (مترجمہ مفتی جعفر حسین)

شہید بہت سی قسم کے ہوتے ہیں اور ان کے ایمان اور عنوان شہادت کے اعتبار سے ان کو درجات ملتے ہیں۔

۱۔ وہ کامل الایمان جنہوں نے بطیب خاطر حفاظت دین کے لیے رسول کے ساتھ جہاد میں شرکت کی اور لڑتے لڑتے جام شہادت نوش کیا۔ یہ شہادت کا سب سے اونچا درجہ ہے۔ ایسے شہیدوں کے فضائل و مراتب کا کیا ٹھکانہ۔ لیکن ان کے لئے بھی بلحاظ ایمان و معرفت فضیلت کے درجات ہیں۔

۲۔ وہ مجاہدین ہیں جو رسول کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے۔ دشمنان دین سے لڑنے میں زخمی ہوئے مگر میدان جنگ میں شہادت نہ پائی بلکہ جنگ کے بعد مرے ان کا رتبہ بھی پیش خدا بہت بلند ہے مگر پہلے درجہ کے لوگوں سے کمتر ہے۔

۳۔ وہ مجاہد جو بحکم رسول کسی سریہ میں گئے اور وہاں شہید ہوئے یہ تیسرے درجہ کے شہید ہیں۔

۴۔ وہ مجاہد جو بعد رسول سلاطین ظلم و جور کے مظالم اور بدعات سے تنگ آکر میدان میں نکلے اور شہید ہوئے۔

۵۔ وہ علماء جنہوں نے مذہب حقہ کی تائید و حفاظت میں تقریریں کیں یا کتابیں لکھیں اور اعدائے دین کے ہاتھوں قتل کئے گئے۔

۶۔ وہ لوگ جو ثغور اسلام کی حفاظت میں کفار و مشرکین کے ہاتھوں قتل کئے گئے۔ بشرطیکہ اغراض دنیوی کے لحاظ سے ان کی جنگ نہ ہو۔

نیچے کے پانچ درجات والوں کو آخرت میں عام مومنین صالحین سے زیادہ اجر و ثواب ملے گا عالم برزخ میں ان کے درجہ شہادت کے اعتبار سے راحت و آرام کے اسباب مہیا کئے جائیں

گے۔ اوّل درجہ والوں کو بہت زیادہ مراعات حاصل ہوں گی۔منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ ان کے اجساد متبرکہ پر قبر میں جانے کے بعد کوئی مادہ ارضی اثر انداز نہیں ہو سکتا وہ جس حالت میں سپردخاک کئے گئے ہیں اسی حالت میں باقی رہیں گے۔

معتبر روایات سے یہ ثابت ہے کہ جب امیر معاویہ نے ایک نہر مدینہ کے لئے نکلوانی چاہی تو وہ میدان احد سے گزرتی تھی اور حضرت حمزہ کی قبر کھدائی کے وقت بیچ میں آئی تھی۔معاویہ نے حکم دیا کہ قبر کھود کر حضرت حمزہ کی لاش کسی دوسرے مقام پر منتقل کر دی جائے۔چنانچہ جب قبر کھودی گئی تو حضرت حمزہ کا جسد مبارک بدستور پایا گیا۔مزدوروں کی بے احتیاطی سے آپ کے پائے مبارک میں بیلچہ لگ گیا تو وہاں سے خون جاری ہو گیا۔

یہ واقعہ تمام اخبارات میں چند سال ہوئے چھپا تھا۔اخبار جنگ میں ہم نے دیکھا تھا کہ حضرت حذیفہ یمانی اور جابر بن عبداللہ انصاری کی قبروں میں پانی آنے لگا تھا۔حکومت کو بذریعہ خواب جب پتہ چلا اور دونوں مقدس ہستیوں کو وہاں سے منتقل کیا گیا تو وہ اپنی اپنی قبروں میں بدستور اسی طرح پائے گئے جس طرح بحالت حیات تھے اس قسم کے اور واقعات بھی ہو چکے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شہیدان راہ خدا کے اجسام پر کسی چیز کا تصرف نہیں ہو سکتا۔رضی اللہ عنہم۔

(۲۵) شعائر اللہ

پ۲ البقرع ۱۹ ‌‌‌‌‌‌ ا: اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ۔

(صفا و مروہ خدا کی نشانیوں میں سے ہیں پس جو شخص خانہ کعبہ کا حج کرے یا عمرہ کرے۔ اس کے لئے ان دونوں کے درمیان طواف کرنے میں کوئی گناہ نہیں (بلکہ ثواب ہے) اور جو کوئی خوش خوش نیک کام کرے تو پھر خدا

قدر والا و واقف کار ہے)

خدا کی قدرت کی نشانیاں تو ہر جگہ موجود ہیں ۔ خاک کا ہر ذرہ اور پانی کا ہر قطرہ درخت کا ہر پتہ اس کی قدرت کی عظیم الشان نشانی ہے ۔ ان سب کو چھوڑ کر قدرت نے صفا و مروہ کو دو پہاڑیوں کو خاص طور سے اپنی نشانی بیان کیا ہے ۔ اور اس اہمیت و تاکید کے ساتھ اگر ان کا طواف نہ کیا جائے تو حج ناقص اور عمرہ غلط ۔

یہ پہاڑ اب تو اپنی اصلی حالت پر باقی بھی نہیں ۔ صرف دونوں طرف چٹانوں کا تھوڑا سا حصہ یادگار باقی ہے مگر باوجود اس کے ان کے احترام میں کوئی فرق نہیں آیا ۔ ان کا طواف بدستور کیا جارہا ہے آخر اس کی وجہ کیا ہے ۔ مکہ میں اور بھی بہت سے پہاڑ ہیں لیکن ان کے لئے ایسا حکم نہیں ۔ اس احترام کی انتہا یہ ہے کہ فرماتا ہے ۔ ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب ۔ (جو شعائر اللہ کی تعظیم بجالائے گا تو یہ اس کے دل کے تقویٰ کی علامت ہوگا) آخر اس میں راز کیا ہے ؟

ان دونوں پہاڑیوں کو یہ سعادت اس وجہ سے حاصل ہوئی کہ ایک مقدس بی بی خلیل خدا کی زوجہ اسمعیل ذبیح اللہ جیسے نبی کی ماں پانی کی تلاش میں ان دونوں پہاڑیوں پر سات بار چڑھی اور اتری تھیں ان کے مبارک قدم چونکہ ان پہاڑیوں کے پتھروں پر رکھے گئے تھے لہذا خدا نے ان کو اپنی نشانیوں میں سے قرار دیا ۔ صرف اس مقدس بی بی کے احترام کو مدنظر رکھتے ہوئے اور اس واقعہ کی یادگار باقی رکھنے کے لئے ۔

ایک باایمان آدمی جب حضرت اسماعیل اور حضرت حاجرہ کے واقعہ پر تفصیلی نظر ڈالے گا تو یقیناً اس کے تقویٰ میں اضافہ ہوگا اور توکل علی اللہ کی صفت پیدا ہونے میں اس کو مدد ملے گی ۔ اگر ان دونوں پہاڑوں کے طواف کو واجب نہ کیا جاتا تو ان واقعات کو کون یاد رکھتا ۔

قربانی کا اونٹ جس کو بُدنہ کہتے ہیں وہ بھی شعائر اللہ میں سے ہے ۔ اس کا احترام اتنا مدنظر ہے کہ اس کو تھپی مارنے اور تیز دوڑانے کا حکم نہیں کیونکہ وہ راہ خدا

Marfat.com

میں قربانی کے لیے جارہا ہے۔ اللہ اللہ جو اس کے ہو جاتے ہیں وہ بھی ان کی تعظیم میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتا۔

---

(۲۶) خون، مردار اور لحم خنزیر کی حُرمت

پ۲ البقرع ۲۱۔ حُرِّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ ہ

(تم پر مردہ جانور اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جس پر وقت ذبح خدا کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو حرام کیا گیا ہے)

مذکورہ چیزوں کو حرام قرار دینا اسلام کی خصوصیات میں سے ہے اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام فطری دین ہے۔ کیونکہ جو غذائیں فطرت کو نقصان دینے والی ہیں خواہ باعتبار جسم خواہ باعتبار نفس و روح ان کو حرام قرار دیا ہے)

(۱) مردار سے فطرۃ انسان کو نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسرے مرنے والا جانور اگر کسی مہلک بیماری میں مبتلا ہو کر مر جاتا ہے اور اس کے جراثیم اس کے اندر رہ جاتے ہیں تو اس کا گوشت کھانے والا کسی نہ کسی مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے تیسرے اس کا خون جمندہ جو تمام جسم کا گرم ترین حصہ ہے۔ جب اس کے اندر رہ جاتا ہے تو اس حرارت کے اثرات جس سے خون گردش کرتا ہے اس کے اندر دب کر رہ جاتے ہیں پس اس کا گوشت جو کوئی کھائے گا۔ لامحالہ کسی مرض میں مبتلا ہو کر رہے گا۔

(۲) خون کھانا بھی اس لیے حرام ہے کہ اول تو جراثیم حیوان کے خون میں ہوتے ہیں وہ جب انسان کے جسم میں جاتے ہیں تو بیماری کا باعث بن جاتے ہیں۔ کیونکہ ایک خون دوسرے خون سے مل کر جب اپنی اپنی خصوصیات دکھاتا ہے تو ان میں تصادم پیدا ہوتا ہے۔ نتیجہ میں بدن کے اندر فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ دوسرے خون پینے سے

Marfat.com

انسان میں خونخواری، سفاکی اور سخت دلی پیدا ہوتی ہے۔
(۳) سور ایک نجاست خور جانور ہے اس کا گوشت کھانے سے انسان کے اخلاق پر برا اثر پڑتا ہے۔ بے حیائی اور سخت مزاجی اس کے اندر پیدا ہو جاتی ہے اس کے علاوہ بعض امراض سے بھی سامنا کرنا پڑ جاتا ہے۔
(۴) جو جانور اللہ کا نام لے کر ذبح نہیں کیے جاتے اس کا گوشت ایک مسلمان جو خدائے وحدہٗ لاشریک پر ایمان رکھنے والا ہے کیونکر کھا سکتا ہے۔ جب کہ بتوں کے نام پر اس کی قربانی کی گئی ہو یا یوں ہی بغیر نام خدا لئے اس کی گردن کاٹ دی گئی ہو یا سکھوں کی طرح جھٹکا کر دیا گیا ہو۔ جب ایک مسلمان کو بتوں سے نفرت ہے بلکہ وہ ان کا دشمن ہے تو وہ ان کے نام سے قربانی کو کیوں پسند کرے گا۔ جو جانور اللہ کے نام پر ذبح نہیں کئے جاتے۔ ان سے خیر و برکت اٹھ جاتی ہے۔ خدا پرستی کے جذبہ کو تقویت دینے کے لئے بھی ان کا حرام قرار دینا قرین عقل ہے اسلام چاہتا ہے کہ جو گوشت مسلمان کے شکم میں پہنچے وہ بے ضرر ہو صاف ستھرا ہو۔ اسلام نے ذبح کا جو طریقہ رکھا ہے وہ تمام طریقوں سے بہتر ہے کیونکہ ذبح سے تمام خون جانور کے جسم سے نکل جاتا ہے اور اس کے بدن کی گرمی ختم ہو جاتی ہے۔ خون بہت زیادہ گرمی رکھتا ہے اس کے استعمال سے جذام اور برص کے پیدا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔ اسلام نے اس کو نجس قرار دیا ہے اور حکم دیا ہے کہ اگر جسم کے کسی حصے پر لگ جائے تو فوراً اس کو دھو ڈالا جائے۔ تاکہ اس کے مضر اثرات جسم تک نہ پہنچیں۔ خون نکلنے کے بعد جو خون رہ جاتا ہے وہ نجس نہیں اور اس کا کھانا جائز ہے یعنی جو گوشت کے اندر رہ گیا ہے۔

---

(۲۷) قصاص

پ البقرہ ع ۲۲ :- وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

اے عقلمندو قصاص (کے قواعد بنا دینے) میں تمہاری زندگی ہے تاکہ تم خونریزی

سے پرہیز کرو) اسلام میں خون کا بدلہ خون ہے یعنی اگر کوئی کسی کو قتل کر دے تو
اس کے بدلہ میں قاتل کو قتل کر دینا چاہئے اور اگر مقتول کے ورثا خون کی قیمت
لینے پر راضی ہوں تو وہ قیمت قاتل سے دلائی جائے۔

اگر دنیا کی حکومتیں اسلام کے اس اصول پر عمل کریں تو جو سفاکی اور خونریزی اطراف عالم میں ہو رہی ہے اس کا دروازہ بند ہو جاتا۔ ایک قاتل اس اطمینان پر جسے چاہتا ہے قتل کر دیتا ہے کہ وہ سفارش بہم پہنچا کر یا رشوت دے کر اپنے کو بچا لے گا اور اگر یہ داؤ نہ چلے گا تو زیادہ سے زیادہ ۱۴ سال کی قید ہو جائے گی۔ غور کیجئے ان تمام صورتوں میں ورثائے مقتول کے جذبات کی تسکین کا کیا سامان ہوا اور ایک عزیز جان کے ضائع ہونے کا بدلہ کہاں کیا ملا۔

فرض کیجئے ایک جوان عورت کا شوہر قتل کر دیا جاتا ہے اس کا سہاگ لٹ جاتا ہے اس کا مستقبل تاریک ہو جاتا ہے۔ قاتل کو چند سال کی قید ہو جاتی ہے اس سے اس غریب بیوہ کی زندگی بسر کرنے کا کیا سامان ہوا۔ اگر اسے خون بہا میں چند ہزار روپیہ مل جاتا تو کچھ دن تو اس کی زندگی آسودگی سے بسر ہو جاتی ہے یا اگر قاتل کو پھانسی دیدی جاتی تو اس غریب بیوہ کے مسلے ہوئے جذبات ہی کو تسکین ہو جاتی اور اس کے قتل سے دوسروں کو غیرت ہوتی۔ چند سال کی قید سے نہ مقتول کے وارثوں کو فائدہ پہنچتا ہے نہ خلق اللہ کو عبرت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب لوگ قتل کرنے سے مطلق نہیں ڈرتے اور نہایت بیباکی سے معمولی معمولی بات پر قتل کر دیتے ہیں۔

دنیا کی حکومتوں کا رجحان اس طرف بڑھتا جا رہا ہے کہ کسی قاتل کو قتل کی سزا نہ دی جائے بلکہ جیل میں رکھ کر اس کے اخلاق کو درست کیا جائے لیکن ان کا یہ منصوبہ کامیاب نہیں ہوا اور نہ آئندہ ہوگا جیل میں جانے کے بعد ان کی ہمتیں اور بڑھ جاتی ہیں اور سزا کی نوعیت کا اندازہ ان کے دل سے خوف و ہراس کو نکال دیتا ہے۔ چنانچہ آئے دن کا تجربہ ہے کہ ایک شخص کا قاتل جیل سے باہر آنے کے بعد اور کئی بیگناہوں کا قاتل بن جاتا ہے حقیقت یہ

ہے کہ دنیوی حکومتیں فساد و خونریزی کو بند کرنا نہیں چاہتیں بلکہ ایسے قانون بناتی ہیں جن سے قتل و غارت گری میں روز بروز اضافہ ہو۔

اگر اسلامی قانون پر عمل ہونے لگے۔ قاتلوں کو قتل کیا جائے۔ چوروں کے ہاتھ کاٹے جائیں زانی کو سنگسار کیا جائے۔ بدکرداروں کو سر بازار کوڑے مارے جائیں تو یقیناً ایک بہت بڑی حد تک جرائم کا سدباب ہو سکتا ہے۔

---

(۲۸) صوم ماہ رمضان

پ۲ البقرہ ع ۲۳۔ یاایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ط ایاما معدودات۔

(اے ایمان والو تم پر روزے اس طرح فرض کئے گئے ہیں جیسے تم سے پہلی امتوں پر فرض کیئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ یہ گنتی کے چند دن ہوتے ہیں)

روزہ میں جسمانی، اخلاقی اور روحانی بیشمار فوائد ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہر زمانہ کے لوگوں پر فرض نہ کرتا۔ خدا کسی کو تنگی میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا بلکہ آرام سے رکھنا چاہتا ہے اگر روزہ میں بہت سے فوائد نہ ہوتے تو وہ ہرگز فرض نہ کرتا۔ جس چیز میں فوائد زیادہ ہوتے ہیں۔ اسی قدر اس کے قیود میں بھی سختی ہوتی ہے۔ کسی عبادت کے ترک کا اس سختی سے کفارہ نہیں جتنا روزہ کا ہے۔

مثلاً ایک شخص سے کسی وقت کی نماز قضا ہو جاتی ہے وہ دوسرے وقت اس کی قضا بجا لا سکتا ہے۔ صرف ایک ہی نماز کی صورت میں یا مثلاً کسی نے زکوٰۃ نہیں دی دوسرے وقت اتنی ہی مقدار میں دے سکتا ہے کوئی تاوان نہیں یا مثلاً کسی نے حج

نہیں کیا تو دوسرے سال کرے لیکن اگر کسی بغیر عذر شرعی کے ایک روزہ قضا ہو گیا ہے تو اس کے بدلے پے در پے دو مہینے کے روزے رکھنا ہوں گے۔ غور کیجئے کتنی سخت سزا ہے اسی سزا سے اندازہ ہوتا ہے کہ قدرت نہیں چاہتی کہ کوئی مسلمان بے وجہ ایک روزہ بھی ترک کرے اگر روزہ میں بکثرت فوائد نہ ہوتے تو اتنی سخت سزا نہ رکھی جاتی۔ تمام عبادتوں سے زیادہ فائدہ روزہ میں معلوم ہوتا ہے۔ افسوس ہے ان لوگوں پر جو اس عبادت کو بجا نہ لائیں روزہ رکھنے سے جسم کی رطوبات فاسدہ جل جاتی ہیں۔ اخلاق فضائل میں اضافہ ہوتا ہے اور معرفت زیادہ ہونے سے روحانی درجات میں ترقی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ تین چیزیں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں :- الجهادُ بالسّیف - الاکرامُ للضّیف۔ الصومُ فی الصّیف :- تلوار سے جہاد کرنا۔ موسم گرما میں روزہ رکھنا اور مہمان کا اکرام کرنا چونکہ روزہ سخت عبادت ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بہت سی رعائتیں ملحوظ رکھی ہیں۔

۱۔ اگر ماہ رمضان میں کوئی جائز سفر درپیش ہو تو روزہ قضا کرو۔

۲۔ بیماری کی حالت میں نہ رکھو۔

۳۔ اگر بیمار ہو جانے کا اندیشہ ہو تو بھی نہ رکھو۔

۴۔ سحری کھا لیا کرو تاکہ زیادہ تکلیف نہ ہو۔

۵۔ دن میں نہیں مگر رات کو اپنی بی بی سے مجامعت کر سکتے ہو۔

۶۔ اس ماہ میں جتنا چاہو، خرچ کرو داخل اسراف نہ ہوگا۔ بشرطیکہ جائز امور میں صرف کیا ہو۔

روزہ کی دو صورتیں ہیں :-

۱۔ عام لوگوں کا روزہ یعنی صرف کھانے پینے سے اجتناب اس کا فائدہ صرف جسم تک محدود رہتا ہے۔

۲۔ خواص کا روزہ جس میں زیادہ وقت قرآن خوانی اور ذکر الٰہی میں گزرتا ہے۔ جھوٹ

Marfat.com

اور غیبت سے پرہیز کیا جاتا ہے۔ کسی نامحرم عورت پر نظر بد نہیں ڈالی جاتی۔ رشوت نہیں لی جاتی۔ کسی کا مال غصب نہیں کیا جاتا۔ جھوٹی گواہی نہیں دی جاتی۔ اشعار باطل نہیں پڑھے جاتے۔ لہو ولعب میں وقت نہیں گزارا جاتا۔ بھوک پیاس کی شکایت نہیں کی جاتی طعن و طنز سے کسی کا دل نہیں دکھایا جاتا۔ ایسے روزہ سے اخلاقی اور روحانی فضائل حاصل ہوتے ہیں

(۲۹) حج و عُمرہ

پ۲ لبقرع ۲۴۔ واتموالحج والعُمرۃ للّٰہ :۔ (خدا ہی کے واسطے حج و عمرہ کو پورا کرو)

اللہ تعالیٰ نے عمر بھر میں صرف ایک بار بطور وجوب اپنے گھر بلایا ہے بشرطیکہ تم میں وہاں جانے کی استطاعت ہو اور راستے پر امن ہوں۔ حج وعمرہ چند مخصوص عبادتوں کے بجالانے کا نام ہے۔ تلبیہ۔ احرام۔ طواف کعبہ۔ استلام حجر اسود۔ مقام ابراہیم پر نماز، طواف صفا و مروہ، عرفات میں قیام، مشعر الحرام میں رات گزارنا۔ صبح کو منا میں آنا۔ رمی جمرات کرنا۔ قربانی کرنا۔ سر منڈوانا۔ طواف نسا کو بجالانا۔ حج کے بہت سے مقاصد ہیں جن میں سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنی عبدیت کو پہچانے۔ غرور و تکبر کا خبط دل سے نکالے۔ تفوق و برتری کا خیال چھوڑے اور یہ سمجھ لے کہ خدا کی بارگاہ میں آنے والے سب بندوں کی حیثیت برابر ہے۔ یہاں بادشاہ و رعایا، حاکم و محکوم، غلام و آقا عالم و جاہل، شہری و بدوی سب برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر فوقیت نہیں۔ اس مالک الملک کی سرکار میں حاضر ہونے کا لباس جس کو احرام کہتے ہیں یہ ہے۔

ایک سفید سوتی کپڑے کا لنگ ایک سفید سوتی چادر اوپر کا بدن ڈھکنے کے لئے کوئی موسم ہو۔ کسی طبقے کا انسان ہو۔ اس کا بس یہی لباس ہے۔ سلا ہوا نہ ہو۔ رنگین نہ ہو

ریشمی نہ ہو۔ تاکہ مساوات میں فرق نہ آئے۔ کوئی امتیازی شان پیدا نہ ہو۔ جب مکہ معظمہ میں داخل ہو تو لبیک لبیک (حاضر ہوں۔ حاضر ہوں) کہتا ہوا۔ سر پر سایہ نہ ہو۔ ٹوپی یا عمامہ نہ ہو جوتے ایسے ہوں جن کا اوپر کا حصہ کھلا ہوا ہو۔ صرف ایک تسمہ اوپر ہو۔ خانہ کعبہ میں آئیں تو طواف کریں۔ کوئی کسی کو آگے پیچھے نہیں کر سکتا۔ جگہ سے نہیں ہٹا سکتا۔ سر دیا پر نہ ہو کر طواف کریں۔ اسی طرح صفا و مروہ کا طواف ہو۔ وہاں کوئی کسی پر ظلم نہیں کر سکتا۔ مالک الملک رب العالمین کی سرکار ہے وہاں سب برابر ہیں۔ منا میں آئیں تو شیطان پر کنکر یاں ماریں یہ کنکریاں مزدلفہ یا مشعر الحرام سے لی گئی ہوں۔ اور کہیں کی نہیں پھر قربانی کریں۔ سر منڈوائیں۔ غور کرو ان مناسک کے بجالانے میں غرور اور تکبر کا کچومر نکل جاتا ہے یا نہیں۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں عبدیت (بندگی) اپنے اصلی روپ میں نکل کر آتی ہے۔ یہیں یہ سبق سکھایا جاتا ہے کہ ایک مسلمان چاہے کتنے ہی بڑے مرتبے کا ہو۔ دوسرے مسلمان کو اپنے ہی جیسا خدا کا بندہ سمجھے۔ خدا چاہتا ہے کہ کم از کم ایک بار تو میری سرکار میں آکر یہ سمجھ لیں کہ بندگی کیا چیز ہے۔ ان چار روز کے اعمال میں بہت سے درس انسان کو حاصل ہوتے ہیں۔

(۱) ملکوں ملکوں کے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ ان کے رنگ روپ اور لباس۔ رفتار و گفتار کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔

(۲) جب کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کے کہنے والے فرزندان توحید ایک مرکز پر لاکھوں کی تعداد میں نظر آتے ہیں تو دل کو کیسی خوشی ہوتی ہے۔

(۳) ان کے معاشرتی تمدنی اور اخلاقی حالات سے واقفیت ہوتی ہے۔

(۴) تجارتی کاروبار میں ایک دوسرے کو مدد ملتی ہے۔

غرض ایک کیا بیشمار مادی اور روحانی فوائد حج کرنے والوں کو وہاں جا کر حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن اگر یہ عبادت بہ نیت صادق ہو تب تو اس سے روحانی فوائد حاصل ہوتے ہیں ورنہ سیر و تفریح کے سوا کچھ نہیں۔

Marfat.com

حج کرنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ مدینہ منورہ بھی جائیں اور قبر رسول کی زیارت کریں۔ یہ دنیا کی سب سے بڑی مسجد ہے اس میں ایک طرف روضہ رسول ہے۔ جب راقم الحروف مع اپنے فرزند اکبر سید شمیم الحسن نقوی کے ۱۹۷۲ء میں زیارت قبر رسول سے مشرف ہوا تو ہر طرف نگاہیں اٹھا اٹھا کر مسجد کے اندر اور باہر یہ دیکھ رہا تھا کہ کہیں محلہ بنی ہاشم کا بھی پتہ ہے جنہوں نے اسلام کو تمام دنیا میں پھیلایا کہیں ان کا بھی نام ونشان ہے نہ کسی دروازہ پر ان کا نام نہ کسی سڑک پر ان کا نام۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ گویا وہ دنیا میں آئے ہی نہ تھے۔ جناب سیدہ کا گھر خانہ رسول سے بالکل متصل تھا۔ مگر اب اس کا نام ونشان کہاں۔ کاش بیت اشرف نبوت کو باقی رکھا گیا ہوتا۔ تاکہ شوق بھری نگاہیں اس کے درودیوار سے مس ہو کر نورانیت حاصل کرتیں۔ اس کا کیا ذکر۔ وہاں تو قبر رسول کو دیکھ بھی نہیں سکتے۔

جنت البقیع جہاں نبی کے پارہ جگر اور ہمارے چار امام دفن ہیں۔ اس کا حال بیان کرتے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ ایک ویران قبرستان ہے جہاں کسی قبر کا نشان نہیں۔ ایک جگہ چھوٹے چھوٹے پتھر رکھ کر پانچ قبروں کے برابر برابر نشان بنا دیئے ہیں۔ ظالم ان تک بھی نہیں جانے دیتے۔ مومنین صرف نگاہوں سے بوسے دے کر روتے پیٹتے وہاں سے چلے آتے ہیں۔

(۳۰) انفاق فی سبیل اللہ

پ۲۔ البقرع ۲۱۶۔ یسئلونک ماذا ینفقون قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل وما تنفقوا من خیر فان اللہ بہ علیم ۝

(لوگ تم سے پوچھتے ہیں ہم خدا کی راہ میں کیا خرچ کریں تم ان سے کہہ دو کہ تم اپنی نیک کمائی سے جو کچھ خرچ کرو۔ وہ تمہارے ماں باپ اور قرابت داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور پردیسیوں کا حق ہے اور تم کوئی نیک کام کرو تو خدا اس

Marfat.com

کو ضرور جانتا ہے)

خدا کے جو بندے ضرورت مند ہیں ان کا حق ایسے لوگوں پر رکھا ہے جو اپنے نفقہ کی طرف سے آسودہ و خوش حال ہیں۔ اس نے ایسے لوگوں کی جن کے ساتھ سلوک کیا جائے اور وقت ضرورت ان کی مدد کی جائے۔ مذکورہ بالا آیت میں فہرست دے دی ہے۔ اُسے یہ اچھا معلوم نہیں ہوتا کہ کچھ لوگ تو آرام سے زندگی بسر کریں۔ اور خوش و خرّم رہیں اور اس کے کچھ بندے پیسہ پیسہ کو ترسیں فاقہ کریں۔ برہنہ تن رہیں۔ لہٰذا اس نے بطور صلہ رحم مالداروں کو حکم دیا کہ وہ ان کی خبر لیتے رہیں تاکہ خدا ان سے خوش رہے اور ان کی دولت میں اضافہ ہو۔

خمس و زکوٰۃ کے علاوہ بھی نادار لوگوں کی امداد کرتے رہنا چاہیئے۔ حدیث میں ہے "وہ مومن نہیں جس کا نادار پڑوسی بھوکا سوتا ہو" امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے "میں کیوں کر شکم سیر ہو کر کھاؤں جب کہ میرے آس پاس کچھ بھوک کے مارے تڑپ رہے ہوں۔" دولت کا شکریہ یہی ہے کہ ناداروں کی خبر لی جائے اور ان کو فقر و فاقہ کی تکلیف سے بچایا جائے۔ ان صاحبان حاجت میں سب سے پہلا حق ماں باپ کا ہے پھر رشتہ داروں کا، پھر یتیموں کا، پھر ان مسافروں کا جو پردیس میں آکر ضرورتمند ہوں۔

معاشرتی اصلاح کا یہ ایک بہترین طریقہ ہے۔ جو لوگ راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے اور مصیبت زدوں کی خبر نہیں لیتے۔ لوگ ان کے دشمن ہو جاتے ہیں اور جب کوئی مصیبت ان پر آتی ہے تو مدد نہیں کرتے۔ برخلاف ان لوگوں کے جو خدا کی غریب مخلوق پر رحم کھا کر اپنی دولت کا ایک حصہ ان کو دیتے رہتے ہیں وہ ہر دلعزیز بن جاتے ہیں اور سب لوگ ان کا احترام کرتے ہیں اور وقت مصیبت ان کے لئے اپنی جان تک دینے میں دریغ نہیں کرتے۔

Marfat.com

(۳۱) شراب وجُوا

پ۲۔ البقرہ ع ۲۷ : یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر و منافع للناس
اثمھما اکبر من نفعھما ۔ (اے رسول) لوگ تم سے شراب اور جوئے
کے متعلق پوچھتے ہیں تم کہہ دو کہ ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور کچھ نفع بھی
ہے لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ ہے)

شراب ہو یا جوا یہ دونو چیزیں ایسی ہیں کہ جب ان کی لت پڑ جاتی ہے تو پھر چھوٹتی نہیں اور ایسے لوگ معاشرہ کے لئے فتنہ وفساد کا باعث بن جاتے ہیں۔ شراب پینے کے بعد انسان کی عقل ماری جاتی ہے چاہے وہ کتنا ہی پرانا پینے والا ہو۔ اگر مزاج میں تغیر نہ ہو تو پھر وہ پیتے ہی کیوں۔ نشہ کی ترنگ میں اس کو اچھے بُرے کی تمیز نہیں رہتی اور بُرے کام کے کرنے میں اسے باک نہیں ہوتا۔ لوگوں سے لڑتا جھگڑتا ہے۔ عورتوں کی عصمت دری کرتا ہے انتہا یہ ہے کہ بسا اوقات قتل پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ یہ تمام صورتیں ایسی ہیں کہ معاشرہ میں طرح طرح کے فسادات کا باعث بن جاتی ہیں۔ جب عقل پر پردہ پڑ جائے تو پھر انسانیت کہاں باقی رہتی ہے۔

اکثر لوگ کہتے ہیں کہ شراب انسان کے دل و دماغ کو بڑی قوت دیتی ہے اور انسان اس کے سہارے بڑے بڑے دقیق مسئلوں کو حل کر لیتا ہے۔ پس ایسی مفید چیز سے روکنا اور اسے حرام بتانا انسان کی ترقی کا سدباب کرنا ہے۔ قرآن نے اس کے جزئی نفع کو تو مانا ہے لیکن اس کے گناہ کو اس کے نفع سے زیادہ بتایا ہے۔ غور کرو ایک شراب خوار آدمی اگر امور دنیا میں ترقی کر بھی لے تو اپنی عاقبت سنوارنے کی اسے فکر نہیں ہوتی۔ وہ خدا پرستی کی بجائے شیطان پرست بن جاتا ہے۔ کیا یہ نقصان کچھ کم ہے ۔ نے دنیا کو لیا اور دین کو چھوڑ دیا۔ عند العقل وہ سب سے بڑے خسارہ میں ہے۔

Marfat.com

اب شراب کے چند نقصانات پر غور کیجئے:۔

۱۔ شراب کی لت جب پڑ جاتی ہے تو وقت پر نہ ملنے سے اس کے اعضاء ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور دماغ معطل ہو جاتا ہے۔ جب تک نہ پی لے اس پر وحشت سوار رہتی ہے اور کسی کام کا نہیں رہتا۔

۲۔ جب یہ لت بڑھتی چلی جاتی ہے تو انسان شراب کی مقدار بھی بڑھاتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بہت سے لوگ بجائے پانی کے بھی شراب پیتے ہیں۔ ایسی حالت میں ان کے دل و دماغ پر جو خراب اثرات پڑتے ہیں وہ ان کی حالت دیکھنے والوں کی سمجھ میں آسانی سے آسکتی ہے۔

۳۔ اچھی شراب بڑی قیمتی ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک بوتل سو سو دو دو سو روپیہ میں ملتی ہے غور کرو اگر کوئی شخص کم سے کم دو بوتلیں بھی روزانہ پیتا ہے تو ایک ماہ میں تین ہزار روپیہ شراب خواری میں صرف ہو جاتا ہے۔ کاش وہ یہ رقم کثیر کسی نیک کام میں صرف کرتا۔ جس سے بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچتا

۴۔ جو لوگ شراب نہیں پیتے ان کی نظر میں شراب خوار کی وقعت جاتی رہتی ہے۔

۵۔ شراب خوار کے منہ سے ایسی بدبو آتی ہے کہ لوگ اس سے بات کرنا پسند نہیں کرتے جو لوگ شراب نہیں پیتے کیا اس دنیا میں انہوں نے بڑے بڑے کام نہیں کئے۔ ضرور کئے ہیں۔ بڑی بڑی ایجادیں کی ہیں۔ بڑے بڑے سربستہ رازوں کی نقاب کشائی کی ہے تو پھر اس کا سہرا شراب خواروں ہی کے سر کیوں باندھا جائے۔

۶۔ شراب خوار زناکار بن جاتا ہے۔ مغربی ممالک کے ہوٹلوں میں جاکر اس کا تماشہ دیکھ لیجئے وہیں کیا ایشیا میں بھی بڑے بڑے ہوٹلوں میں رات کو شراب پی کر ہوٹل کے مینجروں سے کیسی حسین لڑکیوں کی طلب ہوتی ہے۔

۷۔ شراب خوار سے حیاء و شرم رخصت ہو جاتی ہے۔ شراب کے نشہ میں وہ برہنہ ہو کر

Marfat.com

ناچنے لگتا ہے۔ ایسا تماشہ تو یورپ و امریکہ وغیرہ کے کلبوں میں عام طور پر دیکھا جاتا ہے

۴۔ آخری عمر میں شراب خوار کے اعضائے جسمانی خراب ہو جاتے ہیں اور وہ مختلف امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

یہ اور اس قسم کے بہت سے نقصانات ہیں جو شراب خواری کی وجہ سے انسان کو لاحق ہوتے ہیں تو عقلمند زیادہ نفع کو چھوڑ کر کم نفع کو کیوں اختیار کرے گا۔ اسی شراب کا ایک کرشمہ تھا کہ بنی امیہ کے ایک خلیفہ ولید نے بحالت جنابت صبح کی دو رکعت کی جگہ چار رکعت نماز پڑھا دی اور ماموین سے کہا اگر کہو تو اور پڑھا دوں۔ اس لئے قرآن نے کہا ہے:۔

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكَارٰى (نماز کے قریب نہ جاؤ در انحالیکہ تم نشہ میں ہو)

اب رہا جوا۔ اس کے نقصانات کا کیا ٹھکانہ ہے۔ ہزاروں گھر تباہ ہو گئے جو بنے بھی وہ آخر تباہ ہوئے بغیر نہ رہے۔ اس میں جیت تو دو چار بار ہی ہوتی ہے۔ البتہ خسارہ بار بار ہوتا ہے۔ جوئے کی بھی شراب کی طرح لت ہوتی ہے۔ جواری کو بغیر جوا کھیلے چین نہیں آتا۔ چاہے سو بار ہار ے۔ جوا آدمی کو بے حیا، سخت دل اور خود غرض بنا دیتا ہے۔ وہ بغیر محنت مزدوری کئے ہاتھ پیر ہلائے دولت حاصل کرنا چاہتا ہے چونکہ یہ قانون قدرت کے خلاف ہے لہٰذا اس کی سزا اسے ملتی رہتی ہے۔ جواری کو ہر وقت اپنی گرفتاری کا کھٹکا لگا رہتا ہے اور جب پولیس کی گرفت میں آجاتا ہے تو سارا پیسہ بھی ضبط ہو جاتا ہے اور سزا بھی پاتا ہے۔ غور کرو یہ کیسی ذلیل اور خوفناک زندگی

(۳۲) حیض میں جماع کی ممانعت

پ۲ البقرع ۲۸۔ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِى الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ۔ (لوگ تم سے حیض کے بارے میں پوچھتے

Marfat.com

ہیں تم کہہ دو کہ وہ گھن کی بیماری ہے۔ ایام حیض میں تم عورتوں سے الگ رہو
اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان کے پاس نہ جاؤ)

بحالتِ حیض عورت سے مقاربت کرنا مرد و عورت دونوں کے لئے باعث نقصان ہے۔ چونکہ خونِ حیض نہایت گرم ہوتا ہے اس لئے مرد کو آتشک یا سوزاک کی بیماری ہوجاتی ہے اور ایسی حالت میں جو حمل قرار پاتا ہے۔ وہ بچہ مجذوم مبروص یا اندھا پیدا ہوتا ہے یا اس قسم کا کوئی اور مرض اسے لاحق ہوتا ہے۔ اکثر پیدائشی مجنون ہوتا ہے۔ یہ سزا ہوتی ہے حکم خدا کی نافرمانی کی۔

(۳۴) طلاق

پ البقرع ۲۹:۔ الطلاقُ مرّتانِ فامساکٌ بمعروفٍ او تسریحٌ باحسانٍ ۔

(طلاق رجعی (جس کے بعد رجوع ہوسکتی ہے) دو ہی مرتبہ ہے اس کے بعد یا تو
شریعت کے موافق روک لیا جائے یا حسن سلوک سے بالکل رخصت)

اس آیت سے صاف یہ مطلب واضح ہوتا ہے کہ طلاق رجعی دو بار ہوسکتی ہے یعنی مرد ایک بار طلاق دے کر عدّہ کے اندر بغیر نکاح پھر اسے اپنی زوجیت میں لے سکتا ہے۔ دوسری بار بھی ایسا ہی کرسکتا ہے البتہ جب تیسری بار طلاق دے گا تو پھر رجوع نہیں کرسکتا۔

حضرات اہلسنت کے یہاں ایک بار ہی تین بار انتِ طالق انتِ طالق انتِ طالق کہنے سے طلاق بائن ہو جاتی ہے جس کے بعد پھر رجوع نہیں کرسکتا۔ یہ سراسر غلط ہے آیت میں مرّتان ہے یعنی دو بار طلاق میں رجوع کرسکتا ہے الفاظ سے تعلق نہیں بلکہ عمل سے تعلق ہے اور یہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ عورت اور مرد میں اگر کوئی جھگڑا چل رہا ہو۔ تو جدا ہونے کے بعد اپنے اپنے مقام پر غور کریں۔ ممکن ہے اصلاح کی کوئی صورت نکل آئے

اور وہ پھر مل بیٹھیں اگر پھر طلاق ہو تو پھر ان کو ان اور موقع مل جائے لیکن دو بار کے بعد بھی اگر اصلاح کی کوئی صورت نہ نکلے تو تیسری طلاق کے بعد ہمیشہ کے لئے چھٹکارا۔ یہ کیسی معقول صورت ہے زن و مرد کے تعلقات کو ہموار کرنے کے لئے لیکن پہلی بار ہی تین بار صیغہ طلاق پڑھ کر عورت کو ہمیشہ کے لئے جدا کر دینے میں یہ اصلاحی صورت کہاں باقی رہتی ہے حیض میں طلاق کو اسی لئے منع کیا گیا ہے کہ شاید اس مدت میں اصلاح کی کوئی صورت نکل آئے۔ جس شریعت نے یہاں تک احتیاط کی ہے وہ ایسا حکم کیسے دے سکتی ہے کہ ایک ہی بار تین طلاقیں پڑھ کر ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا جائے۔ رسول اللہ نے فرمایا ہے اَبْغَضُ الاَشیاءِ عِندی الطَّلاق (میرے نزدیک سب سے بُری چیز طلاق ہے) ایسی صورت میں زن و مرد کو طلاق بائن سے بچانے کی یہی صورت ہے کہ دونوں کو ایک بار نہیں بلکہ دو بار سوچنے کا موقع دیا جائے۔ تمہارہ کر جو تکلیف محسوس کریں یا اپنے اپنے کردار پر غور کریں تو شاید اصلاح کی کوئی صورت نکل آئے اور طلاق بائن سے نجات مل جائے اس زمانہ میں طلاق دینا ایک معمولی بات بن گیا۔ شادی کے چند سال بعد ہی کسی اور لڑکی سے تعلق پیدا کر کے اپنی بی بی کے سامنے طلاق نامہ رکھ دیتے ہیں۔ افسوس۔ اسلام تیرے اوپر کیا کیا مصیبتیں آ رہی ہیں۔ تیرے آئین کو یکسر لوگ بدلتے جا رہے ہیں۔

---

(۳۴) دُودھ پلانے کی مُدت دو سال

پ۲ البقرع ۳۰۔ وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَھُنَّ حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ۔

(مائیں اپنی اولاد کو دو برس کامل دودھ پلائیں) رضاعت کی مدت دو برس کامل اس لئے رکھی گئی ہے کہ اس مدت میں بچہ کے اعضاء مضبوط ہو جاتے ہیں اور وہ روٹی وغیرہ کھانے کے قابل ہو جاتا ہے۔ نیز یہ کہ ماں کے دُودھ کی تاثیر اس مدت میں بچہ

رگ وریشہ میں رچ بس جاتی ہے۔ قدرت نے بچہ کی پہلی غذا ماں کا دودھ قرار دی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بچہ کی فطرت اور مزاج کے مطابق ہوتا ہے اور نشوونما میں اس سے بڑی مدد ملتی ہے۔ بچہ روز بروز پنپتا چلا جاتا ہے اور بہت سے امراض سے محفوظ رہتا ہے۔

یہ اسلام کا بہترین حکم ہے لیکن مغربی تہذیب کی فریفتگی نے یہاں اور بہت سی اسلامی تعلیم پر پانی پھیرا ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ اب صورت عمل یہ ہے کہ ادھر بچہ پیدا ہوا۔ اُدھر ماں نے گائے کے دودھ یا ڈبہ کے دودھ کی شیشی بچہ کے منہ سے لگادی اور اپنی چھاتی کو جس میں قدرت نے اس بچہ کی غذا ودلیعت کی تھی بچالیا تاکہ دودھ پلانے کی زحمت سے بچی رہی اور قمیص یا پائجامہ پر دودھ کے قطرے گرنے سے بُو اور کثافت پیدا نہ ہو۔

لیکن حکم خدا کی اس خلاف ورزی کا نتیجہ اچھا نہ نکلا۔ اُوپر کا دودھ اکثر اوقات بچہ سے سازگار نہیں کرتا اور وہ بیمار پڑ جاتا ہے۔ زیادہ تر بچوں کو ام الصبیاں کا عارضہ لاحق ہو جاتا ہے۔ عام طور پر جو لڑکے لاغر وناتواں پائے جاتے ہیں اس کا خاص سبب یہی ہے۔ دل، دماغ اور آنکھوں کی کمزوری کا سبب بھی بسا اوقات یہی ہوتا ہے۔ سبب بہت سے بچے آغاز عمر ہی میں مرجاتے ہیں۔ اس کے علاوہ چھاتیوں میں دودھ رکنے سے کبھی کبھی ماں کی چھاتیاں پک جاتی ہیں۔ کبھی کبھی ان میں کینسر ہو جاتا ہے۔ کبھی دوسرے بچہ کے لئے دودھ خراب ہو جاتا ہے۔ کاش مسلمان عورتیں اس حکم خدا کی خلاف ورزی کریں

(۳۵) بیوہ کے سوگ کی مدت

پ البقرع ۳۰۔ والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشرا (تم میں سے جو لوگ بیبیاں چھوڑ کر مرجائیں تو یہ بیویاں چار مہینے اور دس دن اپنے کو

رد کیں دادر دوسرا نکاح نہ کریں) قدرت نے عدّہ وفات کی مدت جسے ہماری اصطلاح میں سوگ کہتے ہیں۔ چار ماہ دس دن رکھی ہے۔ تاکہ اس مدت کے اندر اگر عورت کو حمل رہا ہو تو ظاہر ہو جائے۔ حمل کی صورت میں وہ دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔

اس مدت میں بیوہ کو اپنے شوہر کے گھر میں رہنا چاہیئے۔ ادھر اُدھر گھومتی نہ پھرے تاکہ لوگوں کو کسی اور مرد کے حمل کا شبہ نہ پیدا ہو اور عورت بدنام ہونے سے محفوظ رہے۔ متوفی کی زوجہ کے سوا اور کسی عورت کے لئے سوگ نہیں جب کہ ہمارے ملک میں ہے کہ متوفی کے قریبی رشتہ دار چھ ماہی تک سوگ مناتے ہیں اور جیسا کہ عورتیں رشتہ داروں کے ہاں جانے سے پرہیز کرتی ہیں۔

ایام جاہلیت میں بیوہ عورت کا سوگ ایک سال تھا جس کا ذکر اس آیت میں ہے:۔

پ۲ ع ۱۳: والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا وصیۃ لازواجھم متاعا الی الحول غیر اخراج۔

(اور تم میں جو لوگ اپنی بیبیاں چھوڑ کر مر جائیں ان پر اپنی بیبیوں کے حق میں سال بھر کے نان ونفقہ اور گھر سے نہ نکلنے کی وصیت لازم ہے) یہ حکم مذکورہ بالا آیت سے منسوخ ہو گیا۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ جامع قرآن نے ناسخ آیت کو قرآن میں پہلے رکھا ہے اور منسوخ کو بعد میں حالانکہ اس کے برعکس ہونا چاہیئے تھا۔

(۳۰) ایک قوم کے زندہ ہونے کا واقعہ

پ۲ البقرہ ۳۲:۔ الم تر الی الذین خرجوا من دیارھم وھم الوف حذر الموت فقال لھم اللہ موتوا ثم احیاھم ان اللہ لذو فضل علی الناس ولکن اکثر الناس لا یشکرون۔

(اے رسول کیا تم نے ان لوگوں کے حال پر نظر نہیں کی جو موت کے ڈر کے مارے گھروں سے نکل بھاگے اور وہ ہزاروں آدمی تھے تو خدا نے ان سے فرمایا کہ سب کے سب مر جاؤ پھر خدا نے انہیں زندہ کر دیا بیشک خدا لوگوں پر بڑا مہربان ہے

Marfat.com

لیکن اکثر لوگ اس کا شکریہ ادا نہیں کرتے) (ترجمہ مولانا فرمان علی صاحب مرحوم)

مولانا نے اپنے مترجمہ قرآن کے حاشیہ پر لکھا ہے۔

" باختلاف روایات یہ لوگ چار یا آٹھ یا بیس یا چالیس یا ستر ہزار تھے۔ جو طاعون یا وبا کے خوف سے بھاگ گئے تھے۔ آخر موت کے پنجہ نے نہ چھوڑا۔ سب کے سب مر کر ڈھیر ہو گئے۔ ایک عرصہ بعد حضرت حزقیل کا ادھر سے گزر ہوا۔ آپ نے دعا کی۔ خدا کا حکم ہوا کہ چلو میں پانی لے کر ان پر چھڑکو۔ چنانچہ آپ چھڑکتے جاتے تھے اور وہ لوگ زندہ ہوتے جاتے تھے۔ چونکہ یہ واقعہ نوروز کے دن کا تھا اس لئے خدا نے اس دن ایک کا دوسرے پر پانی یا گلاب چھڑکنا سنت قرار دیا۔ مگر افسوس ہمارے بھائیوں نے اس کو ہولی سے بدتر کر دیا۔ خدا ہدایت کرے۔ "

مولانا مرحوم نے حواشی لکھنے میں احتیاط سے کام نہیں لیا اور روایت کو درایت کی کسوٹی پر نہ کسا۔ مذکورہ بالا حاشیہ انہوں نے کہاں سے لیا ہے اس کا پتہ نہیں دیا۔ مرنے والوں کی تعداد کے متعلق غیر ضروری اختلاف کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ آیت میں "ہم الوف" (وہ ہزاروں تھے) موجود ہے۔ اس پر دس بیس چالیس یا ستر ہزار کا ذکر کیا معنی۔

کسی وبا سے بچ کر بھاگنا اور اپنی جان بچانے کے لئے گھروں کو چھوڑنا کوئی ایسا جرم نہ تھا۔ جس کی سزا میں خدا نے ان سب کو ہلاک کر دیا۔ پھر پانی چھڑکوا کر سب کو زندہ کر دیا۔ وہ مارنا کیوں تھا اور یہ زندہ کرنا کیوں اور پانی چھڑکوانا کیوں۔ مولانا نے اس پر کوئی روشنی نہیں ڈالی۔ راوی نے خوب جوڑ ملایا کہ پانی چھڑکنے کو رسم نوروز سے جا ملایا اور پھر سب سے عجیب بات یہ ہے کہ یہ بھی لکھ دیا کہ خدا نے اس رسم کو سنت قرار دیا یہ کس آیت سے ماخوذ ہے؟

نوروز ایک ایرانی تہوار ہے۔ عرب سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ عربی زبان میں تو اس کے لئے کوئی لفظ بھی نہیں۔ نوروز سے نیروز معرب کر لیا ہے۔ ایران میں یہ قدیم آتش پرستوں کا تہوار تھا جیسے ہندوستان میں ہولی۔ یہ تہوار بہار کی آمد کی خوشی میں ہوتا تھا۔ مسرت ہوتی

Marfat.com

ہے کہ ایک غیر ملکی رسم کو خدا نے بھی سنت قرار دیا اور رسول نے بھی۔ العجب ثم العجب مسلمانوں کے تہوار تو رویت ہلال سے ہوتے ہیں شمسی حساب تو اسلامی تہواروں میں چلتا ہی نہیں۔ لیکن نوروز کو جو آتش پرستوں کی یادگار ہے۔ کھینچ تان کر اسلامی جنتری میں کیسے شامل کر لیا اور مصنوعی روایات کا سہارا لے کر اس کے بہت سے ثواب بھی لکھ لئے رہی اس کی خوشی کہ حضرت علی کو اس روز خلافت ظاہری ملی دوسری بات ہے اس کا نوروز سے کیا تعلق۔

اب اس سلسلہ میں سرسید احمد خاں صاحب کا بیان بھی سن لیجئے جو انہوں نے اپنی تفسیر انوار القرآن میں لکھا ہے :۔

"اس آیت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کن لوگوں کا ذکر ہے۔ مفسّرین نے لفظ موتوا اور لفظ احیا سے یہ قیاس کیا ہے کہ یہ لوگ حزقیل نبی کے وقت میں تھا۔ حزقیل کا ایک قصہ مُردوں کی ہڈیوں کو دیکھنے اور ان کے زندہ ہونے کا حزقیل نبی کی کتاب میں مندرج ہے۔ ہمارے مفسرین نے صرف ان دو لفظوں سے ایک قصہ مثل حزقیل بنا لیا ہے جو محض غلط ہے اور حذر الموت کے لفظ سے انہوں نے ان لوگوں کو اپنا ملک چھوڑ کر چلا جانا قرار دیا ہے مگر اس تفسیر کی کوئی سند نہیں۔ صرف اس غلط مثال پر یہ تفسیر بنالی گئی ہے۔"

حذر الموت کے لفظ سے بہ سبب وباء کے ان لوگوں کا ملک سے باہر چلا جانا نہایت غلط قیاس ہے۔ کیونکہ اس مقام پر خدا نے مسلمانوں کو اپنے دشمنوں سے لڑنے کی ترغیب دی ہے اور اس لئے لڑائی میں مارے جانے کے خوف سے ان لوگوں کا ملک چھوڑ کر چلا جانا مراد ہوسکتا ہے نہ کہ وبا کے ڈر سے۔

موت اور احیاء کے حقیقی معنی بھی یہاں مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ آیت میں اس بات کا کہ یہ امر معجزہ سے ہوا تھا۔ اور کیا محل معجزہ دکھانے کا تھا اور کس پیغمبر نے دکھایا تھا مذکور نہیں ہے۔ چونکہ یہ الفاظ موقع جنگ میں واقع ہیں اس لئے موت سے ان لوگوں کی نامردی اور بزدلا پن مراد ہے جو لڑائی میں موت کے ڈر سے ملک چھوڑ گئے تھے جیسے عام محاورہ میں

Marfat.com

کہتے ہیں کہ اگر یہ بات نہیں کرتے تو اچھا مرو یعنی مصیبت میں پڑے رہو۔ خدا نے اور جگہ بھی موت کے لفظ کو انہی معنی میں استعمال کیا ہے۔ جہاں فرمایا ہے:۔

(یعنی اپنے غصہ میں مرو) یعنی تباہ وخستہ حال رہو اور احیا کے لفظ سے ان کے دل میں قوت آنا اور لڑنے پر آمادہ ہونا اور دشمن کو شکست دینے پر قادر ہونا مراد ہے اور اسی تمثیل پر مسلمانوں کو دوسری آیت میں دشمنوں سے لڑنے اور دل مضبوط رکھنے کی ترغیب دی ہے پس موت وحیات سے حقیقی موت وحیات سمجھنا اور تمام قصہ کو حزقیل نبی کے فرضی قصہ پر جو حزقیل کی کتاب میں ہے محمول کرنا بہت بڑی غلطی ہے"۔ چونکہ ہمارے آئمہ سے یہ منقول نہیں لہٰذا ہم اس بیان کو صحیح تسلیم نہیں کر سکتے۔ صحیح یہ ہے کہ اس قوم کے امراء دباء سے خائف ہو کر بھاگ گئے تھے اور غریبوں اور اپاہجوں کو وہیں چھوڑ دیا تھا۔ خدا کو ان کی یہ خود غرضی پسند نہ آئی اور ان کو ہلاک کر دیا۔ ان کو چاہئے تھا کہ خدا سے دعا کرتے اپنے لئے بھی اور دوسروں کے لئے بھی۔ لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا اور موت سے بچنے کے لئے وہاں سے بھاگ نکلے۔ حضرت حزقیل کو بستی کے اجاڑ ہونے کا بڑا غم ہوا۔ انہوں نے دعا کی اور بقدرت خدا وہ زندہ ہو گئے۔

(۳۷) تابوت سکینہ

پ البقرہ ۲۴۶۔ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ۔

(ان کے (بنی اسرائیل) نبی نے ان سے کہا کہ اس کے (طالوت) کے (من جانب اللہ بادشاہ ہونے کی) نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائے گا۔ جس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تسکین دہ چیزیں اور ان تبرکات میں سے ہوگا جو موسیٰ وہارون کی اولاد بطور یادگار چھوڑ گئی ہے اور اس صندوق کو

Marfat.com

کو فرشتے اٹھائے ہوں گے)

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ تابوت سکینہ کیا تھا۔

ایک قول یہ ہے کہ تابوت سکینہ وہ صندوق تھا جس میں حضرت موسیٰ کی ماں نے آپ کو رکھ کر دریا میں ڈال دیا تھا اور اس میں بہت سے تبرکات تھے۔ یہ تو سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔ اول تو بنا بر ایک روایت کے انہوں نے درخت کی شاخوں سے بنایا تھا اور کسی بڑھئی سے تختوں کا بنوا بھی لیا ہو (حالانکہ یہ راز فرعون کے ڈر سے کسی پر ظاہر کرنا نہ تھا) تو وہ اتنا ہی چھوٹا سا ہوگا کہ ایک بچہ اس میں لیٹ سکے لیکن جو تابوت سکینہ بنی اسرائیل کے پاس تھا تو وہ بہت بڑا تھا جس کا بیان آگے آرہا ہے۔

(۲) اگر وہی صندوق ہو جو مادر موسیٰ نے بنایا تھا تو وہ محفوظ کیسے رہا۔ ظاہر ہے کہ وہ تو محل فرعون میں چلا گیا تھا وہاں لوگوں کو کیا پڑی تھی کہ اس کو محفوظ رکھتے اور پھر فرعون کے یہاں سالہا سال اس کو بحفاظت رکھا جاتا عقل میں آنے والی بات نہیں۔ یہ تو مفسرین کی من گھڑت باتیں ہیں۔

مولانا فرمان علی صاحب مرحوم کے مترجمہ قرآن کے حاشیہ پر یہی مضمون ہے۔ جو بے احتیاطی سے لکھا گیا ہے۔

جس واقعہ کے متعلق اس تابوت کا ذکر ہے، وہ تو حضرت موسیٰ کے مرنے کے برسوں بعد بنی اسرائیل کے پاس دیکھا گیا تھا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب موسیٰ ہارون اور ان کی اولاد کے تبرکات محفوظ کرنے کے لیے بنی اسرائیل نے ایک صندوق بنوایا تھا۔ جس میں جناب موسیٰ و ہارون کا عمامہ تھا۔ ان دونوں کی قمیضیں تھیں۔ روائیں تھیں کفشیں تھیں اور اولاد ہارون کے تبرکات بھی تھے۔ جس خیمہ میں یہ صندوق ہوتا تھا احترام جو تاپہن کر اس میں نہیں جاتے تھے۔ اس خیمہ کی طرف پیر کر کے نہیں سوتے تھے ناپاکی کی حالت میں اس کے اندر نہ جاتے تھے۔ جب کہیں لڑنے جاتے تو حصول برکت

لئے تابوت سکینہ کو ساتھ لے جاتے ۔ چنانچہ جب جالوت سے جنگ ہوئی تو یہ صندوق بنی اسرائیل کے ساتھ تھا اس جنگ میں بنی اسرائیل کو بڑی سخت شکست ہوئی ۔ بہت سے آدمی مارے گئے ۔ گھر لوٹے گئے ۔ بہت سے قیدی بنائے گئے ۔ جالوت جہاں ان کا بہت سا سامان لوٹ میں لے گیا ۔ تابوت سکینہ بھی لے گیا ۔

اس شکست کے بعد بنی اسرائیل نے اپنے نبی شموئیل سے درخواست کی کہ خدا سے دعا کیجئے کہ وہ کسی کو ہم پر بادشاہ بنائے ۔ غرض طالوت کو ان پر بادشاہ بنایا گیا اور اس کی بادشاہی کی یہ علامت قرار دی گئی کہ تابوت سکینہ واپس مل جائے گا ۔ تابوت سکینہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ ہونے سے بنی اسرائیل کے دلوں کو تسکین رہتی تھی ۔

جالوت نے اس تابوت کی بڑی بے قدری کی ۔ اسے ایسے مقام پر رکھوا دیا ۔ جہاں لوگ پیشاب پاخانہ کرتے تھے ۔ اس گستاخی کی یہ سزا ملی کہ اس کی قوم میں بواسیر کی بیماری پھیل گئی لوگوں کو خون کے دست آنے لگے ۔ تب اس نے گھبرا کر ایک بیل گاڑی پر اسے رکھوایا اور بنی اسرائیل کے علاقے میں کسی جگہ رکھوا دیا ۔ بنی اسرائیل کو اس کا پتہ ہی نہ چلا ۔ جب طالوت بادشاہ ہوا تو ملائکہ نے اسے اٹھا کر اس کے پاس پہنچا دیا ۔ یہ علامت تھی اس کے منجانب اللہ بادشاہ ہونے کی ۔

اس آیت میں قابل غور بات یہ ہے کہ اس صندوق میں جو چیزیں تھیں وہ بقیہ تھا ان تبرکات کا جو آل موسیٰ و آل ہارون نے چھوڑے تھے ۔ جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے ۔ حضرت موسےٰ تو لاولد تھے پھر اس آیت میں آل موسیٰ کا ذکر کیوں ہے ۔ مولانا فرمان علی صاحب نے بھی اور مفسرین اہل سنت نے بھی لکھا ہے کہ آل موسیٰ سے مراد خود موسیٰ ہیں ۔ لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس زائد لفظ کو خدا نے اپنے کلام میں کیوں جگہ دی ۔ قرآن تو زوائد سے خالی ہے پس اس لفظ کا لانا ضرور کسی مصلحت کے تحت ہے ۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت موسےٰ نے اولاد ہارون کو مثل اپنی اولاد کے پالا تھا ۔ اس میں جو آل ہارون ہے وہی آل موسیٰ ہے پس ہم کہتے ہیں کہ جب یہ امر تسلیم کر لیا

گیا تو کیا وجہ ہے کہ آلِ علی کو آلِ محمد تسلیم نہیں کیا جاتا۔ حضرت رسول خدا نے فرمایا ہے کہ جو امم سالقہ میں ہو چکا ہے وہی میری اُمت میں ہو گا۔ اس طرح جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے کے مشابہ ہوتا ہے اگر یہ کہا جائے کہ آلِ موسیٰ سے مراد امت موسیٰ ہے تو کیا اس صندوق میں تمام اُمت موسیٰ کے منسوبات تھے اور کیا ان کی یہ قدر و منزلت ہو سکتی تھی کہ ملائکہ انہیں اٹھائیں یہ تو خاص صرف تبرکات انبیاء اور اولاد انبیاء ہی کی خصوصیت و فضیلت تھی۔

ان تبرکات میں جو داخل تابوت سکینہ تھے۔ کفش موسیٰ و ہارون بھی تھیں۔ اللہ اللہ حضرات انبیاء کا کیا مرتبہ ہے کہ فرشتے اسے اٹھائے ہوئے تھے۔ یہ فضیلت ان جوتوں کو صرف اس وجہ سے حاصل ہوئی کہ وہ نبی کے جسم سے مَس ہو چکے تھے۔ کس قدر عبرت ناک ہے یہ واقعہ کہ اولاد رسول کو جن کا گوشت و پوست و خون رسول کا گوشت و خون تھا۔ نا اہل، ناحق شناس مسلمانوں نے طرح طرح کے ظلم و ستم کر کے شہید کر دیا۔

---

(۳۸) نہرِ طالوت

پ۲ البقرۃ ع ۳۳:۔ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّي اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهٖ فَشَرِبُوا مِنْهُ اِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ۔

(جب طالوت لشکر سمیت شہر ایلیا سے روانہ ہوا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا (دیکھو آگے) ایک نہر ملے گی اس سے خدا تمہارے صبر کی آزمائش کرے گا پس جو کوئی اس کا پانی پیئے گا مجھ سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔ اور جو اس کو نہ چکھے گا وہ بیشک مجھ سے ہو گا۔ ہاں جو اپنے ہاتھ سے چلّو بھر پی لے تو کچھ حرج نہیں (لیکن لوگوں نے نہ مانا) اور چند آدمیوں کے سوا سب نے پی لیا)

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ اس نہر سے پانی پینا کیوں ممنوع تھا:۔

Marfat.com

(۱) بعض نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ طالوت کی فوج میں بزدل، کاہل اور جنگ کو ناپسند کرنے والے بہت تھے۔ چنانچہ اس سے پہلے جب جالوت سے جنگ ہوئی تھی تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے تھے اور جالوت کو فتح حاصل ہوگئی تھی۔ طالوت کو معلوم تھا کہ اس کی فوج میں وہ لوگ بھی شامل ہیں لہٰذا وہ چاہتا تھا کہ اس کی جانچ پڑتال کرے کہ کون فرمانبردار ہیں اور کون نافرمان۔ کون جیالے ہیں کون بزدلے۔ لہٰذا اس نے اسی نہر کے پانی سے آزمائش کی جن لوگوں نے ڈٹ کر پی لیا۔ طالوت نے ان کو فوج سے خارج کر دیا۔ یہ ایسی ہی آزمائش تھی جیسی مومنین و منافق کو پہچاننے کے لئے تحویل قبلہ کا حکم ہوا تھا۔

(۲) بعض نے لکھا ہے کہ گرمی کا موسم تھا اور طالوت کی فوج منزلیں مارتی چلی آرہی تھی جب نہر سامنے آئی تو طالوت کو یہ اندیشہ ہوا کہ اگر انہوں نے ڈٹ کر پانی پی لیا تو پھر آگے چلنے کی ان میں طاقت نہ رہے گی۔ چنانچہ جنہوں نے خوب پی لیا تھا وہ وہیں لیٹ گئے اور آگے چلنے کی ان میں طاقت نہ رہی۔ طالوت نے ان کو وہیں چھوڑ دیا۔

یہی روایت صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ چلو بھر پانی پیاس بجھانے کے لئے پینے کی اجازت دی گئی تھی۔

(۳) بعض کا خیال ہے اس لئے روکا تھا کہ مبادا دشمن نے اس پانی میں زہر گھول دیا ہو۔ کس قدر فرق ہے اصحابِ طالوت اور اصحاب امام حسین علیہ السلام میں کہ باوجود تین دن کے پیاسے ہونے کے اور باوجود امام کی اجازت کے انہوں نے نہر فرات میں داخل ہوکر محض اس لئے نہیں پیا کہ امام اور ان کے بچے پیاسے ہیں۔

---

(۳۹) دین میں جبر نہیں

پ۳ البقرہ ع۳۴، ۱۔ لا اکراہ فی الدین (دین میں کسی طرح کی زبردستی نہیں)

Marfat.com

یہ اسلام کا طرہ امتیاز ہے کہ وہ کسی کے گلے پر خنجر رکھ کر مسلمان نہیں بنانا چاہتا۔ بلکہ دلائل و براہین بیان کرکے اپنے اخلاق حسنہ کو پیش کرکے مساوات و اخوت کو دکھا کر اسلام کی طرف ترغیب دیتا ہے آنحضرت کے زمانہ میں جتنی لڑائیاں کفار و مشرکین سے ہوئیں وہ جارحانہ نہ تھیں بلکہ مدافعانہ تھیں۔ جب مشرکین حملہ کرتے یا حملوں کی تیاری کی خبریں ملتیں یا مسلمانوں کو ستاتے یا ان کے مویشی ہنکا کر لے جاتے ان کی بستیوں کو تباہ و برباد کرتے تب حضور سرکار دو عالم ان پر لشکر کشی کرتے جو کفار و مشرکین اسلامی حکومت میں بطور رعایا رہتے تھے اور حکومت اسلامی کچھ شرائط کے ساتھ ان کی حفاظت کی ذمہ داری لے لی تھی اس کی صورت یہ تھی ان پر پہلے اسلام کو پیش کیا جاتا تھا اگر وہ منظور نہ کرتے تو ان کو جلاوطنی کا حکم دیا جاتا اگر اس کو بھی نہ مانتے اور سرکشی پر آمادہ ہوتے۔ تب ان کے قتل کا حکم دیا جاتا تھا۔ بہت سے قبیلوں کو چند شرائط کے تحت اپنا حلیف بنا لیا جاتا تھا اگر وہ نقض عہد کرتے تب مجبوراً ان پر فوج کشی کی جاتی۔

البتہ آنحضرت کی وفات کے بعد جو سلطنتیں قائم ہوئیں ان میں ان تمام باتوں کا لحاظ نہ کیا گیا اور ملک گیری کی ہوس میں فوج کشی کرکے بے دریغ لوگوں کو قتل کیا گیا اور ان کو جبراً حلقہ اسلام میں داخل کیا گیا۔ اسی بنا پر یہ اعتراض پیدا ہوا کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے مسلمانوں کے کسی بدعمل سے اسلام کا دامن داغدار نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر اسلامی قوانین میں کوئی ایسی دفعہ ہوتی جس سے بہ جبر مسلمان بنانے کا ثبوت ملتا۔ تب اسلام پر یہ اعتراض ہو سکتا تھا۔ ہر دین و مذہب میں ایسا پایا جاتا ہے کہ انہیں کے آئین کے خلاف لوگ عمل کرتے ہیں اور بہ جبر لوگوں کو اپنے دین میں داخل کرنا چاہتے ہیں لیکن لوگوں کے اس عمل سے آئین مذہبی بدنام نہیں ہو سکتے۔

اسلام کی نشر و اشاعت کا اصلی سبب اس کے دلائل و براہین کی یہ پختگی تھی جس کے مقابل دیگر ادیان کے علماء اپنی حقانیت کو ثابت نہ کر سکے۔

(۴۰) حضرت عزیر کا قصّہ

پ۳ البقرع ۳۵: اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

تم نے اس بندہ کے حال پر بھی نظر کی جو ایک گاؤں پر سے ہو کر گذرا اور وہ ایسا اجڑا تھا کہ اپنی چھتوں پر ڈھے کر گر پڑا تھا یہ دیکھ کر وہ بندہ کہنے لگا اور اس گاؤں کو ایسی ویرانی کے بعد کیونکر آباد کرے گا۔ اس پر خدا نے اسے مار ڈالا اور سو برس تک اسے مارے رکھا۔ پھر اس کو زندہ کیا (تب اس سے پوچھا) تم کتنی دیر پڑے رہے اب ذرا اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ ابھی تک نہیں اور اپنے گدھے کو دیکھو کہ اس کی ہڈیاں ڈھیر پڑی ہیں اور یہ سب اس واسطے ہے تاکہ لوگوں کے لئے تمہیں اپنی قدرت کا نمونہ بنائیں (اور اچھا اب گدھے کی) ہڈیوں کی طرف نظر کرو ہم ان کو جوڑ جاڑ کر ڈھانچہ بناتے ہیں اور پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں جب ان پر یہ ظاہر ہوا تو کہنے لگے اب میں یہ یقین کامل جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے)

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ کونسی بستی تھی اور یہ کون تھے جس کے متعلق یہ قصہ ہے اکثر کا قول یہ ہے کہ وہ عزیر نبی تھے اور وہ بستی بیت المقدس تھی جسے بخت النصر نے بنی اسرائیل کا قتل عام کر کے جلایا تھا اور وہاں کے باشندوں کی لاشوں کو درندوں نے کھایا تھا جب حضرت عزیر ادھر سے گزرے تو تعجب سے کہنے لگے کہ ایسی اجڑی بستی کیسے آباد ہو

Marfat.com

سکتی ہے اس پر خدا نے ان کی روح قبض کر لی اور سو برس تک مردہ رکھا۔ ان کی غذا اور دودھ جو ساتھ تھا۔ اس مدت دراز میں ذرا خراب نہ ہوا۔ خدا نے ان کے بدن کو نظرِ خلائق سے محفوظ رکھا۔

غرض جب عزیر زندہ ہوئے اور ان کا گدھا بھی زندہ ہوا تو بیت المقدس آباد ہو چکا تھا۔ جب اپنے گھر واپس آئے تو اپنے پوتوں کو بڈھا پایا اور خود گویا جوان تھے۔ لوگوں کو کسی طرح یقین نہ آتا تھا کہ وہ عزیر ہیں۔ یہاں تک کہ جب اپنی لونڈی کو جو بیس برس کی چھوڑ گئے تھے اور اب ایک سو بیس برس کی تھی اور نابینا تھی اپنی دعا سے بینا کیا اور اپنے بیٹے کو جسے حالتِ حمل میں چھوڑ گئے تھے اپنے شانہ کا تل جو بہت چمک دار تھا۔ دکھلایا تب لوگوں کو یقین ہوا کہ یہی عزیر ہیں۔ اس لئے خدا نے فرمایا کہ میں تم کو اپنی قدرت کی نشانی بتاتا ہوں۔

یہ واقعہ ہم نے مولانا فرمان علی صاحب مرحوم کے مترجمہ قرآن کے حاشیہ سے نقل کیا ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ مولانا حواشی لکھنے میں احتیاط سے کام نہیں لیتے اور روائت کو درائت کی کسوٹی پر نہیں کستے۔ اس روایت کے اس حصے پر غور فرمائیے کہ جو بیٹا حالتِ حمل میں تھا وہ شانہ کا تل دیکھ کر اپنے باپ کو کیسے پہچان گیا۔ کیا یہ عجیب بات نہیں۔ دوسرے نابینا لونڈی کو بینا کرنے سے اس کا یقین کیونکر ہوا کہ یہ عزیر ہی ہیں۔

سر سید احمد خاں نے اس واقعہ کو کیمیائی کے متعلق بتایا ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ اس کو خواب کا واقعہ لکھا ہے یعنی انہوں نے خواب میں دیکھا کہ سو برس مرے پڑے رہے۔ اگر یہ واقعہ خواب کا تھا تو خدا نے یہ کیوں فرمایا۔ ولنجعلک ایۃً للناس۔ خواب میں کسی واقعہ کو دیکھنے والا خدا کی قدرت کی نشانی کیسے بن جائے گا اور کیوں کہے گا اب میں جان گیا کہ خدا ہر شے پر قادر ہے۔ چونکہ مرحوم معجزات انبیاء کے قائل نہ تھے۔ اس لئے ہر خارق عادات امر کو موافق عادت ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اکثر واقعات کو خواب کے لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔

Marfat.com

(۴۱) حضرت ابراہیم کا پرندوں کو زندہ کرنا

پ۳ البقرع ۳۵ :- واذ قال ابراھیم رب ارنی کیف تحی الموتی قال اولم تؤمن قال بلی ولکن لیطمئن قلبی قال فخذ اربعۃ من الطیر فصرھن الیک ثم اجعل علی کل جبل منھن جزأ ثم ادعھن یاتینک سعیا واعلم ان اللہ عزیز حکیم ہ

(جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب مجھے دکھا دے کہ تو مردہ کو کیوں کر زندہ کرتا ہے۔ خدا نے کہا تم کو اس کا یقین نہیں عرض کی یقین کیوں نہیں (آنکھ سے دیکھنا چاہتا ہوں) تاکہ اطمینان ہو جائے فرمایا (اچھا) چار پرند لو اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک جز رکھ دو اس کے بعد ان کو بلاؤ (پھر دیکھو) وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آتے ہیں)

واقعہ یہ ہوا کہ حضرت ابراہیم نے دریا کے کنارے ایک مردہ کو دیکھا جس کا آدھا بدن پانی میں تھا اور آدھا خشکی میں۔ پانی کے حصے کو دریائی جانور کھا رہے تھے اور خشکی کے حصہ کو خشکی کے جانور۔ پھر وہ باہم لڑنے اور ایک دوسرے کو کھانے لگے۔ یہ دیکھ کر حضرت ابراہیم کو تعجب ہوا اور خدا سے دعا کی حکم ہوا چار پرندے لے کر ذبح کرو۔ ان کا گوشت قیمہ کر کے خلط ملط کر دو۔ چنانچہ یہ سب کیا گیا۔ پھر ہر پرندہ کی چونچ ہاتھ میں لے کر اسے پکارا۔ جہاں جہاں اس کے اجزا تھے وہ دھنکی ہوئی روئی کی طرح اپنے مقام سے اڑنے شروع ہوئے اور چونچ سے لپٹنے لگے یہاں تک کہ جسم پورا ہو گیا اور بال و پر اس پر جم گئے جب چھوڑا تو وہ اڑا چلا گیا۔

ہر زمانہ میں یہ سوال ہوتا رہا ہے کہ جب ایک جسم کے اجزا بیشمار اجسام میں تقسیم ہو جاتے ہیں تو قیامت میں کوئی جسم بعینہ کیوں کر عرصہ محشر میں آ جائے گا یا قبر سے اٹھ سکے گا۔ اس اعتراض کے دفعیہ کے لیے خدا نے یہ صورت دکھائی۔

Marfat.com

بعض مفسّرین نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم کی قوم قیامت میں مردوں کے جی اٹھنے کی قائل نہ تھی اور حضرت ابراہیم سے کہتی تھی یہ کیسے ممکن ہے۔ اس بنا پر حضرت ابراہیم نے خدا سے یہ دعا کی تاکہ اپنی آنکھوں دیکھا حال ان سے بیان کر دیں۔ ایک نبی کو اگر اس کا یقین نہ ہو تو وہ نبی ہی کیا کیونکہ اس پر ایمان لانا تو اصول دین ہی سے ہے۔ حضرت ابراہیم کو ضرور یقین تھا لیکن وہ اس کی عملی صورت دیکھنا چاہتے تھے تاکہ لوگوں سے بیان کریں۔

سر سیّد احمد خاں صاحب نے غضب ڈھایا ہے کہ اسے بھی خواب کا واقعہ ظاہر کیا ہے۔ بھلا خواب ہی دیکھنے سے اطمینان قلب کی پوری صورت کیسے پیدا ہو گی۔ آخر آیت میں ہے۔ "ان اللّٰہ عزیزٌ حکیم" بھلا خواب میں کسی واقعہ کو دکھانے سے عزت و حکمت کا اظہار کیسے ہو گا۔ سننے والے کہہ سکتے تھے کہ اے ابراہیم یہ خواب کی باتیں ہیں۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ کیا ضرور ہے کہ جو خواب میں دیکھا ہے وہ حقیقت بھی ہو۔ جب تک برائی العین نہ دیکھا جائے اس کی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ پر پورا یقین نہیں ہو سکتا۔ اور معترضین کی زبان بند نہیں کی جا سکتی۔

جس خدا نے ہر مخلوق کو نیست سے ہست کیا ہے۔ عدم سے وجود میں لایا ہے اس کے نزدیک ایسا کر دکھانا کون بڑی بات ہے۔

بعض مفسّرین نے لکھا ہے جس کا ذکر سید صاحب نے اپنی تفسیر میں کیا ہے کہ صورت وقوع میں نہیں آئی بلکہ صرف حضرت ابراہیم کو یہ بتا دیا گیا کہ اگر ایسا کیا جائے تو قدرت خدا سے وہ زندہ ہو جائیں گے۔ یہ تو وہی خواب کی سی بات ہوئی۔ کہنے والے کہہ سکتے تھے۔ کہ ایسا ہونا ممکن ہی نہیں جو تمہیں بتایا گیا ہے وہ غلط ہے جب تک اس کا کوئی عملی نمونہ ہمارے سامنے نہ ہو ہم کیوں کر یقین کر سکتے ہیں۔

کہنے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ جب اس واقعہ کا کوئی گواہ نہ تھا تو حضرت ابراہیم نے قوم کو کیوں کر مطمئن کیا۔ لوگ کہہ سکتے تھے کہ آپ نے یہ واقعہ دل سے گھڑ لیا ہے

Marfat.com

جواب یہ ہے۔ یہ کیسے معلوم ہوا کہ جب یہ واقعہ ہوا تو حضرت ابراہیم اکیلے ہی تھے۔ ضرور گواہ بنانے کے لئے آپ نے کچھ لوگوں کو اپنے ساتھ لیا ہوگا۔

اس کو ایک مثال سے سمجھیئے کسان زمین میں بیج بوتا ہے جس کے اندر اس کے اجزائے اصلیہ چھپے ہوئے ہوتے ہیں وہ بیج اپنے اجزائے زائد کو خود بخود اپنی طرف کھینچ لیتا ہے یہاں تک کہ وہ مکمل درخت ہو جاتا ہے بس سمجھیئے ایسے ہی نشر ہوگا۔

---

(۴۲) سُود کی حُرمت

پ البقرع ۳۸:۔ وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام) انسانی معاشرہ کو تباہ کرنے والا قلب انسانی کو انتہائی سخت بنانے والا اخلاق میں گراوٹ پیدا کرنے والا سود ہے۔ سود خوار ناجائز منافع حاصل کرنے کے لئے انتہائی تنگ دلی سے کام لیتا ہے اور اپنی تھوڑی سی رقم کو سود در سود کی لپیٹ میں لے کر قرض لینے والے کو انتہائی پریشانی میں مبتلا کر دیتا ہے۔

جب حضور مدینہ پہنچے تو دیکھا یہودی بڑے مالدار ہیں وہ لوگوں کو سود پر قرضہ دیتے ہیں اور ان سے سود در سود منافع لے کر اپنی رقم بڑھاتے چلے جاتے ہیں جب مقروض ادا کرنے کے پیسے قاصر ہوتا ہے تو اس کی عورتوں اور لڑکیوں کو اپنے گھر لے جاتے ہیں اور ان سے مختلف قسم کی خدمتیں لیتے ہیں اور ان کی آبرو ریزی بھی کرتے ہیں انصار کے دونوں قبیلے اوس اور خزرج اس مصیبت میں مبتلا تھے۔ جب مہاجر وہاں پہنچے تو اس مصیبت کا سامنا ان کو بھی وہاں ہوا۔ جب اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کیا یعنی لینا اور دینا دونوں۔ تب مسلمانوں کو یہودیوں کے ظلم و ستم سے نجات ملی۔ غریب لوگوں کی حاجت براری کے لئے حضرت نے امراء کو حکم دیا کہ وہ بلا سودی قرضہ جس کا نام قرض حسنہ تھا اپنے مسلمان بھائیوں

کو دے کر ان کی مشکلات آسان کریں اور یہ وعدہ کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں ان کو دس گنا اجر دے گا۔

اس سے مسلمانوں کو بڑی ڈھارس ہوئی اور یہودیوں کا کاروبار فیل ہو گیا۔ کیوں کہ زیادہ قرضہ ان سے غریب مسلمان ہی لیتے تھے۔ اسلام نے سود لینا دینا دونو کو حرام کیا ہے کیونکہ دونو صورتیں ضرر رساں ہیں۔ یہی سود کا جال تھا جس نے ہندوستان کے مسلمانوں کو تباہ کیا اور ان کی بڑی بڑی جائدادیں کوڑیوں کے مول میں ہندو ساہوکاروں کے پاس چلی گئیں اور مسلمان مفلس قلاش ہو کر رہ گئے۔ سود در سود کی لپیٹ میں دس کی بجائے پچاس دینے پڑے

سود لینے والے کی طرح سود دینے والا بھی گنہگار ہوتا ہے۔ سود خوار سود پر روپیہ دے کر اپنی قوم میں اپنی ساکھ کھوتا ہے۔ ایسے سخت دل آدمی سے کسی کو ہمدردی نہیں ہوتی بلکہ لوگ اس کی جان کے دشمن بن جاتے ہیں۔ کیونکہ قرض لینے والوں کی تباہی کا باعث بن جاتا ہے۔ سود خواروں کو غریبوں پر رحم نہیں آتا۔ وہ ٹھوک بجا کر اپنی کوڑی کوڑی ان سے وصول کر لیتے ہیں۔ ایسے تماشے ہم نے بہت دیکھے ہیں۔ ہمارے شہر کے بہت سے زمیندار، جاگیردار اس سود کے قضیئے میں اپنا سارا سرمایہ ہندوؤں کو دے بیٹھے اور ان کی اولاد کوڑی کوڑی کو محتاج ہو کر رہ گئی۔ سود کے سلسلے میں جو جاگیریں، زیور برتن وغیرہ رہن رکھے جاتے تھے اگر ان کو واپس لیا جاتا تھا تو سود کی رقم اس شے کی قیمت سے کہیں زیادہ ہو جاتی تھی جس کو رہن رکھا جاتا تھا۔ مجبوراً چھوڑ بیٹھتے تھے اور اس طرح دس روپیہ لے کر چند سال بعد پچاس روپیہ قیمت کی چیز ہاتھ سے چلی جاتی تھی۔

اسلام چاہتا ہے کہ مسلمان بھائی بھائی بن کر رہیں اور ایک کے دل میں دوسرے کی ہمدردی ہو۔ ایک دوسرے کا غمگسار اور چارہ ساز ہو۔ قرض دیں مگر بغیر سود کے اور لینے والا جہاں تک ممکن ہو اس رقم کو ادا کرنے کی کوشش کرے۔ یہ نہیں کہ رقم لے کر پھر اس کے ادا کرنے کی فکر ہی نہ رہے اس سے آپس میں فتنہ و فساد کی نوبت آ جاتی ہے۔ چونکہ

Marfat.com

اکثر اوقات لینے والا نادہند ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے قرض حسنہ دینے کا طریقہ ہی مسلمانوں میں ختم ہو گیا۔

اب بجائے سیٹھوں ساہوکاروں سے براہ راست قرض لینے کے لئے تمام دنیا میں بینکوں کا سسٹم رائج ہے۔ تمام تجارتی کاروبار انہی کے ذریعہ ہوتا ہے۔ بینک درحقیقت ایک تجارتی شعبہ ہے جس میں رقم جمع کرنے والے اس کے نقصان و نفع دونوں میں شریک سمجھے جاتے ہیں کیونکہ اگر بینک فیل ہو جائے تو اس میں رقم جمع کرنے والے بھی خسارہ میں آجاتے ہیں اس لئے جمع کرنے والوں کو بینک سے سود لینا جائز ہے۔ کیونکہ کوئی بینک ایسا نہیں جو اپنے سرمایہ سے تجارت نہیں کر رہا۔ اس تجارت سے جو نفع ہوتا ہے اس میں سے وہ اپنے حصہ داروں کو دیتا ہے اگرچہ نام اس کا سود ہے لیکن درحقیقت وہ تجارتی نفع ہے اب رہا بینک سے تجارتی یا صنعتی کاروبار کے لئے قرض لینا تو وہ بھی اس لئے جائز ہو گا کہ لینے والا اس روپیہ سے جو اپنا کاروبار بڑھائے گا اور اس سے منافع حاصل کرے گا تو اس کے اس منافع میں بینک بھی شریک ہو گا۔ البتہ جو روپیہ عیاشی، سودبازی یا شادی بیاہ میں نام و نمود دکھانے کے لئے لیا جائے گا وہ کیوں کر جائز ہو سکتا ہے۔ کیونکہ شرعًا ایسے کاموں میں خرچ کرنا جائز نہیں۔

(۸۱) راسخون فی العلم

پ۳ آل عمران ع ۱۔ ھُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ ھُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

(وہی ہے وہ خدا ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی اس میں بعض آیتیں تو محکم (یعنی صریح)

Marfat.com

ہیں۔ یہی (عمل کرنے کے لئے) اصل کتاب ہیں اور کچھ متشابہ (گول گول جن کے معنی میں سے کئی نکلتے ہیں) پس جن لوگوں کے دل میں کجی ہے وہ انہی آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں جو متشابہ ہیں تاکہ فساد برپا کریں اور اس خیال سے کہ انہیں اپنے مطلب پر ڈھال لیں حالانکہ خدا اور ان لوگوں کے سوا جو علم میں بڑے پایہ کے ہیں ان کا اصلی مطلب کوئی نہیں جانتا۔ وہ لوگ (یہ بھی) کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے یہ سب (محکم و متشابہ) ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں اور عقل والے سمجھتے ہیں)

آیات محکمات وہ ہیں جن کا مطلب صاف اور صریح ہے جیسے اقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وغیرہ اور آیات متشابہات وہ ہیں۔ جن کے سمجھنے میں اس لئے دشواری پیش آتی ہے کہ ان میں اصلی معنی کی کوئی تاویل کی جاتی ہے۔ جیسے بَنَیناھا بِاَیدٍ اس کے لفظی معنی تو یہ ہیں کہ ہم نے اسے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ لیکن چونکہ اس معنی کی بنا پر اللہ تعالیٰ کا صاحب جسم ہونا لازم آتا ہے لہٰذا اس کی تاویل کرنی ضروری ہے اور پھر اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے اپنی قدرت سے اسے بنایا۔

منافقین چونکہ فتنہ پردازی کی طرف مائل تھے لہٰذا وہ آیات متشابہات کی غلط تاویل کر کے اپنا مقصد پورا کرنا چاہتے تھے جیسے آیہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واُولی الامر منکم میں اولی الامر کی مختلف تاویلیں کرتے ہیں بعض کہتے ہیں بادشاہان وقت مراد ہیں۔ بعض کہتے ہیں امرائے سرایا مراد ہیں۔ بعض کہتے ہیں کسی قوم کے سردار مراد ہیں۔ بعض کہتے ہیں علماء مراد ہیں لیکن یہ سب تاویلیں غلط ہیں اس لئے کہ رسول اور اولی الامر کی اطاعت ایک سی ہے کیونکہ ایک ہی فعل اَطِیعُوا کے تحت دونوں کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ رسول کی اطاعت، اطاعت مطلقہ ہے نہ کہ جزئیہ یا مقیدہ۔ لہٰذا اولی الامر کی اطاعت بھی مطلقہ ہی ہو گی اور اطاعت مطلقہ سوائے معصوم کے دوسرے کی نہیں ہو سکتی بادشاہان دنیا فاسق و فاجر بھی ہوتے ہیں اور ظالم و مکار بھی۔ لہٰذا ان کی اطاعت رسول جیسی اطاعت نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح باقی طبقات جن کا ذکر اوپر ہوا کہ ان کا بھی عصمت سے کوئی تعلق نہیں ان

سب کی رائے میں غلطی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا خدا نے تاویل آیات کا حق عام لوگوں کو نہیں دیا بلکہ ایک خاص گروہ کو جو راسخون فی العلم کہلاتے ہیں تاویل بیان کرنے کا ذمہ دار بنایا گیا ہے اور وہ محمد و آل محمد کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ مکتب من لدن کے تعلیم یافتہ ہیں۔ ان کا علم وہبی ہوتا ہے یہاں کے کسی معلم سے حاصل کیا ہوا نہیں ہوتا۔ وہ آیات متشابہات کا وہی مطلب بتاتے ہیں جو خدا کا مقصد ہوتا ہے۔ قرآن انہی کے گھروں میں نازل ہوا ہے۔ لہٰذا تاویل انہی سے دریافت کرنی چاہیئے۔ ان کی تاویل غلط نہیں ہو سکتی۔

جامع القرآن کے پیروؤں نے غضب ڈھایا ہے کہ اس آیت کا مطلب ہی راسخون فی العلم سے پہلے میم لگا کر خبط کر دیا یعنی آیت کی یہ صورت بنائی: ۔ وَمَا یَعْلَمُ تَاوِیْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ م :۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ کے سوا اور کوئی متشابہات کی تاویل جانتا ہی نہیں۔ راسخون فی العلم کو آیت کے آخری حصہ سے متعلق کر دیا۔

ان عقل کے دشمنوں سے کون پوچھے کہ جب صرف اللہ ہی تاویلات کو جانتا ہے تو پھر ایسی آیات نازل کرنے کا فائدہ ہی کیا۔ اللہ سے کیسے پوچھا جائے کہ ان آیات کی تاویل کیا ہے۔ جب کسی کو مطلب ہی نہ معلوم ہو تو ان پر عمل کیسے کرے گا۔ صرف اللہ ہی تک محدود ہونا یہ بتاتا ہے کہ رسول کو بھی تاویل آیات کا علم نہیں۔ سبحان اللہ یہ عجیب ہدایت کی صورت ہے۔ ایسی آیات کے نزول کا منشا تو یہی ہے کہ جب ان کی تاویلوں میں اختلاف ہو تو یا رسول سے پوچھا جائے یا ان لوگوں سے جو معصوم ہیں اور جن کو رسول نے تعلیم دی ہے۔

حضرات اہلسنت کے علما نے یہ طے کر لیا ہے کہ جہاں جہاں اہل بیت کے فضائل قرآن میں پائے جاتے ہیں ان کی کوئی تاویل کر کے اس فضیلت کو ان سے ہٹایا جائے۔ اگر راسخون فی العلم سے تمسک رکھا جاتا۔ تو ایک دین کے تہتر فرقے نہ ہوتے۔ جب مسلمانوں نے کلام باری میں اپنی رائے اور قیاس سے کام لیا تو اسلام پر ایک مصیبت عظمیٰ نازل ہو گئی۔ رسول نے تو قرآن کے ساتھ اہل بیت کو کیا تھا لیکن مسلمانوں نے ان کو قطعاً چھوڑ دیا اور غیر ذمہ دار لوگوں کے

Marfat.com

قول و فعل پر عمل کرنے لگے ۔

تفسیر در منثور سیوطی جلد ۲ مطبوعہ مصر میں ہے :-

"انس بن مالک کہتے ہیں میں نے رسول اللہ سے پوچھا کہ راسخون فی العلم کون ہیں آپ نے فرمایا وہ لوگ ہیں جن کے ہاتھ نیکی کریں ۔ زبان سچی اور دل مستقیم ہوں اور جو حرام پیٹ اور فرج سے محفوظ ہوں ۔"

ظاہر ہے کہ یہ صفات حضرت رسول اور آئمہ طاہرین کے سوا کسی میں نہیں پائے گئے کیونکہ ان حضرات میں کوئی ایسا نہیں جس کے ہاتھوں سے نیکی کے سوا کبھی ظلم ہوا ہو ۔ زبان نے سچ کے سوا کبھی جھوٹ نہ بولا ہو ۔ دل استقامت کے سوا کسی کی طرف مائل نہ ہوا ہو ۔ اور پیٹ اور فرج نے حلال کے سوا کبھی حرام کو اختیار ہی نہ کیا ہو ۔

سب باتوں کو جانے دیجیے جو لوگ حضرت پر ایمان لائے وہ حالت کفر میں برابر جھوٹ بولتے رہے یعنی غیر خدا کو خدا کہتے رہے ۔ کیا یہی جرم ان کے لئے کچھ کم تھا ۔ جو پہلے جھوٹ بول سکتے تھے وہ بعد میں بھی بول سکتے تھے ۔

تفسیر صافی و تفسیر عیاشی میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ۔ راسخون فی العلم ہم ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے افضل ہیں ۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہر اس چیز کی تاویل تعلیم فرمادی جس کو آپ پر نازل کیا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ کوئی چیز آپ پر نازل نہیں کرتا تھا مگر یہ کہ اس کی تاویل کا علم آپ کو دے دیتا تھا ۔ آپ کے بعد آپ کے کل اوصیا راسخون فی العلم ہیں ۔

---

(۴۴) اسلام اللہ کا دین ہے

پ۳ آل عمران :- ان الدین عند اللہ الاسلام دنیا میں بے شمار ادیان پائے جاتے ہیں ان میں سے بعض مر گئے ۔ بعض نیم مردہ ہیں بعض چل رہے ہیں جو ادیان اس وقت اقوام عالم میں

پائے جاتے ہیں ان میں زیادہ مشہور یہ ہیں۔

بدھ مت۔ ہندو دھرم۔ آتش پرست۔ یہودی۔ عیسائی اور اسلام۔

خدا نے صرف اسلام ہی کو اپنا دین کہا ہے اس کے سوا کوئی دین اس کے نزدیک قابل قبول نہیں۔ جن ادیان کے اصول میں توحید داخل نہیں ان کا دعویٰ خدا پرستی غلط ہے۔ جب خدا کا شریک کسی کو بنا کر عبادت کی گئی تو خدائے واحد و یکتا اس عبادت کو کیسے قبول کر سکتا ہے تمام ادیان میں صرف اسلام ہی ایسا دین ہے جس میں نری کھری خدا ہی کی عبادت کی جاتی ہے اور کسی غیر کو خواہ نورانی ہو یا ظلمانی تحتی ہو یا فوقی۔ ارضی ہو یا سماوی۔ روحانی ہو یا مادی۔ اس کا شریک نہیں بنایا۔ لاالٰہ الا اللہ کے ہم معنی کسی دین میں کوئی کلمہ اس دین کے ماننے والوں کے وردِ زبان نہیں رہتا۔

جب اس تمام کائنات کا خالق، مدبر، منتظم ایک ہی ہے تو اس کا دنیوی و دینی قانون بھی ایک ہی ہونا چاہئے اگر یہ کہا جائے کہ تمام ادیان خدا ہی کی پرستش کرتے ہیں۔ چاہے الفاظ ان کے کچھ ہوں یا عبادت کے طریقے مختلف ہوں لیکن ذکر تو سب خدا ہی کا کرتے ہیں اگر کسی دائرہ کا مرکز ہے تو دائرہ کے تمام خطوط اسی مرکز کی طرف جاتے ہیں۔ چاہے وہ کسی طرف سے کھینچے جائیں۔ لیکن یہ خیال غلط ہے۔ اسلام کے سوا تمام ادیان جس خدا کی پرستش کرتے ہیں۔ اس میں مخلوق کے صفات پائے جاتے ہیں۔ لہٰذا وہ خالق کی پرستش نہیں بلکہ مخلوق کی پرستش ہے۔ خدا کی ذات تو کسی مخلوق جیسی ہے ہی نہیں وہ تو مخلوق کی تمام صفات سے منزّہ و مبّرا ہے۔ مخلوق میں کوئی شے اس کی مثل نہیں پھر کیسے مان لیا جائے کہ غیر مسلم اقوام خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ چند مثالوں پر غور کیجئے۔

(۱) یونانی ایسے خدا کی پرستش کرتے تھے جو کوہ المپس پر آ کر رہا کرتا تھا اور ڈلیفی کی کاہنہ کے اندر سے بولتا تھا۔ پس ایسے خدا کی عبادت کرنے والے خدا کی اسی مخلوق کی عبادت کرتے تھے کیونکہ جب خدا ان صفات سے موصوف ہی نہیں تو پھر اس کی عبادت کہاں ہوئی۔

(۲) ہندو دھرم کہتا ہے کہ خدا رام کرشن اور سیتا کے بھیس میں آیا یعنی مخلوق کے روپ میں اپنے بندوں پر ظاہر ہوا۔ ایسا خدا قابل پرستش نہیں کیونکہ وہ محتاج الی الغیر ہوگیا کیونکہ اس کو اپنی قدرت کا کمال دکھلانے میں ایک جسم کی ضرورت ہوئی اور جسم کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب چیزیں اس سے ملحق ہوئیں وہ ان سب کا محتاج ہوا یعنی پیشاب پاخانے کا۔ ازدواج کا۔ مکان و مکانیات کا۔ پس جو ذات ہزار چیزوں کی محتاج ہو وہ خالق کائنات نہیں ہوسکتی۔

(۳) آتش پرست خدا کے ساتھ کائنات کے بنانے بگاڑنے میں اہرمن کو بھی شریک قرار دیتے ہیں۔ پس جب نیکی و بدی کے خالق جدا جدا ہوئے تو لامحالہ ایک دوسرے کی ضد ہونے کی وجہ سے ان میں جھگڑا ہونا لازم ان میں سے جو کوئی مغلوب ہو گا وہ خدا نہیں جاسکتا۔

(۴) یہودی کہتے ہیں ہم خدا کی اولاد ہیں اور اس کے رشتہ دار ہیں۔ یہ دونوں باتیں وہی ہیں جو مخلوق کی ہوتی ہیں۔ انہوں نے توریت میں تحریف کر کے یہ لکھ مارا ہے کہ ایک رات خدا یعقوب سے رات بھر کشتی لڑتا رہا۔ کیا یہ مخلوق کی شان نہیں۔ کشتی لڑنے والے کا جسم ضرور ہونا چاہیئے اور جس کا جسم ہے وہ ہزار چیزوں کا محتاج ہے لہٰذا محتاج خدا نہیں ہوسکتا۔

(۵) عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا روح القدس اور مسیح انہی ذاتوں کا نام خدا ہے جب تین مل کر ایک ہوئے تو ان میں ہر ایک اپنے شریک کا محتاج ہوگیا۔ اگر یہ تینوں قدیم تو ان کو مل کر کام کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ اور اگر دو حادث اور ایک قدیم ہے تو حادث اور قدیم کا امتزاج کیسے ہوا۔

غرض جتنے ادیان ہیں وہ سب خدا کی نہیں بلکہ مخلوق کی عبادت کرتے ہیں۔ نام اس کا خدا رکھ لیا ہے۔ پس ایسے ادیان خدا کا دین کیسے کہلائے جا سکتے ہیں اور خدا ایسی عبادت کو کیوں کر قبول کر سکتا ہے جس میں اس کا دوسرا بھی شریک ہو اور ایسا شریک جو اس کی مخلوق

اسلام کا سب سے پہلا اصول خدا کی توحید ہے اس کا پہلا کلمہ لا الٰہ الا اللہ ہے وہ کسی کو عبادت میں خدا کا شریک قرار نہیں دیتا اور مسلمان اس ذات کو اپنا معبود مانتے ہیں

جس میں مخلوق کی کوئی صفت پائی ہی نہیں جاتی ۔ امیر المومنین علیہ السّلام نے دعائے صباح میں فرمایا ہے

یا من دلّ علی ذاتہ بذاتہ وتنزّہ عن مجانسۃ مخلوقاتہ

(اے وہ ذات جو اپنی ذات پر خود ہی دلیل ہے اور مخلوقات کی مشابہت سے بالکل الگ ہے)

اسلام کے سوا چونکہ دیگر ادیان میں بہت سے ایسے احکام پائے جاتے ہیں جو غیر فطری ہیں لہٰذا وہ خدا کا دین نہیں کہے جا سکتے ۔ چند مثالیں :۔

(۱) انسان کی فطرت ہے کہ اپنے سے کمتر و پست درجے والے کی تعظیم بجا نہیں لاتا۔ پس ایسے بتوں کی پوجا کرنا جن کو انسان نے خود گھڑ کر بنایا ہے اور جو جمادات جیسی حقیر جنس سے ہیں ۔ ایک اشرف المخلوقات کے لئے اِن کی عبادت کرنا خلاف فطرت ہے ۔

(۲) انسانی فطرت یہ ہے کہ انسان کے سینہ میں ایک دل ہے دو نہیں اگر دو ہوتے تو نظام بدن خراب ہو جاتا۔ پس جہاں خدا کے سوا اوروں کو بھی خدا مانا جاتا ہے وہ فطرت کے خلاف ہے ۔

(۳) تمام ادیان میں عبادت کا اعلان غیر فطری ہے ۔ کہیں گھنٹہ بجتا ہے کہیں ناقوس کہیں ترُھئی ۔ کس قدر شرم کی بات ہے کہ اشرف المخلوقات کی عبادت کا اعلان جمادات سے کیا جائے اور وہ بھی اس طرح کہ اس اعلان سے کوئی بات سمجھ میں نہ آئے ۔ گھنٹہ سے کیا پتہ چلے کہ یہ موت کا اعلان ہے یا عبادت کا برخلاف اس کے اسلام میں نماز کا اعلان خود انسان کرتا ہے اور حیّ الصلوٰۃ کہہ کر یہ بتاتا ہے کہ نماز کے لئے بلایا جا رہا ہے ۔

(۴) بتوں کے آگے پرشاد چڑھانا بالکل بے عقلی کی بات ہے جو بت کھاتے نہیں ان کو کھانا پیش کرنا ایک غیر فطری چیز ہے ۔

(۵) صوم اتصال چونکہ غیر فطری ہے لہٰذا اسلام نے اس سے منع کیا ہے ۔

(۶) رہبانیت غیر فطری ہے کیونکہ کسی غار میں، جنگل میں، دریا کے کنارے یا خانقاہ میں تنہا بیٹھ کر عبادت کرنے والا اپنے بنی نوع کو اپنے رشتہ داروں کو ان فوائد سے محروم کر دیتا ہے جو اس کی ذات سے دوسروں کو پہنچتے ۔ انسان فطرۃ مدنی الطبع ہے یعنی مل جل

Marfat.com

رہنے والا ایسں جو ترکِ دنیا کرتا ہے ۔ وہ نہ صرف اپنی فطرت پر ظلم کرتا ہے بلکہ دوسروں پر بھی ظلم

(۷) سادھو سنیاسی جو مادر زاد برہنہ رہ کر عبادت کرتے ہیں ان کا یہ عمل غیر فطری ہے ۔

(۸) عورتوں کا ستی ہونا غیر فطری ہے ۔

(۹) نیوگ کا مسئلہ غیر فطری ہے ۔

(۱۰) اصطباغ یعنی بپتسمہ کے بعد کسی کو سچا عیسائی کہنا غیر فطری ہے کیونکہ نہانے سے روحانی کیفیات پر اثر نہیں پڑتا ۔

چند باتیں ہم نے بطور نمونہ لکھ دی ہیں ورنہ ایسے بہت سے احکام معاشرتی، تمدنی اور اخلاقی پائے جاتے ہیں جو فطرت انسانی پر بار ہوتے ہیں ۔ پس خالق فطرت ایسے احکام کیوں کر دے سکتا ہے جن کو فطرت انسانی برداشت نہ کر سکے ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فطری دین کو دینِ قیّم یعنی مضبوط اور صحیح دین بتایا ہے ۔ فرماتا ہے :۔

فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۔

(۴۵) تقیّہ

پ۳ آل عمران ع ۱۲ ۔ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ

مومنین مومنین کو چھوڑ کے کافروں کو اپنا سر پرست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا تو خدا سے اس کا کچھ سروکار نہیں مگر اس قسم کی تدبیروں سے کہ کسی طرح ان کے شر سے بچنا چاہو تو خیر اور خدا تم کو اپنے ہی سے ڈراتا ہے اور خدا ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے)

سر سید احمد خاں اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں :۔

" کافروں سے اس لئے دوستی و محبت کرنی کہ ان کا دین اچھا ہے منع نہیں بلکہ کفر ہے

اس کے علاوہ اور قسم کی دوستی ممنوع نہیں۔ یہ تخصیص خود اس آیت سے ظاہر ہے کیونکہ اس میں فرمایا ہے:۔ ومن یفعل ذلک فلیس من اللہ فی شئ۔ جس سے اس دوستی کرنے والے کا کفر لازم آتا ہے اور یہ ہو نہیں سکتا۔ جب تک وہ محبت منجر بکفر نہ ہو۔ سرسید نے سب کچھ تو ذکر کیا لیکن یہ نہ بتایا کہ جب کفار و مشرکین کسی مسلمان کی جان کے لیوا بن جائیں اور بغیر کلمہ کفر کہے اس کی جاں بخشی نہ ہو تو اس وقت وہ کیا کرے۔ چونکہ تقیہ ان کے مذہب میں نہیں ہے لہٰذا اس کا ذکر چھیڑنے سے کترا گئے۔

تقیہ کی حقیقت یہ ہے کہ جب مسلمان کافروں کے پنجہ میں پھنس جاتے تھے تو ان کو سخت سے سخت ایذا دیتے تھے اور اس پر زور دیتے تھے کہ بتوں کی خدائی کا اقرار کرکے اسلام کے عقائد ترک کر دیں۔ اس مصیبت سے بچنے کے لئے بچاؤ کر لو تو کچھ گناہ نہیں۔ کیونکہ ظاہری یا باطنی دونو حالتوں کا خدا جاننے والا ہے۔ یہ آیت مثل سورۃ نحل کی آیت کے ہے۔ جہاں کافروں کے عذاب سے بچنے کے لئے خدا نے فرمایا ہے:۔ الّا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان۔ یعنی جس کسی نے جبر سے کفر کی کوئی بات کہہ دی ہے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہے تو اس کو کچھ عذاب نہ ہوگا اور وہ ایمان سے خارج نہ سمجھا جائے گا۔

تفسیر کبیر میں اس آیت کے نازل ہونے کا سبب یہ لکھا ہے۔

چند یہودیوں نے مسلمانوں سے میل جول اس غرض سے شروع کیا کہ ان کو اپنے دین سے پھیر دیں۔ رفاعہ بن المنذر اور عبدالرحمٰن بن جبیر اور سعد بن خیثمہ نے ان مسلمانوں سے کہا کہ تم ان سے بچے رہو تاکہ یہ تم کو تمہارے دین سے پھیر نہ دیں۔

کافروں سے دوستی تین طرح کی ہو سکتی ہے۔ ایک یہ کہ کفر کو پسند کرتا ہو اور اس کے کفر کے سبب اس سے دوستی رکھتا ہو۔ ایسی دوستی ممنوع بلکہ کفر ہے۔ دوسرے یہ کہ دنیوی امور میں بحسب ظاہر اچھا میل جول ہو یہ ممنوع نہیں۔ تیسرے یہ کہ کافروں کے ساتھ میل جول کرنا اور ان کی اعانت اور نصرت بہ سبب قرابت کے اس اعتقاد کے ساتھ کرنا کہ ان کا مذہب باطل ہے ممنوع ہے مگر کفر نہیں۔

Marfat.com

سر سید احمد خاں اور امام فخر الدین رازی نے بھی یہ صاف صاف لکھا ہے کہ اگر کفار سے ضرر کا اندیشہ ہو تو کلمہ کفر کہہ دینا چاہیئے۔ لیکن شیعہ اگر تقیہ ثابت کرتے ہیں تو ان کو سخت ملامت کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ شیعوں میں جھوٹ بولنا جائز ہے۔ حالانکہ رسول اللہ نے تقیہ کا حکم دیا ہے۔ جناب عمار یاسر رضی اللہ عنہ کو جب کفار نے زیادہ ستایا اور قتل کی دھمکی دی اور کلمہ کفر کہنے پر مجبور کیا تو انہوں نے کہہ دیا لوگوں نے رسول اللہ کو خبر دی کہ عمار کافر ہو گئے۔ جب عمار روتے ہوئے آئے تو حضرت نے فرمایا تم کافر نہیں ہوئے اگر پھر کبھی ایسا اتفاق ہو تو پھر کہہ دینا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ تقیہ میرا اور میرے آبا و اجداد کا دین ہے۔

موسیٰ آل فرعون کے ذکر میں ہے۔ یکتم ایمانہ وہ اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھے۔ یعنی فرعون کے خوف سے کسی پر یہ ظاہر نہیں کرتے تھے کہ میں موسیٰ پر ایمان لایا ہوں۔

تقیہ کی ایک صورت تو یہ ہے یعنی اپنے مافی الضمیر کو ایسے الفاظ میں ادا کرنا کہ دشمن خوش ہو جائے اور ایمان پر آنچ نہ آئے۔ مثلاً جب لوگوں نے مومن آل فرعون کے متعلق فرعون کو یہ خبر دی کہ وہ تجھے رب نہیں مانتے تو اس نے خشمناک ہو کر ان کو بلایا اور کہنے لگا۔ اے حزقیل کیا تو میری خدائی کا قائل نہیں اگر تو میرے سوا کسی اور خدا پر ایمان لایا ہے تو میں تجھے قتل کر دوں گا۔

انہوں نے مجمع سے مخاطب ہو کر کہا تم سب سن لو جو تم سب کا خدا ہے وہی میرا خدا ہے۔ جو تم سب کا رب ہے وہی میرا رب ہے۔ جو تم سب کا خالق ہے وہی میرا خالق ہے۔

فرعون یہ سن کر خوش ہو گیا اور ان کی جان بچ گئی۔ مطلب یہ تھا کہ فرعون نہ کسی کا رب ہے نہ خالق۔ پس جو اصلی رب ان کا ہے وہی میرا ہے جو اصلی خدا ان کا ہے وہی میرا ہے۔

یا مثلاً معاویہ نے عقیل سے کہا کہ تم بر سر منبر علی پر لعن کرو ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ انہوں نے بر سر منبر کہا۔ امرنی معاویۃ ان یلعن علی فالعنوہ معاویہ نے مجھے علی پر لعن کرنے کا حکم دیا ہے پس تم سب اس پر لعن کرو یعنی معاویہ پر۔ فالعنوہ کی ضمیر دونوں طرف جا سکتی ہے۔ پس مراد ان کی تھی۔ معاویہ پر لعن کرنا اور وہ سمجھا علی پر لعن کرنے کو کہہ رہے ہیں۔

Marfat.com

وقت ضرورت تقیہ سب کرتے ہیں لیکن شیعوں کا تقیہ مسلمانوں کو اس لیے پسند نہیں کہ اس کے ذریعہ سے لاکھوں شیعوں کی جانیں بچ گئیں۔ سلاطین امویہ وعباسیہ کے دور سلطنت میں شیعان علی پر ایسے سخت وقت آئے کہ ان کے تصور سے کلیجہ لرزتا ہے اس تقیہ کی بدولت ہزارہا شیعوں کی جانیں بچ گئیں۔ اپنے کو سنی کہہ کر اور ہاتھ باندھ کر نماز پڑھ کر اپنی جان بچائے رکھتے تھے اور جب موقع ملتا۔ فقیرانہ اور قلندرانہ لباس میں ستمگروں کی سرزمین سے نکل جاتے۔ اسی تقیہ کی حالت میں وہ ہندوستان میں سالہا سال مذہب حقہ کی تبلیغ کرتے رہے۔ نہایت خاموشی کے ساتھ محبت اہل بیت اپنے مریدوں کے دلوں میں ڈالتے رہے اور بیشمار لوگوں کو مولائی بنا دیا۔ تقیہ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ جان بچا کر پس پردہ کار تبلیغ انجام دیا جائے یہ ظاہری تبلیغ سے زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔

---

(۴۶) آل عمران سے کون مراد ہے

پ۳ آل عمران ع ۴۔ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ذُرِّیَّۃً بَعْضُھَا مِنْ بَعْضٍ وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ۔

(بیشک خدا نے آدم کو نوح کو اور اولاد ابراہیم کو اور خاندان عمران کو سارے جہان سے برگزیدہ کیا ہے)

ابن عباس سے منقول ہے کہ حضرت رسول خدا آل ابراہیم سے ہیں ان کا یہ بھی قول ہے کہ محمد و آل محمد ابراہیم کے اہل بیت ہیں۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آل ابراہیم سارے جہانوں سے افضل ہیں خواہ وہ عالم انسان ہو یا عالم جن خواہ عالم ملائکہ۔

تفسیر میں ہے کہ مصحف ابن مسعود میں آل عمران کے بعد آل محمد بھی تھا۔

اس آیت میں قابل غور بات یہ ہے کہ ہر نبی اللہ کا مصطفےٰ بندہ ہوتا ہے اس آیت میں

خصوصیت سے آدم و نوح اور آل ابراہیم و آل عمران کا ذکر کیوں کیا گیا۔ ضرور اس میں کوئی راز ہے اور کوئی ایسی خصوصیت ہے کہ دوسروں میں نہیں پائی جاتی۔

(۱) آدم کو تمام انبیاء کے مقابل یہ خصوصیت حاصل ہے کہ نسل انسانی کا آغاز ان سے ہوا۔ چونکہ خدا نے اس کے لیے انہی کو انتخاب کیا۔ لہٰذا اس انتخاب میں جو فضیلت ان کو حاصل ہے اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۲) نوح علیہ السلام کا اصطفائے خصوصی اس جہت سے ہے کہ طوفان کے بعد دنیا میں بار دیگر آبادی انہی کی نسل سے ہوئی اس لیے ان کو آدم ثانی کہتے ہیں۔ اور یہ کہ شریعت کا آغاز انہی سے ہوا۔

(۳) آل ابراہیم کا انتخاب اس جہت سے ہوا کہ کتاب و حکمت اور ملک عظیم کے وہ مالک ہوئے:۔ وَآتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا ۔ ہم نے اولاد ابراہیم کو کتاب و حکمت عطا کی اور ملک عظیم کا مالک بنایا)

(۴) آل عمران کے متعلق مفسرین میں اختلاف ہے۔ تمام مفسرین اہلسنت نے آل عمران سے مراد حضرت موسیٰ کو لیا ہے کیونکہ ان کے والد کا نام عمران تھا لیکن اس اصطفا کی خصوصیت کا ذکر کوئی نہیں کرتا اگر کہا جائے کہ حضرت موسیٰ کو توریت دی گئی تھی تو اولاد ابراہیم میں داخل ہونے کی وجہ سے وہ اس خصوصیت کے مالک تھے علیحدہ سے ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ کوئی ایسی خصوصیت بتائی جائے۔ جو آل ابراہیم میں ان کو ممتاز کرتی ہو۔

شیعہ مفسرین نے لکھا ہے کہ آل عمران سے مراد اولاد ابوطالب ہے کیونکہ ابوطالب کا نام عمران ہے ابوطالب کنیت ہے۔ ان کو تمام برگزیدگانی بازی کے مقابل یہ خصوصیت حاصل ہے کہ ان کا ایک وجود قیامت تک دنیا میں باقی رہے گا اور وہ آخری کتاب خدا یعنی قرآن کے ساتھ قیامت تک رہیں گے جیسا کہ حدیث ثقلین سے واضح ہے آل ابراہیم میں سوائے آل عمران اور کسی کو یہ خصوصیت نصیب نہیں۔ اسی لئے کتاب خدا میں انکے اصطفا کا خاص

طور سے ذکر ہے۔

(۴۷) مریم کے لئے خدا کی طرف سے رزق آنا

پ ۳ آل عمران ع ۴۔ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يَا
مَرْيَمُ أَنَّى لَكِ هَٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔

(جب کسی وقت ذکریا مریم کے پاس عبادت کے کمرہ میں جاتے تو ان کے پاس کچھ نہ کچھ کھانے کو موجود پاتے تو پوچھتے اے مریم یہ کھانا تمہارے پاس کہاں سے آیا وہ کہہ دیتی تھیں کہ یہ خدا کے یہاں سے آیا ہے۔ بیشک خدا جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے)

سرسید احمد خاں جو معجزات کے قائل نہیں اپنی تفسیر انوار القرآن میں لکھتے ہیں کہ یہ کوئی عجیب بات نہ تھی بلکہ یہ کھانا وہی تھا جو لوگ عابدوں اور زاہدوں کے لئے بھیجا کرتے تھے حضرت مریم کا یہ کہنا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اس معنی میں ہے کہ اللہ رازق ہے وہ اپنے فضل سے بھجوا دیتا ہے۔ ہمارے نزدیک سید صاحب کا یہ کہنا صحیح نہیں۔ جس کے وجوہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) اگر وہاں کھانے بھیجنے کی کوئی رسم تھی تو جناب ذکریا کو تعجب سے پوچھنے کی ضرورت ہی نہ تھی ان کو اس رسم سے صرف واقف ہونا چاہیئے تھا۔

(۲) جس حجرہ میں جناب مریم عبادت کیا کرتی تھیں حضرت ذکریا اس کو مقفل رکھتے تھے تاکہ کنواری لڑکی کے پاس کوئی غیر آدمی نہ جا سکے تو بند کمرہ میں یہ کھانا رسم کے مطابق کیونکر پہنچتا تھا۔ حضرت ذکریا کو تعجب تو اس لئے ہوا کہ بند کمرہ میں کھانا آ کہاں سے گیا۔

(۳) یہ کھانا ضرور غیر معمولی تھا ورنہ حضرت ذکریا تعجب سے دریافت نہ کرتے۔ تفسیر طنطاوی میں ہے کہ جاڑے میں گرمی کے پھل ہوتے تھے اور گرمی میں جاڑے کے اور بغیر حساب کے معنی یہ ہیں کہ بغیر استحقاق وہ بھیجتا ہے۔

Marfat.com

(۴) رفع اشتباہ کے لئے جناب مریم کو کہنا چاہیئے تھا کہ لوگوں کی طرف سے آیا ہے۔ اللہ کی طرف اس کو نسبت دینا یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ غیر معمولی کھانا تھا۔

(۵) مریم کی کفالت حضرت زکریا نے اپنے ذمہ لی تھی وہی دونوں وقت حجرہ کھول کر کھانا دے جایا کرتے تھے اور اس کا علم تمام رہبانوں کو تھا۔ پھر کسی دوسرے کو یہ جرأت کیوں ہوئی کہ وہ حضرت مریم کے پاس تنہائی میں آتے اور کھانا دے جاتے۔

(۶) اگر شخص غیر کھانا لاتا تو حضرت مریم ضرور اس کھانے کو لینے سے گریز کرتیں اور اس کے اوپر خفا ہوتیں کہ وہ یہاں کیوں آیا۔ چنانچہ جب فرشتہ بشکل انسان آیا تھا تو انہوں نے اپنی ناراضی کا اظہار کیا اور اس سے پناہ مانگی تھی۔

(۷) جناب مریم کو یہ واقعہ جناب زکریا سے بیان کر دینا چاہئے تھا۔

(۸) کلما دخل علیها زکریا المحراب وجد عندها رزقا۔ یعنی حضرت زکریا جب بھی مریم کے پاس آتے کھانا موجود پاتے۔ یہ ایک دو بار کی بات نہ تھی بلکہ جب بھی آتے ایسا ہی دیکھتے۔ پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ راہبوں کا بھیجا ہوا تھا۔ بنی اسرائیل کی عورتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلت جناب مریم کو عطا کی تھی اور بنی اسمٰعیل میں جناب فاطمہ زہراؑ کو ان کے لئے بھی کھانا خدا کی طرف سے آیا تھا۔

---

(۴۸) حضرت مریم کا دوہرا اصطفا

پ۳ آل عمران ع ۵: ۔ وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلَىٰ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ

(جب ملائکہ نے کہا اے مریم تم کو خدا نے برگزیدہ کیا ہے اور (تمام گناہوں برائیوں سے) پاک صاف رکھا ہے اور سارے جہان کی عورتوں سے تم کو منتخب کیا ہے)

اس آیت میں حضرت مریم کا اصطفا دوبار ہوا ہے ایک انتخاب اس بنا پر ہے کہ بغیر شوہر

Marfat.com

ان کو بیٹا دیا گیا۔ دوسرا انتخاب اس بنا پر ہے کہ باوجود عورت ہونے کے بیت المقدس کی خدمت کے لئے ان کا انتخاب کیا اور سارے جہان پر ان کو فضیلت دی اور ان کو تمام مادی اور اخلاقی برائیوں سے محفوظ رکھا اور انتخاب میں آنے کی ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بیت المقدس کی خدمت مردوں سے مخصوص ہوتی تھی۔ مریم سب سے پہلی عورت ہیں جن کو خدمت بیت المقدس کے لئے انتخاب کیا گیا۔

(۴۹) حضرت مریم کو کسی بشر کا مس نہ کرنا

پ۳ آل عمران ع ۱۵۔ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ وَلَدٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ

(مریم نے کہا اے میرے رب میرے لڑکا کیسے پیدا ہوگا درانحالیکہ کسی مرد نے مس نہیں کیا)

اگر مس کے معنی چھونا لیا جائے تو حضرت مریم کا یہ فرمانا صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان کی والدہ اور دیگر رشتہ داروں نے ضرور چھوا ہوگا ان کو۔ لیکن ایک معصوم بی بی کا یہ کہنا غلط بھی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہاں مس کے معنی چھونے کے نہیں ہیں بلکہ تعلق کے ہیں یعنی مجھ سے کسی مرد کا تعلق نہیں ہوا۔ اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے:۔ اِنَّہٗ لَقُرْاٰنٌ کَرِیْمٌ فِیْ کِتٰبٍ مَّکْنُوْنٍ لَّا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ۔ یہ قرآن کریم ایک چھپی ہوئی کتاب کے اندر ہے جس کو مس نہیں کرتے مگر پاک و پاکیزہ لوگ ظاہر ہے کہ کتاب مکنون سے مراد لوح محفوظ ہے یا سینہ رسول جسے کوئی نہیں چھوتا پس اس کے یہی معنی ہوں گے کہ اس سے تعلق نہیں رکھتے مگر پاک و پاکیزہ یعنی معصوم لوگ۔

محاورہ میں کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کو علم سے مس تک نہیں یعنی کوئی تعلق نہیں۔

Marfat.com

(۵۰) حضرت عیسٰی کا بے باپ کے پیدا ہونا

جو لوگ معجزات انبیاء کے قائل نہیں وہ کہتے ہیں اسلام کا دعویٰ ہے کہ وہ فطری دین ہے لیکن حضرت عیسٰے کا بغیر باپ کے پیدا ہونا تو خلاف فطرت ہے انسانی فطرت تو یہی ہے کہ ماں باپ دونو کا نطفہ جب ملے تب بچہ پیدا ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام کا دعویٰ یہ ہے کہ اس کے احکام فطری ہیں اور بے باپ کے بچہ کا پیدا ہونا تکوینی ہے تشریعی نہیں ہے۔ قدرت الٰہیہ سے متعلق ہے۔ خدا قادر مطلق ہے وہ کسی امر میں مجبور نہیں جس نے آدم کو بغیر ماں باپ کے پیدا کیا اس کے نزدیک بے باپ کے پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔

سرسید احمد خاں صاحب اس کے قائل نہیں کہ حضرت عیسٰے بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے وہ توریت وغیرہ کے مطالعہ کے بعد یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ حضرت مریم کی منگنی یوسف نامی ایک شخص سے ہوئی تھی۔ اسی سے حضرت عیسٰے پیدا ہوئے۔ سید صاحب قول خدا پر یہودیوں کے قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ کہتے ہیں چونکہ یہودیوں میں قاعدہ تھا کہ صرف منگنی ہو جانے پر زن و مرد آپس میں ملتے نہیں تھے جب تک شادی نہ ہو۔ چونکہ مریم اور یوسف کا اتصال شادی سے پہلے ہو گیا لہٰذا اس بنا پر یہودیوں نے مریم کو مجرم قرار دیا۔ یہ تو رہا یہودیوں کا مظنّہ۔ اب قرآن کی سنیئے:۔

(۱) جب فرشتہ نے بشارت فرزندی دی تو مریم نے فرمایا۔ مجھے تو کسی بشر نے مس ہی نہیں کیا پھر لڑکا کیسا۔ فرشتہ نے کہا ایسا ہی ہوگا۔ خدا کے نزدیک یہ آسان ہے اگر یوسف سے اتصال ہو گیا تھا تو مریم پارسا کا یہ کہنا غلط ہوا۔

(۲) فرشتہ کا یہ قول خدا بیان کرنا ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ۔ یہ میرے اوپر آسان ہے کیا معنی رکھتا ہے۔

(۳) فوراً آثار حمل نمودار ہو جانا کیسا۔

Marfat.com

(۴) جب مریم حجرہ سے نکلی ہی نہ تھیں تو یوسف کے گھر جانا اور اس سے اتصال کیسا۔

(۵) اگر حضرت عیسیٰ عالم امری کی مخلوق نہ تھے اور ان کی ولادت معمولی تھی تو آغوش مادر میں ان کا کلام کرنا کیسا اور اپنی ماں پر سے تہمت کا ہٹانا کیسا۔

(۶) اگر یہودیوں کا طعنہ دینا اور یہ کہنا: یا اخت ھارون ما کان ابوک امرء سوء وما کانت امک بغیا یعنی زنا زادہ بتانا صحیح تھا تو خدا نے معاذ اللہ زنا زادہ کو کلمۃ اللہ اور نبوت و رسالت سے مخصوص کیوں کیا۔

---

(۵۱) حضرت عیسیٰ کے معجزات

پ ۳ آل عمران ع ۵۔ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُکُمْ بِاٰیَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ اَنِّیْ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْہِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰہِ وَاُبْرِیُٔ الْاَکْمَہَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ وَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا تَاْکُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِکُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝

(میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے (اپنی نبوت کی) یہ نشانی لے کر آیا ہوں کہ میں گندھی ہوئی مٹی سے ایک پرندہ کی صورت بنا دے گا اور میں اس میں پھونک ماروں گا اور باذن الٰہی وہ اڑ جائے گا اور میں حکم خدا سے مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کروں گا اور جو کچھ تم کھاتے ہو اور اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو اسے بتا دوں گا اگر تم ایمان دار ہو تو بیشک تمہارے لئے ان باتوں میں میری نبوت کی بڑی نشانی ہے)

پادری ڈاڈ نے لکھا ہے کہ قرآن میں حضرت عیسیٰ کی جو صفات درج ہیں وہ وہی ہیں جو ان کے خدا کی ہیں۔ یسوع مسیح کو اگر ہم خدا مانتے ہیں تو ہم پر اعتراض کیوں ہے۔

پادری کا یہ کہنا اس کی ناسمجھی کی دلیل ہے اس نے آیات قرآنی کو غور سے پڑھا ہی نہیں حضرت عیسیٰ ہر امر کے متعلق یہ فرما رہے ہیں کہ میں ایسا باذن اللہ کروں گا۔ اس سے معلوم

Marfat.com

ہوا کہ وہ خدا نہیں بلکہ خدا کوئی اور ہے جس کے اذن سے پرندہ بنا کر اڑا سکتے ہیں بیمار کو اچھا کر سکتے ہیں۔ مُردہ کو جلا سکتے ہیں۔ گھر کے اندر کی چیزوں کو بتا سکتے ہیں۔ لیکن باختیار خود نہیں بلکہ اللہ کی اجازت سے اس کے حکم سے اگر وہ خدا یا خدا کا جزو ہوتے تو باذن اللہ نہ کہتے۔ جو شخص خدا کے اذن اور مدد کا محتاج ہے وہ خود خدا کیسے ہو جائے گا۔

یہ معجزات حضرت عیسےٰ کو اس لئے دیئے گئے کہ اس زمانہ میں بعض اطباء نے امراض کے علاج میں کمال حاصل کیا تھا۔ اگر حضرت عیسےٰ کو مذکورہ بالا معجزات نہ دیئے جاتے تو وہ آپ کی نبوّت ہرگز تسلیم نہ کرتے۔ وہ تو صرف مریضوں ہی کا علاج کرتے تھے۔ حضرت کو اللہ نے مردہ جلانے کا معجزہ بھی دے دیا۔ وہ تو معمولی بیماریوں کا علاج کرتے تھے۔ آپ کو بدترین امراض کوڑھ اور برص کے علاج پر بھی قابو دے دیا۔ اس زمانہ میں کچھ کاہن تھے جو پس پردہ چیزوں کو بیان کیا کرتے تھے۔ لہٰذا آپ کی نگاہوں کے سامنے سے حجاب بھی اٹھا دیئے تاکہ ہر گھر کے اندر کی چیز کو دیکھ سکوں۔

سرسید کا یہ کہنا کہ یہ امور واقع نہیں آئے بلکہ حضرت عیسےٰ نے لوگوں پر یہ ظاہر کیا کہ میرے خدا میں یہ قدرت ہے کہ وہ چاہے تو مجھ سے یہ کام کرا سکتا ہے۔

یہ سید صاحب نے کیسی عجیب بات کہی اگر یہ صرف زبانی جمع خرچ ہوتا تو یہ ان کی نبوت کی نشانی قرار نہ پاتا۔ حالانکہ خدا اس کو نشانی قرار دے رہا ہے ایسا اگر انھوں نے کیا نہ ہوتا تو کیا لوگ ان سے یہ نہ کہتے کہ ذرا کر کے دکھاؤ ورنہ ہم ایمان نہ لائیں گے اس طلب پر اگر وہ نہ دکھاتے تو ان کی نبوّت باطل ہو جاتی۔

---

(۵۲) خدا کا مکر کیا ہے

پ۳ آل عمران ع ۱۰۔ وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔ (یہودیوں نے (عیسےٰ سے

مکاری کی اور خدا نے اس کے دفعیہ کی تدبیر کی اور خدا سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے)

یہودی چونکہ نہایت شریر الطبع تھے اس لئے حضرت عیسےٰ کو طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے ۔ ایک روز حضرت عیسےٰ کو ایک مکان میں قید کر دیا اور صبح ہی پھانسی دینے کے لئے آموجود ہوئے ان کا سردار جس کا نام یہودا تھا آپ کو گرفتار کرنے کے لئے اندر گھسا ۔ خدا نے اس کو حضرت عیسیٰ کی شکل بنا دیا اور حضرت عیسےٰ کو خدا نے آسمان پر اٹھا لیا ۔ جب حضرت عیسےٰ کو گھر میں نہ پاکر یہودا باہر نکلا تو اس کے ساتھیوں نے اسے پکڑ لیا اور اسے سولی پر چڑھا دیا ۔ تین دن وہ سولی پر لٹکا رہا ۔ چونکہ انہوں نے مکاری کی تھی لہٰذا خدا نے انہی کے لہجہ میں تدبیر کو لفظ مکر کے ساتھ ذکر کیا ہے ۔ علم بدیع میں اسے صنعت مشاکلت کہتے ہیں ۔ یعنی دوسرے کے کلام اور قول کے لحاظ سے انہی الفاظ میں بات کا جواب دیا جائے ۔ ایسے جتنے الفاظ قرآن میں ہیں ۔ جن سے صفات انسانی سے اشتراک پایا جاتا ہے ان سب کی تاویل کرنا ضروری ہے ورنہ مکر انسان کی صفت سے خدا کے مکر کا کیا تعلق لہٰذا اس کی تاویل تدبیر سے کی گئی

---

(۵۳) حضرت عیسٰی کی مثال آدم جیسی ہے

پ۳ آل عمران ع ۷ :- اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَہٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ۔

(بیشک عیسیٰ کی مثال آدم کی سی ہے جس کو مٹی سے پیدا کیا پھر کہا ہو جا پس فوراً ہی وہ (انسان) ہو گیا)

حضرت عیسےٰ کے بارے میں عیسائی اور یہودی دونوں ہی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں ۔ یہودی تو آپ کی نسبت بیہودہ بدگمانی کرتے تھے اور عیسائی خدا کا بیٹا کہتے تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کی مثال دے کر دونوں کی تشفی کر دی ۔ یہود کی اس طرح کہ جب خدا میں یہ قدرت ہے کہ آدم کو اس نے بے ماں باپ کے فقط مٹی سے بنا دیا تو عیسےٰ کو صرف ماں سے پیدا کرنا

کیا مشکل ہے اور نصاریٰ کی تشفی اس طرح کردی کہ اگر وہ عیسیٰ کو خدا کا بیٹا اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ان کا کوئی باپ نہ تھا تو آدم کے ماں اور باپ دونوں نہ تھے وہ عیسیٰ سے زیادہ مستحق ہیں خدا کا بیٹا کہلانے کے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب عیسیٰ آدم کی طرح مٹی سے پیدا ہوئے تو ان کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ کیوں کہا جاتا ہے جب رحم مریم میں کوئی مادی نطفہ داخل ہی نہیں ہوا تو کیسے مان لیا جائے کہ وہ مادی انسان تھے۔

جواب یہ ہے کہ ان میں وہ سب باتیں پائی جاتی تھیں جو مادی انسان میں پائی جاتی ہیں مثلاً وہ کھاتے پیتے تھے چلتے پھرتے تھے اور ان سب ضرورتوں کو پورا کرتے تھے جو ایک مٹی سے پیدا ہونے والے انسان کو لاحق ہوتی ہیں اب رہا ان کا روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہونا تو اس کا تعلق ان کے روحانی فضائل و کمالات سے ہے نہ کہ وجود مادی سے تمام انبیاء کو جو خطابات دیے گئے ہیں وہ سب ان کے روحانی وجوہ سے تعلق رکھتے ہیں بعض انبیاء کو جو بعض پر فضیلت دی گئی ہے وہ ان کے روحانی کمالات کی بنا پر ہے ورنہ بلحاظ وجود بشری وہ سب برابر تھے۔

اب رہا کسی مرد کے نطفہ کا رحم مریم میں نہ جانا اور اس کا ترقی کے منازل طے کرکے انسان بننا تو یہ امور متعلق ہیں ان لوگوں سے جو عالم خلق سے تعلق رکھتے ہیں لیکن جن کا تعلق عالم امر سے ہوتا ہے وہاں یہ درجات ترقی بطن مادر میں نہیں ہوتے جب کہ آیہ مذکورہ کے آخر میں ہے۔ یعنی اس سے کہا ہو جا پس وہ ہوگیا پس اس کے حکم کے مطابق وہ مادی وجود میں آگیا۔

---

(۵۴) مباہلہ

پ آل عمران ع ۱۰۔ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ

Marfat.com

لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ ۔

پس اس کے بعد کہ تمہارے پاس علم قرآن آچکا اگر تم سے کوئی (نصرانی) عیسٰی کے بارے میں حجت کرے تو کہو (اچھا میدان میں آؤ) ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ۔ ہم اپنی عورتوں کو بلائیں تم اپنی عورتوں کو بلاؤ۔ ہم اپنی جانوں کو بلائیں تم اپنی جانوں کو بلاؤ۔ اس کے بعد ہم سب خدا کی بارگاہ میں گڑگڑائیں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں)

اس آیت میں چند باتیں قابل غور ہیں :۔

(۱) مباہلہ میں حضرت نے ان چار ہستیوں کو اپنے ساتھ لیا جس سے کذب کا تعلق ہی نہ تھا معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں صحیح معنی میں صادق صرف یہی چار ہستیاں رسول اللہ کے علاوہ تھیں۔

(۲) رسول اللہ نے ان چاروں سے کہہ دیا تھا کہ جب میں دشمنوں کے لئے بددعا کروں تو تم سب آمین کہنا جس سے معلوم ہوا کہ حضرت کو اس امر کا یقین تھا کہ جس طرح میری دعا قبول ہو گی اس طرح ان کی آمین قبول ہو گی یعنی یہ لوگ مستجاب الدعوات ہیں۔

(۳) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان سب کو لے جانے کا حکم دیا جو اصناف مریم میں سب کے لئے باعث ہدایت اور حجت خدا ہیں۔ بایں طور کہ بچوں کو ہدایت کے لئے حسنین علیہما السلام عورتوں کی ہدایت کے لئے خاتون جنت مردوں کی ہدایت کے لئے علی مرتضیٰ اور من حیث المجموع سب کے لئے خود آنحضرت ؐ۔ پس آنحضرت پورا پورا سامان ہدایت لے کر گھر سے نکلے تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ اس گھر کا بچہ عورت اور مرد سب مجسم ہدایت ہیں۔

(۴) آنحضرت نے اپنے ساتھ صرف انہی لوگوں کو لیا جو نبوت کے رشتہ دار تھے نہ کہ بشری رشتہ دار آنحضرت میں دو جنبے پائے جاتے تھے ایک بشری دوسرے نبوتی۔ بشری رشتہ دار اور تھے اور نبوتی رشتہ دار اور۔ یہاں ضرورت ابناء رسالت، نساء رسالت اور نفس رسالت کو لے جانے کی تھی اگر بشری رشتہ دار ساتھ لے جا سکتے ہوتے تو حضور ازواج کو اپنے ساتھ لیتے۔

Marfat.com

(۵) کہا جاتا ہے کہ انفسنا سے مراد خود نفس رسول ہے اگر ایسا تھا تو حضور نے خلافِ منشاء الٰہی اپنے ساتھ حضرت علی کو کیوں لیا۔ یہ تو حکم خدا کی کھلی نافرمانی ہوئی۔ علاوہ بریں کوئی شخص اپنے نفس کو نہیں بلاتا کیونکہ جس کو بلایا جائے وہ بلانے والے سے الگ کوئی ذات ہونی چاہیئے۔

(۶) اس کا ثبوت جو لوگ حضرت کے ساتھ گئے تھے وہ سب کے سب مستجاب الدعوات تھے۔ معصوم تھے مقربانِ بارگاہ ایزدی تھے یہ ہے کہ نصارائے نجران کے لارڈ پادری نے ان کے چہروں پر ایک نظر ڈالتے ہی اپنی قوم سے کہہ دیا۔

یا قوم لا تباهلوهم انی لاری وجوها لو سألوا الله ان یزیل الجبل لازاله

اے قوم ان سے مباہلہ نہ کرنا بیشک میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ یہ اگر خدا سے یہ دعا کر دیں کہ پہاڑ کو جگہ سے ہٹا دے تو وہ ضرور ہٹا دے گا۔

(۷) کس قدر عجیب بات ہے کہ نصاریٰ نے باوجود کافر ہونے کے ان مقربانِ ایزدی کی صورت دیکھتے ہی پہچان لیا اور نہ پہچانا تو مسلمانوں نے۔

(۸) صرف یہی ایک آیت قرآن مجید میں ایسی ہے جس میں دشمنانِ اہلبیت کو کوئی تاویل کرتے نہیں بنی کیونکہ اس میں عملی صورت کو غلط نہیں قرار دیا جا سکتا تھا اور ازواج کے داخلہ کی کوئی صورت اس میں نظر نہیں آتی ورنہ ضرور داخل کر لیا جاتا۔

مباہلہ میں تو ازواج کو داخل کرنا ممکن نہ ہوا لیکن آیت تطہیر کے مصداق میں توڑ جوڑ لگا کر ان مخدرات کو شامل ہی کر لیا گیا۔ لیکن اگر ایسا ہوتا تو رسول مباہلہ میں ضرور ان کو ساتھ لے کر جاتے لیکن جب ایسا نہ ہوا تو تطہیر کی چادر کا ایک کونہ بھی ان کے سروں پر نہ تھا۔

کہا جاتا ہے کہ آنحضرت کو بعض ازواج سے بہت زیادہ محبت تھی اگر یہ محبت ان کے روحانی فضائل اور نفسانی کمالات کی بنا پر ہوتی تو مباہلہ میں ان کو ضرور ساتھ لے جاتے۔

Marfat.com

(۵۵) میثاق انبیاءؑ

پ۳ آل عمران ع ۹ ۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ
جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ
اَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْہَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰہِدِیْنَ ۝

(وہ وقت یاد دلاؤ) جب خدا نے پیغمبروں سے اقرار لیا کہ ہم تم کو جو کتاب اور حکمت دیں اس کے بعد تمہارے پاس کوئی رسول آئے اور جو کتاب تمہارے پاس ہے اس کی تصدیق کرے تو (دیکھو) ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی تصدیق کرنا خدا نے فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور ان باتوں پر جو ہم نے تم سے اقرار لیا ہے تم نے میرے عہد کا بوجھ اٹھالیا سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا۔ ارشاد ہوا اچھا تو تم (آج کے قول و قرار کے) آپس میں ایک دوسرے کے گواہ رہنا اور تمہارے ساتھ میں بھی ایک گواہ ہوں)

مفسرین کا اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ میثاق انبیاء سے حضرت رسول خدا کے متعلق لیا گیا تھا یا اُمتوں سے اپنے اپنے رسول کے متعلق پہلی تفسیر کی صورت یہ ہے کہ امتوں سے رسولوں کے متعلق اقرار لیا گیا۔ اس صورت میں نبیین سے پہلے امم کا لفظ محذوف ماننا پڑے گا۔ یعنی یہ صورت ہوگی:۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ اُمَمِ النَّبِیّٖنَ اور اگر رسول کا مصداق حضرت رسول خدا کو مانا جائے تو آنحضرت کسی نبی کے زمانہ میں موجود نہ تھے اس صورت میں انبیاء کا آپ کی مدد کرنا کیسے ہوسکتا ہے۔

دوسری تفسیر کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں سے اقرار لیا ہے کہ کتاب و حکمت ملنے کے بعد یعنی تمام انبیاء کے ختم پر جو رسول آئے اور وہ تمہاری کتابوں کی تصدیق کرتا آئے تو تم اس پر ایمان لانا چنانچہ آنحضرت کی نبوت کا اقرار تمام انبیاء نے کیا اور حضور کے

آنے کی پیشگوئی کرتے چلے آئے۔ حضرت عیسٰے نے تو نام تک بتا دیا۔ مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗ اَحْمَد یہ آنحضرت پر ایمان لانے ہی کی صورت ہے اب رہا ان کی مدد کرنا تو وہ نصرت روحانی ہے نہ جسمانی۔ یعنی اپنی اپنی امتوں کو آنحضرت کے فضائل سے آگاہ کرنا اور ان کی محبت دلوں میں ڈالنا۔ یہ کہنا غلط ہے کہ آنحضرت کسی نبی کے زمانے میں موجود نہ تھے۔ بیشک بوجود مادی موجود نہ تھے لیکن بوجود نورانی ان کے ساتھ تھے اس کا ثبوت اس آیت سے ملتا ہے:۔ کیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید وجئنا بك علی ھؤلاء شھیدا (اس وقت کیا ہوگا۔ جب ہم ہر اُمّت کو اس کے گواہ (نبی) کے ساتھ بلائیں گے اور اے رسُول ان سب پر تم کو گواہ بنائیں گے) بغیر موجود ہوتے گواہی کیسی وہاں صورت یہ ہوگی کہ روز قیامت جب ہر نبی اپنی اُمّت کو لے کر آئے گا تو نبی سے پوچھا جائیگا تم نے ہمارے احکام کی تبلیغ کی تھی وہ کہے گا کی تھی۔ پھر اُمّت سے پوچھا جائے گا کہ ہمارے نبی کے ذریعہ تم پر ہمارے احکام کی تبلیغ ہوئی تھی یا نہیں۔ یعنی سوال دونوں سے ہوگا جیسا کہ آیت سے ظاہر ہے:۔ ولنسئلنّ الّذین اُرسِلَ الیھم ولنسئلنّ المرسلین۔ (ہم پوچھیں گے ان سے جن کی طرف ہم نے رسولوں کو بھیجا تھا اور رسولوں سے بھی) پس اگر اُمّت کے کچھ لوگ انکار کریں گے کہ ہمارے پاس کوئی رسول نہیں آیا اور ہم پر تیرے احکام کی تبلیغ نہیں ہوئی تو ایسی صورت میں اتمام حجت کی کیا شکل ہوگی۔ اس وقت آنحضرتؐ کی گواہی لی جائے گی اور آپ فرمائیں گے کہ اس امت کے نبی نے تبلیغ کی تھی۔ اُمّت جھوٹی ہے۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ ہر نبی کے ساتھ آنحضرت بوجود نورانی موجود تھے چونکہ ہر نبی نے آپ کا تعارف کرایا گیا ہوگا لہٰذا وہ حضور کو پہچان لیں

---

(۵۶) یہودیوں پر اُونٹ کا گوشت حرام نہ تھا

پ ۴ آل عمران ع ۱۰:۔ کُلُّ الطَّعَامِ کَانَ حِلًّا لِّبَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآئِیْلُ

علیٰ نفسہ من قبل ان تنزل التوراۃ قل فاتوا بالتورٰۃ فاتلوھا ان کنتم صادقین

(توریت نازل ہونے سے قبل یعقوب نے جو چیزیں اپنے اوپر حرام کر لی تھیں ان کے سوا بنی اسرائیل کے لئے سب کھانے حلال تھے اے رسول یہودیوں سے کہو کہ اگر تم سچے ہو تو توریت کو لے آؤ اور اس کو ہمارے سامنے پڑھو)

یہودی آل ابراہیم ہونے پر بڑا فخر کرتے تھے مسلمانوں پر یہ اعتراض کرتے رہتے تھے کہ تم دین ابراہیم پر نہیں ہو۔ اس پر ہونے کا فخر ہم کو حاصل ہے اس کے ثبوت میں بڑے غور و خوض کے بعد مسلمانوں پر دو اعتراض کئے اول یہ کہ اونٹ کا گوشت تم برابر کھاتے ہو۔ حالانکہ دین ابراہیم میں حرام ہے۔ چنانچہ یعقوب نہیں کھاتے تھے۔ دوسرے تمام انبیاء بیت المقدس کی طرف سجدہ کرتے آئے ہیں تم نے اپنا قبلہ الگ بنا لیا ہے ان دونوں باتوں کا ناقابل تردید جواب خدا نے اس آیت میں دیا ہے۔ پہلے اعتراض کا یوں کہ اونٹ کا گوشت کبھی حرام نہ تھا بلکہ ابراہیم کے بہت دنوں بعد یعقوب نے ایک بیماری کی وجہ سے اس کو ترک کر دیا تھا ان کی دیکھا دیکھی ان کی اولاد نے بھی چھوڑ دیا دوسرے کا یوں کہ خانہ کعبہ خود ابراہیم کا بنایا ہوا ہے پھر تم کو مسلمانوں کی تقلید کرنی چاہیئے نہ کہ الٹا ان پر اعتراض کرنا۔

یہودی علماء جو احبار کہلاتے تھے توریت میں تصرف کرتے تھے لکھی ہوئی توریت انہی کے پاس رہتی تھی وہ اپنے مقصد کے موافق جو چاہتے تھے لکھ دیتے اور پبلک سے کہتے تھے خدا کا حکم یہی ہے۔ قرآن نے ان کی پول کھول دی چنانچہ آیہ یحرّفون الکلم عن مواضعہ سے ان کی بے ایمانی ظاہر ہوتی ہے توریت میں اونٹ کی حرمت کے متعلق کوئی حکم نہ تھا۔ جب ہی تو اس آیت میں کہا گیا کہ توریت کو لا کر ہمارے سامنے پڑھو۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت کو توریت کا پورا پورا علم تھا ورنہ یہ دعوےٰ کیوں ہوتا کہ اسے لا کر ہمارے سامنے پڑھو۔ سعدی نے کیا خوب کہا ہے:-

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست کتب خانہ چند ملت بشست

Marfat.com

(۵۷) خانہ کعبہ سر تا پا ہدایت ہے

پ۴ آل عمران ع ۱۰۔ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ

(لوگوں کی عبادت کے لئے جو گھر سب سے پہلے بنایا گیا وہ یہی (کعبہ) ہے جو مکہ میں بڑی خیر و برکت والا اور سارے جہان کے لوگوں کا رہنا ہے)

چونکہ خانہ کعبہ حضرت خلیل اللہ کا بنایا ہوا ہے۔ یقیناً باعث خیر و برکت ہے اور مرکز ہدایت ہے لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ وہ عالمین کے لیے باعث ہدایت کیونکر ہے اگر ایسا ہوتا تو جو لوگ حج کرتے اور عمرہ بجالاتے یا اس کی زیارت سے شرف اندوز ہوتے وہ سب ہدایت یافتہ ہو جاتے حالانکہ عموماً ایسا نہیں ہوتا۔ حج و عمرہ کرنے کے بعد بہت سے لوگ پہلے سے زیادہ بدکرداری کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔

یہ تو ظاہر ہے کہ ہدایت کرنا کسی گھر کے اینٹ پتھر در و دیوار سے متعلق نہیں ہوتا بلکہ گھر والوں سے ہوتا ہے۔ کسی عالم کا گھر ہدایت نہیں کرتا بلکہ وہ عالم کرتا ہے جو اس گھر میں رہتا ہے۔ خانہ کعبہ میں خدا نہیں رہتا۔ کیونکہ اس کی ذات مکان و مکانیات سے مبرا ہے۔ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ خانہ کعبہ تک جانے والوں کی نظر کے سامنے وہ کردار ہونا چاہیئے جو ابراہیم خلیل اللہ اور ان کے خاندان کا تھا۔ وہی باعث ہدایت ہو سکتا ہے۔

دوسرے اُمت محمدی کے لئے ان لوگوں کا کردار باعث ہدایت ہو گا جن کے سردار کو تعالیٰ نے اس گھر میں پیدا کیا اور جن کی محبت کو اللہ تعالیٰ نے اجر رسالت قرار دیا ورنہ کعبہ کا طواف کر کے ہدایت یافتہ نہیں ہو سکتا۔ دلوں کے اندر جو روحانی بیماریاں ہیں وہ انہی کی محبت سے دور ہوں گی جو اس دنیا میں انسان کامل بن کر آئے تھے۔ ان کے کردار کو اپنانے سے اور ان کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنے سے ہی روحانی کمال حاصل ہو گا۔ جن لوگوں نے اہلبیت رسول کا دامن چھوڑ دیا ان کی عبادت کیا مقبول ہو گی۔

Marfat.com

کعبہ اب وہ کعبہ نہیں جو ابراہیم خلیل اللہ نے بنایا تھا۔ ان پتھروں میں سے ایک کا بھی نشان نہیں ملتا جو دستِ مبارک سے اس گھر کی دیواروں میں رکھے گئے تھے اور شاید وسعت بھی اب زیادہ ہو گئی ہے لہٰذا جو زیارت کعبہ کے لئے جاتا ہے۔ اس کے تصور میں بنائے ابراہیم خلیل ضرور آتی ہے پس کیا وجہ کہ اس گھر کے بنانے والے کے کردار کو تو اپنایا جائے اور اس کے تصور سے روحانی فیض حاصل کیا جائے اور اس مقرب بارگاہ ایزدی کی ہستی کو قطعاً نظر انداز کر دیا جائے جو اس گھر کے اندر پیدا ہوا تھا۔ بنانے والے نے خدا کے رہنے کے لئے نہیں بنایا تھا بلکہ اس بیت کا جو اہل بیت بنا وہ ابراہیم خلیل اللہ کی نظر میں ضرور ہو گا۔

---

(۵۸) خیر امّت کون ہیں

پ۴ آل عمران ع ۱۲۔ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تامرون بالمعروف وتنهون عن المنکر وتومنون باللہ

(تم کیا اچھے گروہ ہو کہ جن لوگوں کی ہدایت کے واسطے پیدا کئے گئے ہو تم لوگوں کو اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور خدا پر ایمان رکھتے ہو)

ابن ابی حاتم نے امام محمد باقر علیہ السّلام سے روائت کی ہے کہ خیر امت سے مراد اہلبیت رسول ہیں (تفسیر سیوطی جلد ۲ مطبوعہ مصر)

تفسیر کبیر میں خیر امت سے مسلمانوں کو مراد لیا ہے یعنی تمام مسلمان بہترین امت ہیں۔ افسوس ہے کہ ہر مسلمان کو خیر امت میں داخل تو کر دیا۔ جو صفات خدا نے بیان کی ہیں ان کو مسلمانوں پر چسپاں کر کے نہ دکھایا۔ ذرا ان کا تفصیل سے جائزہ لیجئے۔

(۱) لوگوں کی ہدایت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں جو لوگ خود محتاج ہدایت ہوں اور ضلالت میں

Marfat.com

گمراہی کے دلدل میں پھنسے ہوئے ہوں وہ دوسری قوموں کو کیا ہدایت کریں گے۔ مثل مشہور ہے۔

ع ۔ او خویشتن گم است ترا رہبری کند

(۲) نیک کاموں کا حکم دینے والے اور بدی سے روکنے والے وہ اس طبقہ اور اس گروہ کے مسلمان ہیں جنہوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے خلاف کبھی کوئی کام نہ کیا ہو۔ جو خود وساوس شیطانی میں مبتلا ہوں وہ دوسروں کو کیا ہدایت کریں گے۔ وہ زمانہ جو خیر القرآن کہلاتا ہے اُمّتِ محمدی میں بکثرت ایسے لوگ موجود تھے۔ جنہوں نے نیکیوں سے ہٹ کر برائیوں کے دروازے اپنے اوپر کھول لئے تھے۔ لوگوں کے حقوق غصب کئے تھے۔ بے گناہوں کو قتل کیا تھا۔ کمزوروں پر ظلم وستم کئے تھے کیا ایسے لوگ خیر امت کہے جا سکتے ہیں۔ تاریخ اسلام میں بیشمار واقعات اس خیر القرآن میں ایسے ملیں گے کہ ان کے تصوّر سے دل لرزتا ہے۔

پہلے زمانہ کے لوگوں کو چھوڑیے آج کل کے مسلمانوں پر ایک نظر ڈال لیجئے۔ کونسا بُرا کام ہے جو وہ نہیں کر رہے ہیں۔ کیا یہ خیر امت کہلانے کی قابل ہیں۔ صرف کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کہنے والے گائے کا گوشت کھانے والے اور ختنہ کرانے والے تو خیر امت نہیں کہے جا سکتے۔ خیر امت تو وہ ہوں گے جو تمام اقوام عالم سے زیادہ نیکیاں کرنے والے ہوں اور اخلاقی فضائل سب سے زیادہ ان کے اندر پائے جائیں۔

آیت میں جن سے مخاطب کیا گیا ہے وہ عہدِ رسالت کی وہ ممتاز ہستیاں ہیں جنہوں نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر خود بھی عمل کیا اور دوسروں کو بھی نیک کام کرنے کی ہدایت کی اور بُرے کاموں سے روکا۔

جن لوگوں نے اولادِ رسول کے گلے کاٹے اور ان کے املاک ضبط کئے۔ ان کے حقوق پر چھاپا مارا۔ ان کے گھروں کو لوٹا، جلایا۔ قید وبند کی تکلیفوں میں مبتلا کیا۔ کیا وہ خیر امت کہلانے کی قابل ہیں۔ ہر زمانہ میں جن لوگوں کے ظلم وستم کیسے سنگ دلی، بے رحمی، سفاکی وخون ریزی، فریب کاری بازی کے لوگ نشانہ بنے رہے ہوں وہ اگر خیر امت کہے جائیں تو اہلِ انصاف بتائیں

Marfat.com

بد ترین امت کس کو کہا جائے گا۔

خیر امت وہی لوگ ہو سکتے ہیں۔ جنہوں نے صدق گوئی، خیر پسندی، حق نوازی اور حق پسندی پر کبھی پس و پیش نہیں کیا۔ انہوں نے سر کٹوا دیے۔ گھر لٹوا دیے۔ جیل خانوں میں عمر کے بڑے حصے گزار دیے مگر امرِ حق کی تبلیغ سے نہ چوکے۔ انہوں نے اپنے اخلاقی فضائل اور روحانی کمالات سے یہ ثابت کر دیا کہ ایک سچا مسلمان کیسا ہوتا ہے۔ خیر امت کہنے کے مستحق یا تو اہل بیت رسول ہیں یا وہ لوگ جو ان کے نقش قدم پر چلے اور جنہوں نے کسی حالت میں آل رسول کا دامن نہیں چھوڑا۔ جنہوں نے ان کی تاسی میں بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں مگر جادہ حق سے بال برابر ان کا قدم نہ ہٹا۔

---

(۵۹) جنگ بدر میں ملائکہ کا آنا

پ۴ آل عمران ع ۱۳:۔ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ۔

(اے رسول اس وقت تم مومنین سے کہہ رہے تھے کہ کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتے آسمان سے بھیج کر تمہاری مدد کرے (ضرور کافی ہے) بلکہ اگر تم ثابت قدم رہو (اور رسول کی مخالفت سے) بچو اور کفار اپنے جوش میں تم پر چڑھ بھی آئیں تو تمہارا پروردگار ایسے پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا جو نشان جنگ لگائے ہوئے ہوں گے) جنگ بدر میں ایک ہزار سلحشور کفار کے مقابل صرف تین سو تیرہ مسلمان تھے جن کے پاس نہ تو کافی ہتھیار تھے نہ پوری سواری مگر اللہ نے اپنے فضل سے مسلمانوں کو فتح دی کفار کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر زخمی ہوئے)

Marfat.com

مفسرین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا ملائکہ گھوڑوں پر سوار ہو کر مشرکین سے لڑنے آئے تھے یا ملائکہ کی امداد سے کچھ اور مراد ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ ملائکہ لڑنے نہیں آئے اگر آتے اور لڑتے تو ان کے کشتے بھی میدان جنگ میں پائے جاتے حالانکہ سوائے ان ستر کشتوں کے جن کو مسلمانوں نے اپنی تلواروں سے قتل کیا تھا اور کوئی کشتہ جس کو ملائکہ کا مقتول کہا جائے وہاں نہیں پایا گیا۔ تین ہزار یا پانچ ہزار ملائکہ کی فوج بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔ جب کہ ایک ہی فرشتہ لاکھوں کو ہلاک کرنے کے لئے کافی ہوتا۔ ایک ملک الموت ہی کو لیجئے کہ وہ آن واحد میں بے حد و شمار آدمیوں کی جان نکال لیتا ہے۔ ملائکہ کی مدد سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دلوں میں بے پناہ قوت بھر دی تھی اور ان کو اس قدر مطمئن بنا دیا تھا کہ ذرا گھبراہٹ اور ہچکچاہٹ ان سے پیدا نہیں ہوئی جو روایات ملائکہ سے لڑنے کے متعلق ہیں وہ قابل اعتماد نہیں اگر ملائکہ کی فوج مدد کو آئی ہوتی تو ضرور لوگ ان کو دیکھتے حالانکہ کسی نے ان کو نہیں دیکھا۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ آنحضرت نے خواب میں دیکھا تھا کہ ملائکہ آپ کی مدد کے لئے آئے ہیں۔ اس کو آپ نے مسلمانوں سے بیان کر دیا تاکہ ان کے دل قوی ہو جائیں اور ڈٹ کر کفار کا مقابلہ کریں اور ان کو یہ یقین ہو جائے کہ اللہ کی مدد ان کے ساتھ ہے۔

اس آیت کے بعد یہ آیت ہے:۔ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ۔

(اور خدا نے یہ امداد تمہاری خوشی کے لئے کی ہے تاکہ اس سے تمہارے دلوں کو ڈھارس ہو اور مدد جب ہوتی ہے تو خدا ہی کی طرف سے ہوتی ہے اور وہ سب پر غالب اور حکمت والا ہے)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ مدد کا جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ صرف مسلمانوں کی ڈھارس بندھانے کے لئے ہے یعنی تم یہ سمجھ کر لڑو کہ تین ہزار فرشتے تمہاری پشت پر ہیں اور اگر کفار کی تعداد بڑھ جائے گی اور تم پر حملہ آور ہوں گے تو پھر ہم ملائکہ کی تعداد پانچ ہزار کر دیں گے یعنی تمہارے دلوں کو اور زیادہ کو قوی بنا دیں گے۔ (یہ مضمون ہم نے سر سید احمد خاں

کی تفسیر انوار القرآن سے لکھا ہے)

سید صاحب کی یہ تاویل دل کو جچتی نہیں کیونکہ اس آیت میں دو لفظ ایسے ہیں۔ جو اس بیان کو کوئی وقعت نہیں پہنچاتے اوّل منزلین یعنی ملائکہ کا آسمان سے اترنا، دوسرا مسوّمین یعنی نشان جنگ لگائے ہوئے۔ اگر نزول ملائکہ نہیں ہوا تو ان الفاظ کے ذکر کرنے کی ضرورت کیا تھی۔ مذکورہ بالا آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ملائکہ صفیں باندھ کر کفار سے لڑے تھے اور انہوں نے مشرکین کو قتل بھی کیا تھا۔ ذکر تو انکا مدد کے لئے آنے کا ہے اب رہا یہ کہ کسی نے ان کو دیکھا نہیں۔ یہ دلیل ملائکہ کے نہ آنے کی نہیں ہو سکتی۔ لوگ نہ دیکھیں رسول تو دیکھتے ہوں گے۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کفار کو نظر آتے ہوں اور ان کی کثرت دیکھ کر دلوں پر ہیبت طاری ہو گئی ہو اور یہی ان کی شکست کا سبب ہوا ہو۔ مسلمان دیکھتے یا نہ دیکھتے رسول کا یہ فرمانا ہی ان کی ہمت افزائی کے لئے کافی تھا کہ ملائکہ تمہاری مدد کے لئے آئے ہیں۔ یعنی اگر خدانخواستہ تمہیں شکست ہوتی نظر آئے گی تو ملائکہ اس وقت تمہاری مدد کریں گے یعنی بشکل انسان ظاہر ہو کر فوج دشمن پر رعب ڈالیں گے۔ چنانچہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کو میدان میں بےشمار سوار مسلمانوں کی پس پشت نظر آئے۔

رہا یہ کہنا کہ جب ایک ہی فرشتہ سب کو ہلاک کرنے کے لئے کافی تھا تو ہزارہا فرشتوں کو مدد کے لئے بھیجنے کے لئے کیا ضرورت ہے جواب یہ ہے کہ جنگ کے موقعوں پر اظہار قوت کے لئے ایسی ہی قوت بیان کی جاتی ہے جیسے کوئی بادشاہ اپنی فوج سے کہے کہ گھبراؤ مت کئی ڈویژن فوج تمہاری کمک کے لئے آ رہی ہے اس کی تائید میں ہم ایک آیت پیش کرتے ہیں۔ سورۃ تحریم میں جہاں آنحضرتؐ کی ان دو بیبیوں سے جن کے دل کج ہو گئے تھے یہ کہا گیا تھا کہ اگر تم توبہ بھی کر دو تو کیا ہوتا ہے وہاں یہ بھی کہا گیا ہے۔

وان تظاھرا علیہ فان اللہ ھو مولاہ وجبریل وصالح المومنین والملائکۃ بعد ذالک ظھیراہ

اگر تم نے رسول سے شورپشتی کی تو دیکھ لو) اللہ اس کا مددگار ہے اور جبریل اور صالح المومنین (حضرت علی) اور اس کے بعد سارے ملائکہ اس کے پشت پناہ ہوں گے) غور کیجئے دو عورتوں کے مقابلہ کے لئے کتنی زبردست قوت بیان کی جا رہی ہے حالانکہ صرف ایک جبریل ہی کافی تھے اور ملائکہ کو اس فوج میں کیوں شامل کیا گیا۔ صرف اس لئے کہ وہ

Marfat.com

عورتیں رسول کے مددگاروں کی طاقت کا اندازہ کرلیں۔

(۶۰) شہیدان راہ خدا زندہ ہیں

پ۴ آل عمران ع ۱۷۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ يُرْزَقُوْنَ ۔ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِھٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِھِمْ مِّنْ خَلْفِھِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْھِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔

(جو لوگ راہ خدا میں شہید کئے گئے ہیں انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں وہ اپنے پروردگار کے یہاں سے طرح طرح کی روزی پاتے ہیں اور خدا نے جو جو فضل و کرم ان پر کیا ہے اس کی خوشی سے پھولے نہیں سماتے اور جو لوگ ان سے پیچھے رہ گئے ہیں اور ان میں شامل نہیں ہوئے اس کی نسبت (اس خیال سے) خوشیاں مناتے ہیں (کہ یہ بھی شہید ہوں تو) ان کو نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ وہ آزردہ خاطر ہوں گے)

اس آیت میں دو لفظ قابل غور ہیں پہلے فرمایا ہے ان کو مردہ مت سمجھو یعنی جو تکلیفیں اس دنیا سے مُردوں کو ہو جاتی ہیں اور جو صورتیں ان کے لئے پیش آتی ہیں وہ شہیدوں کے لئے نہیں۔ دوسرے فرمایا گیا ہے وہ زندہ ہیں یعنی جو قوتیں اس دنیا میں اوروں کے لئے ہوتی ہیں وہ ان میں موجود رہتی ہیں۔ یعنی وہ اپنے ارادہ اور اختیار سے جہاں چاہیں جا سکتے ہیں اور جس کی مدد چاہیں کر سکتے ہیں ورنہ ان کو زندہ کہنا بے معنی ہوگا وہ اپنے خدا سے رزق روحانی حاصل کرتے ہیں اور نہایت ہشاش و بشاش رہتے ہیں کیونکہ عالم برزخ میں ان کو کوئی تکلیف نہیں پہنچتی بلکہ نعمت ہائے الٰہی سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

یہ کہنا غلط ہے کہ اگر وہ زندہ ہیں تو ان کی میراث کیوں تقسیم ہوتی ہے اور ان کی ازواج نکاح دوسروں کے ساتھ کیسے صحیح ہوتا ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ دنیا کی ظاہری موت کے

بعد یہاں سے ان کا دہ تعلق ختم ہو جاتا ہے جو عموماً دنیا والوں کو اپنی زندگی میں ہوتا ہے۔ بیشک وہ یہاں سے ایک دوسری دنیا میں چلے جاتے ہیں اور یہاں کے رشتے ناطے قطع ہو جاتے ہیں مگر وہ اس دنیا میں اس طرح کی زندگی بسر کرتے ہیں کہ بجسم مثالی ان کو اس دنیا میں آنے کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔

اسلام میں بمجوائے آیہ قرآنی شہید کا لفظ ان لوگوں پر بولا جاتا ہے جو جہاد فی سبیل اللہ میں شریک ہو کر قتل ہو جاتے ہیں ان کے بھی مختلف مراتب ہیں۔

(۱) رسول کے ساتھ کسی غزوہ میں شریک ہوں اور میدان جنگ میں قتل ہو جائیں ان کا مرتبہ سب سے اونچا ہے۔

(۲) رسول کے ساتھ کسی غزوہ میں شریک ہوں اور میدان جنگ میں زخمی ہو کر پلٹ آئیں اور چند روز بعد زخموں کی تاب نہ لا کر مر جائیں ان کا دوسرا مرتبہ ہے۔

(۳) کسی سریہ میں جائیں اور قتل کر دیئے جائیں۔ ان کا تیسرا نمبر ہے۔

(۴) جو لوگ امر حق کی تبلیغ کے جرم میں قتل کر دیئے جائیں۔

(۵) جو لوگ ثغور ممالک اسلامیہ کی حفاظت میں قتل ہوں۔

(۶) جن کو کفار و مشرکین صرف مسلمان سمجھ کر بے جرم و قصور قتل کر دیں۔

جاہل سے عالم کا درجہ بلند ہے۔ بے عمل سے عابد و زاہد کا درجہ اونچا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شہداء کے درجات کا جاننے والا خدا کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔

(۶۱) مرد کو چار نکاح کی اجازت

پ النساء ع ۱۔ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ذٰلِکَ

Marfat.com

اَدْنٰی اَلَّا تَعُوْلُوْا۔ (اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ (نکاح کرکے) یتیم لڑکیوں (کے رکھنے) میں انصاف نہ کر سکو گے تو اور عورتوں سے اپنی مرضی کے موافق دو دو اور تین تین اور چار چار سے نکاح کرو پھر اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم (متعدد بیبیوں میں) انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی پر اکتفا کرو یا جو لونڈی تمہاری زر خرید ہو اسی پر قناعت کرو۔ یہ تدبیر ناانصافی نہ کرنے کے بہت ہی قرین قیاس ہے)

مغربی تہذیب کے دلدادہ جو بظاہر ایک بی بی رکھتے ہیں اور گھر سے باہر ہر رات ایک نیا شکار مارتے ہیں یا ہندو رسم ورواج کے فریفتہ کہتے ہیں اسلام عیاشی کی تعلیم دیتا ہے اور بیک وقت چار چار عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ مرد کو جس میں قوت شہوی کم ہے اس کو تو چار کی اجازت اور عورت جس میں قوت شہوی زیادہ ہے صرف ایک شوہر کی۔ یہ کہاں کا انصاف ہے۔

یہ ایک احمقانہ قیاس ہے وہ یہ نہیں سمجھتے کہ شہوت کا دارومدار قوت پر ہے جس میں جتنی قوت زیادہ ہوگی اتنی ہی اس میں شہوت زیادہ ہوگی۔ ایک بیوقوف ہی یہ کہہ سکتا ہے کہ عورت میں مرد سے زیادہ قوت ہے پس جو بلحاظ قوت کمزور ہو اس میں شہوت زیادہ کیسے ہوگی۔ عورت ایک بار جماع کے بعد مضمحل ہو جاتی ہے برخلاف مرد کے کہ وہ کچھ دیر بعد ہی پھر جماع کا خواہشمند ہوتا ہے۔ ایام حیض اور بحالت حمل عورت کی قوت شہوی بہت ہی کم ہو جاتی ہے۔ اس طرح رضاعت کے ایام میں بھی اس کی قوت شہوی سست پڑ جاتی ہے۔ پھر جب حیض آنا بند ہو جاتا ہے تو یہ قوت اس میں لی دی ہی رہ جاتی ہے۔ مرد کے لئے ایسی صورتیں واقع نہیں ہوتیں۔

یہ بھی تو سمجھیئے کہ شریعت اسلام نے بیک وقت چار عورتوں کا رکھنا کسی پر واجب تو نہیں کیا بلکہ شدید ضرورت میں اجازت دی ہے اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ ان کے درمیان انصاف کر سکے ورنہ اس کے لئے حکم ہے کہ ایک ہی پر اکتفا کرے۔

ایک کی بجائے چار رکھنا اس سے بہتر ہے کہ انسان زناکاری کی طرف متوجہ ہو اور

فاحشہ عورتوں سے اپنے تعلقات پیدا کرے یا ہوٹلوں میں اپنی خواہشات شیطانی کو پورا کرے
بعض مردوں میں فطرۃً قوت شہوی اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ ایک عورت اس کی خواہش کو
پورا نہیں کر سکتی ۔ بالخصوص جب کہ اس کو حیض یا استحاضہ کا خون آ رہا ہو یا حاملہ ہو یا ولادت کے
بعد جب کہ خون نفاس آ رہا ہو ۔ دودھ پلانے کے ایام میں عورت کمزور ہو جاتی ہے اور اس کی
رغبت مرد کی طرف نہیں رہتی ۔ پھر بیماری بھی انسان کو لگی رہتی ہے ایسی صورتوں میں وہ
مرد کیا کرے گا ۔ اگر زنا کرتا ہے تو گنہگار اگر اپنے کو روکتا ہے تو بیمار ۔ ایسی ہی ضرورتوں
کے پیش نظر شریعت نے اجازت دی ہے ۔

ہم فرض کرتے ہیں ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا ۔ شادی کے بعد معلوم ہوا
وہ بانجھ ہے ۔ اب بیچارہ کرے کیا : اس کی وجہ سے نسل قطع کر لے ۔ لہٰذا وہ مجبور ہو گا دوسری
شادی پر ۔ اگر دوسری بی بی ایسی ناتواں ہے کہ اس کی خواہش پوری نہیں کر سکتی تو اگر صاحب استطاعت
ہے تو تیسری کرے گا ۔ اگر وہ کسی مہلک مرض میں مبتلا ہے تو چوتھی کرے گا ۔ بہر حال ایسی ہی
صورتوں کو مدنظر رکھ کر اسلام نے چار کی اجازت دی ہے نہ کہ عیاشی کے لئے ۔

غالباً شارع اسلام کے پیش نظر یہ سبب بھی ہو کہ دنیا میں مسلمانوں کی تعداد روز افزوں ترقی
کرے اور اطراف عالم میں پھیلتے جائیں ۔ جیسا کہ حدیث میں ہے : ۔ تناکحوا و تناسلوا تکثروا ۔
(نکاح کرو نسل بڑھاؤ اور کثرت میں ہو جاؤ) دیکھو اس زمانہ میں جو قوم اکثریت میں ہے اس کی حکومت
ہے ۔ اقلیت والے مظلومانہ زندگی بسر کرتے ہیں ۔

(۶۲) مطلّقہ کا حق

پ النساء ع ۱۳ ۔ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ
قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۔

(اگر تم ایک بی بی کو طلاق دے کر دوسری بی بی تبدیل کرنا چاہتے ہو تو اگرچہ ان میں

سے ایک کو جسے طلاق دینا چاہتے ہو بہت سا مال دے چکے ہو تاہم اس سے
کچھ واپس نہ لو کیا تمہاری یہی غیرت ہے کہ خواہ مخواہ بہتان باندھ کر یا کوئی جرم لگا کر
(واپس لے لو)

بہت سے لوگ ایسے کینہ خصلت اور سخت دل ہوتے ہیں کہ اپنی بی بی پر کوئی الزام لگا کر طلاق کا بہانہ پیدا کر لیتے ہیں اور پھر اس پر طرّہ یہ کہ طلاق دینے کے بعد جو کچھ زر و زیور یا نقد اس کو دیا ہوتا ہے وہ چھین لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کے بھی کچھ حقوق متعین کئے ہیں جو ان کو ادا نہیں کرتا وہ یقیناً گنہگار ہوتا ہے۔

اس زمانہ میں طلاق دینا معمولی بات بن گیا ہے۔ ذرا عورت کے حُسن میں فرق آیا یا اس کی جوانی ڈھلی یا بچے زیادہ ہو گئے بس شوہر صاحب کسی اور سے دل لگا کر اس غریب کو طلاق دینے پر تیار ہو گئے یا مغربی ممالک میں کہیں جا پہنچے اور کسی موم کی پتلی کو دل دے بیٹھے۔ بس پھر کیا تھا۔ جھٹ پہلی بی بی کے نام طلاق نامہ لکھ کر بھیج دیا۔ ان سے کوئی غرض نہیں کہ اس بیچاری کا کیا حشر ہوگا۔ یہ اپنی زندگی کیسے گزارے گی۔ مہر کا دین تو اب قابل توجہ رہا ہی نہیں۔ نکاح کے وقت جتنا لڑکی والوں نے چاہا بندھوا دیا۔ اس کے بعد ادا کرنے کا ارادہ نہ اس وقت ہوتا ہے نہ بعد میں۔ طلاق دیتے وقت مہر کی ادائگی کا بھولے سے خیال بھی نہیں آتا۔ جانتے ہیں کہ کون زر کثیر خرچ کر کے نالش کرے گا۔

افسوس ہے کہ مسلمانوں نے مغربی تہذیب کی زد میں آکر تمام اسلامی احکام کو پس پشت ڈال دیا۔ رسول نے فرمایا ہے:۔ ابغضُ الْاَشْیَاءِ عِنْدِی الطَّلَاقُ (سب سے زیادہ مجھے غصہ دلانے والی چیز طلاق ہے۔

---

(۶۳) متعہ

پ النساء ا:۔ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِیْضَةً وَلَا جُنَاحَ

عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

(جن عورتوں سے تم نے متعہ کیا ہو تو انہیں جو مہر معین کیا ہے دے دو مہر مقرر ہو جانے کے بعد اگر آپس میں کم و بیش پر راضی ہو جاؤ تو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں بیشک خدا ہر چیز سے واقف اور مصلحتوں کا پہچاننے والا ہے)

یہ آیت صراحتہ متعہ کے حلال و جائز پر دلالت کرتی ہے اس وجہ سے علاوہ مصحف عثمانی اور مصاحف میں اس آیت کو الیٰ اجل مسمّٰی کے ساتھ پڑھا گیا اور جب ابو نضرہ وغیرہ نے کہا کہ ہم یوں پڑھتے تو ابن عباس نے کہا۔ واللہ خدا نے اس آیت کو یوں ہی نازل کیا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ اگر عمر لوگوں کو متعہ سے منع کرتے تو قیامت تک سوائے کسی شقی اور بدبخت کے کوئی بھی زنا نہ کرتا۔ جابر ابن عبداللہ انصاری سے منقول ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ کے پورے زمانہ میں اور ابوبکر کی پوری خلافت میں اور خلافت عمر کے نصف اول میں برابر متعہ کرتے رہے مگر عمر نے اپنی خلافت کے نصف آخر میں متعہ کی ممانعت کا حکم جاری کیا وہ بھی ان الفاظ میں :۔

مُتْعَتَانِ کَانَتَا عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَاَنَا اَنْهٰی عَنْهُمَا وَاُعَاقِبُ عَلَیْهَا

دو متعہ (متعہ النساء و متعۃ الحج) رسول کے زمانہ میں تھے۔ ——— میں ان کو حرام کرتا ہوں اور ان کے کرنے والوں کو سزا دوں گا (تفسیر در منثور سیوطی جلد ۲ مطبوعہ مصر۔ تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۲ مطبوعہ مصر۔ تفسیر کشاف جلد ۱ معالم التنزیل)

اسامیں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ حضرت عمر کو شریعت محمدی تبدیل کرنے کا کیا حق تھا جب کہ حلال محمد قیامت تک حلال اور حرام محمد قیامت تک حرام ہے۔

متعہ کی ضرورت اکثر انسان کو پیش آتی ہے اس کی چند صورتیں ہیں۔

(۱) ایک شخص اکثر اپنے گھر سے باہر رہتا ہے یا فوجی جو کسی محاذ پر مدت دراز تک پڑے رہتے ہیں ایسی صورت میں وہ اپنی قوت شہوی کا دفعیہ کس صورت سے کریں۔ بیا ہتا بیوی کو ساتھ

نہیں رکھ سکتے۔ سفر میں عقد دائمی کے ساتھ کسی عورت کو رکھنے میں کافی خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے جس کا وہ شخص متحمل نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ متعہ نہ کرے گا تو لامحالہ اس کی طبیعت زنا کی طرف مائل ہوگی۔ اگر ایسا نہ کرے گا تو اس کی صحت زوال پذیر ہوگی

(۲) ایک شخص کی بی بی بیمار رہتی ہے اور وہ مجامعت کے قابل نہیں رہتی تو یہ شخص کیا کرے دوسری شادی اول تو اس لئے نہیں کر سکتا کہ اس کی آمدنی تھوڑی ہے۔ دوسرے گھر میں سوتنوں کے درمیان جھگڑا قضیہ رہنے سے اس کی زندگی تلخ ہو جائے گی۔ متعہ کی صورت میں اس کی یہ مشکل حل ہو جاتی ہے۔

"سر سید احمد خاں صاحب نے اپنی تفسیر میں متعہ کو زنا اور عیاشی تحریر کیا ہے۔ حالاں کہ یہ غلط ہے، متعہ اور نکاح میں زیادہ فرق نہیں۔ متعہ صرف وقت معین کے لئے ہوتا ہے۔ باقی شرائط وہی ہیں جو نکاح دائمی کے ہیں۔ دونوں میں صیغہ عقد پڑھا جاتا ہے۔ مدّت معین میں ممتوعہ کے تمام حقوق از قسم نان و نفقہ مرد کو ادا کرنے ہوتے ہیں۔ اس کی اولاد کی پرورش کی ذمہ داری مرد پر اسی طرح ہوگی جس طرح عقد دائمی والی عورت کے بچوں کی۔"

(۳) بہت سی عورتیں بیوہ ہونے کے بعد لطف جنسیت سے محروم ہو جاتی ہیں اور ان کی صنفی خواہش جب پوری نہیں ہوتی تو وہ زنا کی طرف مائل ہو جاتی ہیں ان کو اس گناہ سے بچانے کا واحد علاج متعہ ہی ہو سکتا ہے

---

۶۴ مرد کو عورت پر فضیلت ہے

پ۵ النساء ع ۲،۔ الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ہ

(مردوں کو عورتوں پر قابو حاصل ہے اور اللہ نے بعض (مرد) کو بعض (عورت) پر فضیلت دی ہے۔)

جسمانی اور روحانی دونو اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو عورت فطرۃً مرد سے کمزور ہوتی ہے۔ چونکہ کسب معاش کا تمام تر بار قدرت نے مرد کے کندھوں پر رکھا ہے۔ لہٰذا اس کو زیادہ قوت عطا فرمائی ہے۔ وہ ہر موسم میں محنت و مشقت سے کام لے کر کسب معاش کر سکتا ہے۔ برخلاف عورت کے وہ زیادہ کڑی دھوپ میں زیادہ سردی میں زیادہ بارش میں کوئی کام انجام نہیں دے سکتی۔ قدرت نے جہاد کو اس لئے اُس پر سے ساقط کر دیا ہے کہ مردوں کی طرح بے جگری سے تلوار نہیں چلا سکتی۔ زیادہ زخموں کی تاب نہیں لا سکتی۔ وقتِ ضرورت تیزی سے بھاگ نہیں سکتی۔

عورت کے چہرہ پر حُسن کی بہار ہوتی ہے رعب نہیں۔ برخلاف مرد کے کہ اس کے چہرہ پر رعب داب اور ہیبت ہوتی ہے اور یہ چیز لبا اوقات دشمن کے مقابلہ میں مقصد برا ری میں مفید ہوتی ہے۔ خدا نے آدم سے لے کر خاتم الانبیاء تک کسی عورت کو نبی یا رسول نہیں بنایا۔ کیونکہ تبلیغی ضرورتیں اول تو اس سے پوری نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ دشمنان دین کے بڑے بڑے مظالم اٹھانا پڑے ہیں۔ دوسرے اس کی طرف کھنچنے والے اور اس کی بات ماننے والے عاشق مزاج نوجوان ہو سکتے ہیں۔

سب سے بڑا ثبوت اس امر کا کہ عورت کو مرد پر تفوق ہے اور اس سے کمزور ہے یہ ہے کہ خلوت میں عورت مرد سے نیچے رہتی ہے یہ قدرت کا انتظام ہے جسے کوئی بدل نہیں سکتا۔

ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ عورت میں اضطراب اور گھبراہٹ مرد کی نسبت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ وہ معمولی سے حادثہ میں رونے لگتی ہے چھاتی کو ٹنے لگتی ہے لوگوں سے فریاد کرتی ہے۔

افسوس ہے کہ مغربی تہذیب نے اقوام عالم کی تمام مذہبی اور ملی تہذیبوں کو اس طرح تباہ و برباد کر دیا ہے۔ جیسے پانی کا سیلاب خس و خاشاک کو بہا کر لے جاتا ہے۔ اب جہاں دیکھو عورت آگے ہے۔ ہر گھر میں حکومت عورت کی ہے۔ ہر امر میں اہم مشورہ عورت کا ہے۔ مرد اس کے چشم و ابرو کے اشارہ پر رقص کرتا ہے۔ ع ببیں تفاوت رہ از کجا ست تا بکجا۔

(۶۵) روز قیامت رسول تمام امتوں پر گواہ ہوں گے

پ۵ النساء ع ۱۰۔ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ۝

(کیا حال ہوگا جب ہم ہر گروہ کے گواہ طلب کریں گے اور اے محمد تم کو ان سب پر گواہ کی حیثیت سے ان کے سامنے لائیں گے)

روز قیامت ہر نبی اپنی اُمت کے ساتھ میدان حشر میں آئے گا۔ اس وقت اس سے سوال ہوگا۔ تم نے ہمارے احکام کی اپنی امت پر تبلیغ کی تھی۔ اس وقت اُمت کے کچھ لوگ کہیں گے۔ ہمیں ان کی تبلیغ کی کچھ خبر نہیں۔ ہم پر انہوں نے کوئی تبلیغ نہیں کی۔ قرآن کہتا ہے:۔ لَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ ۔ ہم ان سے پوچھیں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے تھے اور اُن سے بھی پوچھیں گے جن کو بھیجا گیا تھا۔ پس ایسی صورت میں جب نبی کہتا ہو میں نے تبلیغ کی تھی اور امت کہتی ہو انہوں نے نہیں کی۔ کس کو سچا اور کس کو جھوٹا قرار دیا جائے۔ لہٰذا ضرورت ہوگی کہ ایک سرکاری گواہ ہر امت کے ساتھ رہے تاکہ وہ انبیاء کی تبلیغ کی تصدیق کرے۔ یہی وجہ ہے کہ نور محمدی ہر انبیاء کے ساتھ رکھا گیا کہ حضرت چشم دید گواہی دیں۔ کس طرح حضرت ساتھ رہے اس کا بتانا مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس شکل و ہیئت میں نور محمدی کو رسولوں کے ساتھ رکھا۔

---

(۶۶) آلِ ابراہیم کو کتاب و حکمت سے مخصوص کیا گیا

پ۵ النساء ع ۸۔ أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۖ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا ۝

خدا نے اپنے فضل سے جو ان کو عطا فرمایا ہے لوگ اس پر رشک کے مارے مرے جاتے ہیں (تو اس کا کیا علاج) ہم نے ابراہیم کی اولاد کو کتاب اور عقل کی باتیں عطا فرمائی ہیں

Marfat.com

اور ان کو بہت بڑی سلطنت بھی دی ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو فضیلت عطا فرمائی ہے۔ یہودی حسد سے جلے مرتے ہیں۔ حالانکہ ہم نے اس سے پہلے آل ابراہیم کو کتاب و حکمت دی اور ملک عظیم عطا فرمایا۔ یہ عطیات اولاد ابراہیم سے متعلق رہے۔ امت کو اس میں کوئی دخل نہ تھا۔

آئمہ طاہرین علیہم السلام سے بذریعہ احادیث متواترہ مروی ہے کہ یہ آیت دشمنان آل محمد کی مذمت اور آل محمد کی مظلومی کے بیان میں ہے۔ خاندان رسالت میں نبوت و سلطنت کو منافق برداشت نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے براہ حسد لوگوں سے ان کی برائیاں بیان کرتے تھے اور آنحضرت کے بعد سلطنت پر فائز ہونے کی تدبیریں سوچتے تھے۔

آل ابراہیم میں جہاں اور بہت سے انبیاء داخل ہیں۔ اس طرح حضرت رسول خدا اور ان کے اہل بیت بھی داخل ہیں۔ لیکن کسی نبی کے فضائل پر امت والوں نے اتنا حسد نہیں کیا جتنا اہل بیت رسول کے فضائل پر کیا گیا۔ دیکھنا یہ ہے کہ تمام آل ابراہیم میں سب سے زیادہ عطیات الٰہیہ کس کو پہنچے۔

(۱) آل ابراہیم کو آسمانی کتابیں ملیں۔ علاوہ توریت و انجیل کے ۱۱۲ صحیفے بھی ان پر نازل ہوئے لیکن وہ سب منسوخ ہو گئے۔ آنحضرت کو جو کتاب ملی وہ ان سب کی ناسخ ملی اور وہ قیامت تک چلنے والی ہے۔

(۲) انبیائے بنی اسرائیل کی کتابوں میں اس درجہ تحریف کی گئی کہ وہ اپنی صورت پر باقی نہ رہیں۔ لیکن قرآن کا تحفظ اس حد تک ہوا کہ اس کے اعراب تک محفوظ رہے۔ تمام اعراب گن لئے گئے۔ آیات گن لی گئیں۔ توریت اور انجیل انبیائے بنی اسرائیل کے سینہ بہ سینہ نہیں چلی بلکہ کتابت کی صورت میں چلی اس لئے ان میں تحریف ہو گئی۔ قرآن سینہ بہ سینہ ایک معصوم سے دوسرے معصوم کے سینہ میں پہنچا اور اس طرح قرآن بلکہ اور ہر جنبل کا پی قیامت تک محفوظ رہی۔ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ (وہ روشن آیات ہیں ان کے سینوں میں جن کو اللہ کی طرف سے علم دیا گیا ہے)

Marfat.com

(۲) آل ابراہیم کو علم و حکمت بھی خدا نے عطا کی لیکن جس پایہ کا علم و حکمت محمد و آل محمد کو ملا اس کی نظیر انبیائے سابقین میں کہاں نہیں پائی جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے حضور سرکار دو عالم کے متعلق فرمایا:۔ وعلمک مالم تکن تعلم (جو کچھ بھی تم نہ جانتے تھے وہ سب اللہ نے تم کو لکھا پڑھا دیا۔ جب ہی تو حضور نے فرمایا:۔ انا مدینۃ العلم و علیٌ بابھا اور انا دار الحکمۃ و علیٌ بابھا اس پر لوگوں کو حسد تھا۔

(۳) آل ابراہیم کو ملک عظیم عطا فرمایا لیکن آل محمد سے بڑی حکومت کسی کو نہیں ملی یہ حکومت ظہور حضرت محمد کے وقت مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک ہوگی اور ایسی حکومت ہوگی کہ سوائے دین اسلام کوئی اور دین پایا ہی نہ جائے گا اور وہ ایسی حکومت ہوگی کہ تمام روئے زمین عدل وداد سے پُر ہو جائے گی۔ شیر و بکری ایک گھاٹ پر پانی پئیں گے۔ کس کی طاقت ہے کہ ان فضائل میں محمد و آل محمد کا مقابلہ کر سکے۔

---

(۶۷) اولی الامر کون ہیں؟

پ۵ النساء ع ۸۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ

(اے ایمان والو خدا کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اولی الامر کی)

مفسروں نے اس امر میں اختلاف کیا ہے کہ اولی الامر سے مراد کون لوگ ہیں۔ بعض نے کہا ہے امرائے سرایا مراد ہیں بعض نے کہا ہے بادشاہان وقت مراد ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی مراد نہیں ہو سکتا۔ سوائے آئمہ معصومین کے۔ کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت مطلقہ کا حکم دیا ہے اسی طرح اولی الامر کی بھی۔ اطاعت تمام بندوں پر واجب کی ہے اسی صورت میں اولی الامر خدا و رسول کے نائب ہوں گے۔ اور نائب کے لئے معصوم ہونا ضروری ہے کیونکہ عقل اس کو قبول نہیں کرتی کہ خدا گنہگاروں کی اطاعت کا حکم دے

سوائے آئمہ معصومین کے اور کسی کی عصمت کا کوئی مدعی نہیں ہوا یہ تو ظاہر ہے کہ خدا کا یہ حکم کسی خاص زمانہ یا وقت یا کسی خاص شخص کے لئے نہیں بلکہ قیامت تک ہر شخص کے لیے ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اطاعت بھی عام ہے امور دنیا و دین کی تخصیص نہیں بلکہ ہر زمانہ ہر جگہ اور ہر وقت کے لئے ہے۔

اگر بالفرض اولی الامر سے مراد دنیا کے بادشاہ ہوں تو مذہب اسلام کی تمام قدوسیت ختم ہو جائے گی۔ کیونکہ کہیں نصاریٰ بادشاہ ہیں کہیں یہودی اور کہیں کفار و مشرکین۔ اگر صرف مسلمان بادشاہ ہی مقصود ہوں تو بھی بات نہیں بنتی۔ کیونکہ ان میں بھی بہت فرقے ہیں اور بنا بر حدیث ان میں بہتر ۷۲ ناری ہیں اور ایک فرقہ ناجی۔ پھر گمراہ فرقوں کی اطاعت مثل اطاعت خدا و رسول کیسے ہو جائے گی۔ پھر ایسا شخص جس کی اطاعت مثل اطاعت خدا و رسول ہو ہر زمانہ میں موجود بھی رہنا چاہیئے کیونکہ یہ حکم صرف رسول کے زمانہ والوں کے لئے ہی نہیں تھا بلکہ جب تک دنیا قائم ہے ایسے اولی الامر کا پایا جانا ضروری ہے۔

حدیث رسول ہے جو شخص ایسی حالت میں مر گیا کہ اس نے اپنے امام زمانہ کو نہ پہچانا تو وہ کفر کی موت میں مرا اور یہ ظاہر ہے کہ بادشاہ وقت کی معرفت حاصل نہ کرنے سے کوئی شخص کفر کی موت نہیں مرتا اور نہ کافر کہلایا جا سکتا ہے۔ جناب جابر بن عبد اللہ انصاری نے صراحتہً لوگوں کو بتایا کہ اولی الامر سے مراد آئمہ معصومین ہیں انہی کی اطاعت مثل اطاعت رسول سب پر فرض ہے۔ حضرات اہل سنت اولی الامر سے مراد بادشاہ وقت تو لیتے ہیں لیکن اس کی برابر میں اطاعت نہیں کرتے بلکہ اس سے بغاوت کرتے ہیں کبھی اس کو قتل بھی کر دیتے ہیں کبھی اس کو تخت سے اتار دیتے ہیں۔ کیا اطاعت مطلقہ اسی کا نام ہے۔ کیا یہ اطاعت مثل رسول کہلائے گی۔

"حقیقت یہ ہے کہ شیعوں کی ضد میں یہ غلط تاویلیں کی گئی ہیں ورنہ درایتاً یہ سب تاویلیں غلط ہیں"

(۶۸) جو رسول کا فیصلہ نہیں مانتا وہ مومن نہیں

پ ۵ النساء ع ۹ : فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینہم ثم لا یجدوا فی انفسہم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما

(اے رسول تمھارے پروردگار کی قسم سچے مومن نہ ہوں گے جب تک اپنے باہمی جھگڑوں میں تم کو اپنا حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس میں کسی طرح دل تنگ نہ ہوں بلکہ خوش خوش اس کو مان بھی لیں)

جب کسی مومن و منافق میں کسی بات پر جھگڑا ہوتا اور مومن کہتا کہ چلو رسول سے فیصلہ کرالیں تو منافق اول تو تیار نہ ہوتا اور اگر بمجبوری رسول کی خدمت میں آجاتا تو رسول کے فیصلہ پر دل تنگ ہوتا اور اس پر اپنی رضامندی کا اظہار نہ کرتا چونکہ رسول کے فیصلہ کے خلاف کوئی عمل نہیں کرسکتا تھا۔ اس لئے خاموش رہتا۔ انہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے

تفسیر برہان میں قمی سے منقول ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ ایماندار نہیں ہوسکتے جب تک آپس کے اختلافی امور میں آپ کی حکومت کو تسلیم نہ کرلیں اور علی کی ولایت کے متعلق جو کچھ فیصلہ آپ فرما چکے ہیں اس کو بدل وجان قبول نہ کرلیں اور ولایت علی کو اس طرح تسلیم کریں جو تسلیم کرنے کا حق ہے

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر ایک قوم خدا کی عبادت گزار ہو۔ نماز پڑھنے والے۔ زکوٰۃ دینے والے اور حج کرنے والے ہوں اور خدا اور رسول کے فیصلہ پر صرف یہ کہدیں کہ ایسا کیوں کیا بلکہ اس طرح کرنا چاہیئے تھا اور اپنے دلوں پر بوجھ محسوس کریں تو وہ لوگ مشرک شمار ہوں گے۔ پھر آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا۔ تسلیم کو نہ چھوڑنا۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جس طرح رسول کے فیصلے پر چون وچرا کرنا یا تنگ دل ہونا ایمان سے خارج کرنا ہے۔ اسی طرح امام کے فیصلہ کو نہ ماننا یا تنگ دل ہونا بھی ایمان سے خارج کردینا ہے ؏

Marfat.com

(۶۹) صدیق کون ہے۔

پ ۵ النساء ع ۹۔ وَمَن یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا ۝ ذٰلِکَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ وَکَفٰی بِاللّٰهِ عَلِیْمًا ۝

(جس شخص نے خدا اور رسول کی اطاعت کی تو ایسے لوگ ان مقبول بندوں کے ساتھ ہوں گے جنہیں خدا نے اپنی نعمتیں دی ہیں یعنی انبیاء، صدیقین اور شہداء و صالحین اور یہ لوگ اچھے رفیق ہیں یہ خدا کا فضل ہے خدا واقف کاری میں کافی ہے)

ایک حدیث میں ہے کہ اس آیت میں نبیین سے مراد حضرت رسول خدا ہیں صدیقین سے حضرت علی شہداء سے حسنین اور صالحین سے باقی ائمہ مراد ہیں اور یہی فرمودہ قرین قیاس بھی ہے کیونکہ نبیین سے حضرت رسول خدا کا مراد ہونا تو ظاہر ہے اب رہا صدیقین سے حضرت علی کا مراد ہونا تو یہ بھی ظاہر ہے کیونکہ اگر صدیق کے معنی تصدیق کرنے والے کے لیے جائیں۔ تو تاریخوں سے ثابت ہے کہ حضرت رسول خدا کی نبوت کی تصدیق کرنے والے سب سے پہلے حضرت علی ہیں اور اگر سچے کے معنی لیے جائیں تو بھی حضرت علی کے سوا کوئی دوسرا اس لفظ کا مصداق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حضرت کے علاوہ جن کو صدیق کہا جاتا ہے وہ بائیس سال یا اٹھائیس سال بتوں کے آگے سر جھکاتے رہے اور چونکہ کلمہ کفر جھوٹ ہے لہٰذا اس معنی میں وہ سچے نہیں کہے جا سکتے۔ برخلاف علی کے کہ آن واحد کے لیے بھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا اور کلمہ کفر کی نجاست سے اپنی زبان کو آلودہ نہیں کیا۔ اس وجہ سے حضرت علی کو کرم اللہ وجہہ کہا جاتا ہے یہ عصمت کا درجہ سوائے آپ کے دوسرے کو حاصل ہی نہیں۔ نہ کسی نے اس کا دعوٰے کیا۔

حسنین علیہم السلام کا شہداء ئے راہ خدا ہونا ظاہر ہے اور صالحین سے باقی ائمہ

Marfat.com

مراد ہوتے ہیں کوئی مسلمان شک نہیں کر سکتا۔ کیونکہ صالحین سے مراد نیکو کاروں کی کامل فرد مراد ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ہر زمانہ میں یہ حضرات آئمہ تمام خلائق سے زیادہ صلاح و تقوےٰ میں اکمل افراد تھے۔

صواعق محرقہ میں ابن حجر مکی نے لکھا ہے کہ صدیق تین ہیں :۔

۱۔ مومن آل فرعون جس نے حضرت موسیٰ کی نبوّت کی سب سے پہلے تصدیق کی۔

۲۔ دوسرے حبیب النجار جس نے حضرت عیسیٰ کی نبوّت کی تصدیق کی۔

۳۔ حضرت علی علیہ السّلام جنہوں نے سب سے پہلے نبوّت ختم الانبیاء کی تصدیق کی اور یہ پہلے دو سے افضل ہیں۔ کیونکہ حضرت علی نے جس دین کی تصدیق کی وہ سب دینوں سے افضل ہے اور جس نبی کی نبوّت کی تصدیق کی وہ تمام انبیاء سے افضل ہیں۔

تفسیر کبیر میں فخر الدین رازی نے لکھا ہے کہ نبی اور صدیق میں یہ فرق ہے کہ صدیق اگر ایک زینہ بلند ہو جائے تو نبی بن جائے۔ بیشک اگر سلسلہ نبوت آنحضرتؐ کے بعد باقی رہتا تو علی نبی ہوتے۔

اگر جہاں میں نبی بعد مصطفےٰ ہوتے قسم خدا و پیمبر کی مرتضےٰ ہوتے

آیہ زیرِ غور میں چار گروہوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین دنیا میں کوئی گھر سوائے خانہ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم ایسا نظر نہیں آتا جس میں یہ تمام اصناف جمع ہوں اس مقدس گھر میں نہ صرف نبی ہیں بلکہ سیّد الانبیاء ہیں۔ نہ صرف صدیق ہیں بلکہ افضل الصدیقین ہیں۔ نہ صرف شہید ہیں بلکہ سید الشہداء ہیں۔ نہ صرف صالح ہیں بلکہ افضل الصالحین ہیں۔ یہ بھی خصوصیت اس گھر کو حاصل ہے کہ بیک وقت تمام اصناف جمع تھے

حضرت علی علیہ السلام نے بر سر منبر فرمایا :۔ انا عبدُ اللہ انا اخو رسولِ اللہ انا الصدیق الاکبر لا یقولھا بعدی الا کاذبٌ مفتر۔

میں اللہ کا بندہ ہوں میں رسول اللہ کا بھائی ہوں میں صدیق اکبر ہوں میرے بعد صدیق ہونے کا دعوٰی کرنے والا

جھوٹا اور مفتری ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے نوع انسان کی فضیلت کے چار ہی درجے ہیں اوّل یہ کہ نبی ہو۔ دوسرے نبی کی تصدیق کرنے والا ہو۔ تیسرے راہ خدا میں شہید ہونے والا ہو۔ چوتھے مرد صالح ہو۔ یہ معمولی درجات نہیں۔ قسمت والوں ہی کے ہاتھ آتے ہیں۔ نبوت کے علاوہ اگر کسی کو یہ تین فضیلتیں حاصل ہوں تو سمجھئے کہ اس کا روحانی وقار کتنا بلند ہوگا۔ صحابہ میں اور کسی کو یہ سب درجات حاصل نہ تھے بالفرض اگر کوئی صدیق تھا تو شہید نہ تھا اگر شہید تھا تو مرد صالح کامل نہ تھا کیونکہ جتنے دن وہ بحالت کفر رہا۔ اتنے دن صلاحیت سے محروم رہا اور وہ زمانہ اس کی نیکیوں سے خالی رہا۔

اس آیت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ ان تین صنفوں کے ساتھ ہوگا جن کی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ ان پر اللہ نے اپنی نعمتیں نازل کی ہیں۔ پس اللہ اور رسول کی اطاعت میں جس مومن کا درجہ جتنا بلند ہوگا۔ اسی قدر اس کو معیت صدیقین و شہداء و صالحین کا شرف زیادہ حاصل ہوگا۔ معلوم ہوا کہ اللہ و رسول کی اطاعت کے بعد ان درجات والوں کے ساتھ رہنے کا شرف حاصل ہو جاتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اطاعت خدا و رسول کے علاوہ کچھ چیزیں ہی ایسی ہیں جو ان مراتب پر فائز کرتی ہیں۔

صدیقین، شہداء و صالحین میں بہت سے لوگ داخل ہونے کا ادّعا کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ دعویٰ صرف انہی لوگوں کا صحیح ہو سکتا ہے۔ جن پر اللہ نے اپنی نعمتیں نازل کی ہیں۔ نعمتوں سے مراد یہاں مال و دولت وغیرہ نہیں بلکہ روحانی نعمتیں ہیں۔ جیسے کمال ایمان خلوص نیت علم وحی۔ عصمت۔ یہ نعمتیں سب سے زیادہ اہل بیت رسول کے پاس ہیں۔ یہ سب نعمتیں اللہ نے اہل بیت کے سوا اور کسی کو نہیں دیں۔ ایمان ایسا کہ کل ایمان بزبان رسول کہلائے خلوص ایسا کہ فرش رسول پر بے دھڑک سو گئے۔ کسی جنگ میں فرار نہ کیا۔ علم ایسا کہ من عندہٗ علم الکتاب کا مصداق بنے۔ عصمت ایسی کہ آیت تطہیر ان کی شان میں نازل ہوئی کوئی بتلائے اب کونسی فضیلت باقی رہ گئی۔

(۷۰) رفع عیسیٰ علیہ السّلام

پ النساء ع ۱۲۱۔ وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا
قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ إِنَّمَا الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ
مِنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ
وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا۔

(یہودیوں کا کہنا تھا کہ ہم نے مسیح عیسےٰ بن مریم کو قتل کر دیا انھوں نے نہ قتل کیا نہ سولی دی بلکہ ان کو شبہ ہو گیا۔ لوگ اس بارے میں اختلاف رکھتے ہیں یقیناً وہ ان کے حالات سے دھوکہ میں پڑے ہیں ان کو اس واقعہ کی خبر ہی نہیں فقط الکل سے پیچھے پڑے ہیں اور عیسیٰ کو ان لوگوں نے یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو (آسمان پر) اٹھالیا اور بیشک اللہ عزیز و حکیم ہے)

یہودیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسےٰ کو قتل کر کے ان کے جسم کو سولی پر چڑھا دیا گیا تھا۔ عیسائی کہتے ہیں کہ جب یہودیوں کو ان کی موت کا یقین ہو گیا تو کچھ لوگوں نے رات کے وقت حضرت عیسےٰ کو سولی پر سے اتار لیا اور یہودیوں سے پوشیدہ ایک قبر میں رکھ دیا۔ تیسرے روز جب یہودیوں نے قبر کو کھودا تو وہاں کچھ بھی نہ تھا۔

یہ سب روایات بالکل غلط ہیں۔ قرآن کہتا ہے نہ تو ان کو قتل کیا گیا تھا نہ سولی دی گئی تھی بلکہ انہیں شبہ ہو گیا اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ جس گھر میں حضرت عیسےٰ تھے جب ایک یہودی ان کو پکڑنے کے لئے گھر میں گھسا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو حضرت عیسیٰ کی شکل بنا دیا اور حضرت عیسےٰ کو آسمان پر اٹھا لیا۔ یہودیوں نے عیسےٰ سمجھ کر اس شخص کو سولی پر چڑھا دیا۔

سر سید احمد خاں صاحب بھی آسمان پر حضرت عیسےٰ کے جانے کے قائل نہیں بلکہ وہ کہتے ہیں وہ اپنی موت مرے۔ رفع کے متعلق ان کا خیال ہے کہ وہ رفع روحانی تھا نہ جسمانی یعنی

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے روحانیت کے اعتبار سے بہت بلند مرتبہ بنادیا۔ مرزائی بھی حضرت عیسٰی کی موت کے قائل ہیں وہ توان کی قبر تک کشمیر میں بتاتے ہیں۔

لیکن صحیح وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اس کا ثبوت کہ وہ مرے نہیں اس آیت سے ہوتا ہے:۔ وَاِنْ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ (اور اہل کتاب قبل عیسٰے کی موت کے ان پر ایمان ضرور لائیں گے) یہاں اہل کتاب سے مراد یہودی ہیں۔ چونکہ وہ حضرت عیسٰے پر ابھی تک ایمان نہیں لائے لہٰذا حضرت عیسٰی کی موت بھی واقع نہیں ہوئی ۔ یہ بہت پختہ ثبوت حضرت عیسٰے کے اب تک زندہ رہنے کا ہے ۔ یقیناً وہ آسمان پر اٹھائے گئے حضرت حجت کے ظہور کے وقت جب آسمان سے زمین پر آئیں گے تب یہودی ان پر ایمان لائیں گے

(۱۷) اچھائی اور برائی کس کی طرف سے ہے

پ ۵ النساء ع ۸:۔ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ۔

اگر ان کو کوئی اچھائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں اللہ کی طرف سے ہے اور اگر برائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں اے رسول یہ تمہاری طرف سے ہے ۔ کہدو سب اللہ ہی کی طرف سے ہے اس قوم کو کیا ہو گیا کہ یہ بات کو نہیں سمجھتے کہ بھلائی تم کو پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی تم کو پہنچتی ہے وہ تمہارے نفس کی طرف سے ہے)

اس آیت میں مخاطبہ رسول سے ہے لیکن مراد امت سے خطاب ہے ۔

یہودی کسی وقت طعنہ زنی سے نہیں چوکتے تھے اگر کسی سال زراعت اچھی ہوتی اور

Marfat.com

کھجوریں خوب پھیلتیں تو کہتے یہ اللہ کی طرف سے ہم پر فضل ہوا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو کہتے اے رسول یہ تمہارے آنے کی نحوست ہے۔ منافقین کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی لڑائی فتح ہوتی اور مال غنیمت خوب ملتا تو کہتے یہ اللہ کی طرف سے ہے اگر شکست کے آثار نظر آنے لگتے تو کہتے تھے یہ رسول کی طرف سے مصیبت آئی ہے۔ خدا نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ بلحاظ نظام عالم ضرور خدا کی طرف سے ہے۔ تمام قوتیں اس کی پیدا کردہ ہیں لیکن بلحاظ افعال اختیاری جو مصیبتیں تم پر آتی ہیں وہ خود تمہارے کرتوت کا نتیجہ ہیں خدا کا ان سے تعلق نہیں

(۷۲) موسیٰ کلیم اللہ ہیں

پ۶ النساء ع ۲۳ ۱۲۴۔ وَکَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا۔ (اور خدا نے موسیٰ سے باتیں کیں)

اللہ کے متکلم ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ ہماری طرح کلام کرتا ہے بلکہ یہ معنی ہیں کہ وہ جس چیز میں چاہے کلام پیدا کر دے چنانچہ جب موسیٰ طور پر جاتے تو وہاں ایک درخت سے آواز سنتے جس کو حضرت موسیٰ کے سوا دوسرا نہیں سمجھ سکتا تھا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ درخت انجیر کا تھا اور بعض کے نزدیک زیتون کا۔ اس سے پہلے وادی ایمن میں بھی خدا ان سے کلام کر چکا تھا بعض کے نزدیک یہ آواز وہاں کی فضا میں پیدا ہوئی تھی۔ بعض کے نزدیک اس درخت سے جس سے آگ کے شعلے نکلتے دیکھ کر حضرت موسیٰ اس کی طرف بڑھے تھے۔

حضرت موسیٰ پہلے شخص ہیں جن سے اس طرح خدا نے کلام کیا۔ ورنہ اور انبیاء یا تو خواب میں کچھ سنتے تھے یا فرشتہ ان سے بات چیت کرتا تھا۔ جیسے حضرت ابراہیم نے اور حضرت لوط نے فرشتوں سے بات چیت کی یا حضرات انبیاء کو القاء ہوتا تھا۔

آخری نبی جن سے خدا نے کلام کیا حضرت خاتم الانبیاء ہیں جن سے شب معراج خدا نے باتیں کیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ وہاں اللہ تعالیٰ نے کس چیز میں آواز پیدا کی۔ آنحضرت

عالم امکان کی آخری حد پر تھے۔ جہاں فرشتہ کی بھی رسائی نہ تھی نہ کوئی درخت تھا نہ در و دیوار نہ آدم نہ آدم زاد۔ پھر یہ آواز کہاں سے آئی۔ ماننا پڑے گا کہ علی کے لہجے میں خدا نے بات چیت کی۔ کیونکہ یہ آواز رسول کو سب سے زیادہ پسند تھی۔ سوال یہ ہے کہ علی وہاں کہاں تھے جن کے لہجے میں بات ہوئی کیا وہ ایک تمثالی وجود سے آواز نکالنے پر قدرت نہیں رکھتا تھا آیہ فاوحی الی عبدہ ما اوحیٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ بات چیت ضرور ہوئی اور ایسی خفیہ ہوئی کہ معراج سے واپس آکر حضور نے کسی کو بتایا ہی نہیں اگر اس کا تعلق احکام عبادت وغیرہ سے ہوتا تو آپ ضرور بتاتے۔ ضرور کوئی ایسا راز تھا جس کے قبل از وقت بتانے سے فساد کا اندیشہ تھا لہذا بلغ ما انزل۔ کی تبلیغ بر محل کی گئی۔

---

(۳۷) کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہونے کے معنی

پ النساء ع ۲۳ ۔ اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَکَلِمَتُہٗ اَلْقٰھَا اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْہُ

(عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول ہیں اور اس کا کلمہ ہیں جو مریم کے پاس بھیجا اور اس کی روح ہیں) کلمہ کے معنی حکم ہیں یعنی خدا نے اپنا ایک حکم فرشتہ کے ذریعہ سے مریم کے پاس بھیجا (کہ حاملہ ہو جا) اور عیسیٰ خدا کی طرف سے ایک جان تھے) یا یہ کہ خدا کی طرف سے روح بنوتی لے کر آتے تھے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے ایک خاص قوت لے کر آئے تھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان میں قوت نور اس حد تک پیدا کی تھی کہ وہ اگر مردہ اجسام کو ٹھوکر مار دیتے یا چھو لیتے تو ان کا نور اس جسم مردہ میں داخل ہو کر اس کو زندہ کر دیتا۔ لیکن یہ زندہ ایسے اجسام کو کہا جاتا تھا جن میں روح یا برقی قوت دور پہلے رہ چکی تھی لیکن ہمارے رسول جمادات میں جو بے جان ہیں جان ڈال کر اپنے دست مبارک پر تسبیح پڑھوا دیتے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے حضور

کے جسم اقدس میں کتنی نورانیت تھی آپ کے ہر حصہ بدن میں وہی نورانیت تھی جو آنکھ کی پتلی میں ہوتی ہے۔ جب ہی تو آپ جیسے آگے سے دیکھتے تھے ویسے ہی پیچھے سے دیکھتے تھے
عیسائیوں کا کلمۃ اللہ اور روح اللہ سے یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ خدا کے بیٹے تھے دیوانگی ہے کیونکہ وہ مریم کے بیٹے تھے نہ کہ خدا کے۔ اسی لئے قرآن میں جابجا ان کی ماں کا نام ذکر کیا گیا ہے اور عیسیٰ بن مریم کہا گیا ہے۔ ان کا ماں کے بطن سے پیدا ہونا اس کی دلیل ہے کہ وہ حادث تھے واجب نہ تھے۔ ممکن تھے قدیم نہ تھے۔ جو چیز پیدا ہو وہ ضرور نیست سے ہست ہوگی اور جو ایسا ہو وہ خدا کہلانے کی قابل نہیں۔

---

(۴) اکمال دین و اتمام نعمت

پ المائدہ ع ۱۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا

(آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت کو تم پر تمام کر دیا اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا)

یہ آیت قرآن مجید کی آخری آیت ہے جو غدیر خم میں امیر المومنین علیہ السلام کی خلافت کے اعلان کے بعد نازل ہوئی لیکن جامع قرآن نے تعصب یا سیاسی مصالح کی بنا پر اس کو سورۃ مائدہ میں لا ڈالا ہے اور اوسان ایسے خطا تھے کہ اس مقام پر رکھا جہاں کسی طرح جوڑ بیٹھتا ہی نہیں اول میں جانوروں کے حلال و حرام کا ذکر ہے اور بعد میں بھی یہی سلسلہ ہے۔ بھلا اکمال دین اور اتمام نعمت کو اس ذکر سے کیا تعلق؟ ایسے بے جوڑ اور بے ربط کلام تو معمولی قابلیت کے انسان مصنفوں سے بھی سرزد نہیں ہوتا خدا کا تو ذکر ہی کیا۔
خدا کی قدرت دیکھو جہاں کہیں فضائل اہل بیت کے متعلق کسی آیت کو اس کے صحیح مقام سے ہٹایا ہے اس کا جوڑ صحیح بیٹھا ہی نہیں۔ آیت تطہیر میں دیکھو کسی بے تک جگہ

Marfat.com

جگہ میں لاکر رکھا ہے اور وہ بھی نساء نبی کو سرزنش میں اور آخر میں بھی اس کے بیچ میں آیت تطہیر بے جوڑ بے ربط۔

مشہور واقعہ یہ ہے کہ جب غدیر خم میں حضرت رسول خدا نے علی کی خلافت کا اعلان کیا اور فرمایا:۔ من کنتُ مولاہ فھذا علیٌ مولاہ تو اس واقعہ کے بعد جبریل امین آیہ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ لے کر نازل ہوئے جس سے ثابت ہوا کہ بغیر تقرر خلیفہ و جانشین دین کامل نہیں ہو سکتا کیونکہ جس دین کی بقاء کا آئندہ کے لئے کوئی بندوبست نہ ہو وہ ناقص ہی کہلائے گا اور چند روز بعد ختم ہو جائے گا کیونکہ جب صحیح طور سے تبلیغ کرنے والا نہ ہو تو لوگوں کے دل میں شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں اور اس بنا پر اس دین سے ان کو نفرت ہو جاتی ہے۔

جو لوگ خلافت علی کو پسند نہ کرتے تھے اور اس کو ناحق سمجھتے تھے یہ اعلان ان کو پسند نہ آیا اور اس واقعہ کی اہمیت کو کم کرنے کے لئے مولا کے معنی دوست اور ناصر کے وضع کئے اور اولیٰ بالتصرف کے معنی کو بے محل بتانے کی کوشش کی لیکن ان ناروا تدبیروں سے جو امر حق تھا وہ کہاں تک چھپ سکتا تھا۔

کوئی ان صاحبان عقل سے پوچھے کہ اگر خلافت علی کے اعلان کے بعد دین کامل نہیں ہوا۔ تو بتاؤ غدیر خم میں وہ کیا واقعہ پیش آیا جس سے دین کو کمال حاصل ہوا۔ الیوم (آج) کا لفظ بتاتا ہے کہ پہلے جو کچھ ہوا تھا وہ کمال دین کے لئے کافی نہ تھا اس میں ضرور کچھ کمی رہ گئی تھی جسے آج پورا کر کے کامل کر دیا گیا۔ سوائے اعلان خلافت اور کوئی امر ایسا نہ تھا۔ جسے حضرت اپنی امت تک نہ پہنچا چکے ہوں۔ قرآن میں جتنے احکام ہیں۔ وہ سب حضور نے ایک ایک کر کے امت کو پہنچا دیئے۔ اس واقعہ کے بعد پھر کوئی نیا حکم آیا ہی نہیں اگر دین سابقہ تمام احکام سے کامل ہو گیا تھا تو پھر کیا معنی ہیں یہ کہنے کے کہ آج دین کامل ہو گیا اور وہ کونسی نعمت تھی جو اب تک مسلمانوں کو نہیں ملی تھی اور آج مل گئی۔ سوائے اعلان خلافت رسول اللہؐ نے اور کسی نعمت کا ذکر ہی نہیں کیا۔

Marfat.com

اگر کہا جائے کہ جانوروں کی حلت و حرمت کا ذکر جو اس آیت سے پہلے ہے اس کے جاننے کے بعد دین کامل ہوا تو ہم پوچھتے ہیں کہ غدیر خم کے واقعہ کے بعد حضور چند روز زندہ رہے کیا اب تک انہیں پتہ نہ تھا کہ مردہ خون اور لحم خنزیر حرام ہے کیا اب تک انہیں یہ بتایا ہی نہیں گیا تھا کہ خدا کے سوا اگر کسی دوسرے کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو وہ حرام ہے۔ اس طرح اس سلسلے میں جو اور جانوروں کے حرام ہونے کا ذکر ہے۔ کیا مسلمان قطعاً ان سے واقف نہ تھے تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ مسلمان آنحضرت کی زندگی کے آخری دور تک حرام گوشت کھاتے رہے معلوم ہوتا ہے آیہ اکملت لکم دینکم سے اوپر کی اور اس کے نیچے کی آیات کہیں اور کی ہیں یہاں کی نہیں حلال و حرام جانوروں کے احکام تو آغاز رسالت میں ہونے چاہئیں نہ کہ رسالت کا دور ختم ہونے تک

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آیہ اکملت لکم دینکم غدیر خم میں نازل نہیں ہوئی۔ کیونکہ اگر اس سے پہلے کسی اور مقام کسی اور موقع پر نازل ہوئی تھی تو الیوم کا مطلب یہ ہوا کہ اس دن دین تمام ہوا لہٰذا بتایا جائے کہ اگر غدیر خم میں نہیں تو پھر کس جگہ دین تمام ہوا تھا اور کس وجہ سے ہوا تھا اگر اعلان خلافت علی سے پہلے دین کامل ہو چکا تھا تو حضور نے اس کا اعلان حج آخر کے وقت مکہ میں کیوں نہ فرما دیا تاکہ سب مسلمان سن لیتے اس کو کیوں اٹھا رکھا ایک ایسے وقت کے لئے جو حد درجہ گرم تھا اور ایسے مقام کے لئے جو قافلوں کی منزل نہ تھی اور ایک ویران و سنسان خار زار زمین تھی کوئی سایہ دار درخت نہ تھا پھر مسلمانوں کو روک کر اور حی علی خیر العمل کی ندا کرا کے کیوں روکا یہ ضرور اس کی دلیل ہے کہ کوئی امر اہم باقی رہ گیا تھا جس کے بغیر تکمیل دین نہیں ہو سکتی تھی۔

تفسیر در منثور میں اس آیت کی شان نزول غدیر خم میں خلافت امیر المومنین کے متعلق ہی لکھی ہے۔ لہٰذا اس آیت کو آخر میں ہونا چاہیئے لیکن آخر میں رکھا جاتا تو معاملہ خراب ہو جاتا اور پتہ چلانے والے سب کچھ معلوم کر لیتے۔

Marfat.com

(۷۵) وضو

پ۶ المائدہ ع ۱۲۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ۔

(اے ایمان والو جب تم نماز کے لیے آمادہ ہو تو اپنے منہ اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولیا کرو اور اپنے سروں کا اور گٹے تک پیروں کا مسح کر لیا کرو)

ہمارے اور اہلسنت کے وضو میں فرق ہے۔

(۱) وہ منہ دونوں ہاتھوں میں پانی لے کر دھوتے ہیں ہم صرف داہنے ہاتھ میں پانی لے کر منہ پر ڈالتے ہیں اور دھوتے ہیں۔ منہ کوئی اتنا بڑا رقبہ نہیں کہ دونو ہاتھوں سے دھویا جائے۔

(۲) ہم کہنیوں سے ہاتھوں کے آخر تک دھوتے ہیں وہ الٹا کرتے ہیں یعنی ہاتھوں سے دھوتے ہوئے کہنیوں تک لے جاتے ہیں۔ اِلَی الْمَرَافِقِ میں اِلیٰ بمعنی مع کے لیتے ہیں لیکن ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ (روزہ کو تمام کرو شروع رات تک) یہاں رات داخل ہی نہیں ہونے پاتی کہ افطار کر لیتے ہیں۔ اس آیت میں الیٰ کے معنی آغاز کے لیتے ہیں اور آیہ وضو کے آخر میں یہ عجیب بات ہے

(۳) ہم پیروں کا مسح کرتے ہیں وہ پیروں کو دھوتے ہیں حالانکہ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ میں سر اور پیر ایک ہی حکم میں ہیں یعنی ایک ہی فعل وامسحوا کے تحت میں دونوں ہیں پھر کیا وجہ پیروں کو فاغسلوا سے متعلق کیا جائے جو دور ہے اور چھوڑ دیا جائے امسحوا کو جو قریب ہے۔

شریعت نے نماز سے پہلے وضو اس لئے رکھا ہے کہ ایک تو ظاہر اعضاء صاف ستھرے ہو جاتے ہیں دوسرے یہ اعضاء دھونے کلی کرنے اور ناک میں پانی دینے سے بدن میں تازگی آجاتی ہے وضو صرف اسلام سے مخصوص ہے اور کسی دین میں یہ طریقہ نہیں اگر کوئی یہ کہے کہ جب منہ دھونے اور ہاتھ دھونے سے صفائی اور تازگی پیدا ہوتی ہے تو

تو پیر کیوں نہیں دھوئے جاتے تاکہ وہ بھی صاف ہو جائیں اور گندگی دور ہو جائے۔ جواب یہ ہے کہ پیر اگر گندے ہوں تو انہیں پہلے دھولینا چاہیئے۔ گندے پیر پر کیوں مسح کیا جائے۔ اگر ٹھنڈک پہنچانی ہے تو مسح کے بعد دھولینا چاہیئے۔

غالباً وضو میں پیروں کا دھونا اس لئے نہیں رکھا گیا کہ اکثر مقامات پر پانی کم ہوتا ہے۔ بالخصوص عرب میں ایک گلاس پانی چار آنہ کو ملتا ہے اگر پیروں کا دھونا واجب کیا جاتا تو زیادہ پانی کی ضرورت ہوتی نہ ملتا تو وضو ناقص رہ جاتا۔ لہٰذا سہولت کے لئے قدرت نے پیروں کو دھونا واجب نہیں کیا۔ جہاں پانی کی افراط ہے۔ وہاں پر قیاس ان مقامات کا نہ کیجئے جہاں پانی نہیں ملتا۔ شریف حیدر انجینئر نے لکھا ہے کہ جس زمانہ میں ممباسہ ریل نکل رہی تھی۔ میں وہاں بہ حیثیت انجینئر کام کر رہا تھا۔ وہاں پانی کا ایسا توڑا تھا کہ بسا اوقات پینے کو نہ ملتا تھا جب نماز کا وقت آتا تھا۔ تو بمشکل اتنا پانی دستیاب ہوتا تھا کہ بغیر پیر دھوئے وضو کر لیں۔ وہاں دو باتیں میری سمجھ میں آئیں ایک تو دونو نمازیں ایک ساتھ پڑھ لینے کا حکم دوسرے وضو میں پیر دھونا واجب نہ ہونا چنانچہ میں ایک ہی وضو میں دونو نمازیں پڑھ لیتا تھا۔

---

(۷۶) نوُر اور کتاب مبین

پ۶ المائدہ ع ۳۔ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝

(تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا ہے اور کتاب مبین)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی ہدایت کے لئے دو چیزیں بھیجی ہیں۔ ایک نور ایک کتاب مبین۔ اگر صرف کتاب خدا کافی ہوتی تو نور کو اس کے ساتھ کیوں رکھا جاتا۔ چونکہ حکم قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے ہے لہٰذا ہر زمانہ میں دو ہادی ہونے ضروری ہیں مطلب یہ ہے کہ کتاب خدا کو مسلمان روشنی میں پڑھیں تاریکی میں نہیں یہ روشنی ہر زمانہ میں ہونی چاہیئے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ نور سے مراد وجود پرنور سرور کائنات ہے پس حضرت کے بعد کتاب کے ساتھ کونسا نور ہوگا۔ اگر صرف قرآن ہی رہے گا اور نور مفقود ہو جائے گا تو بعد والے لوگ یہ شکایت کریں گے۔ حضور کے زمانہ میں مسلمانوں کی ہدایت کے لئے دو ہادی تھے اگر قرآن ان کی سمجھ میں نہ آتا۔ تھا تو حضور سے دریافت کر لیتے تھے۔ لیکن ہمارے لئے تو ایک ہی ہادی رہا اور وہ بھی ساکت و صامت ہے جو ہماری کسی غلطی پر ہم کو آگاہ نہیں کر سکتا اور نہ کسی مسئلہ میں راہ عمل بتاتا ہے۔ اسلام میں تہتر فرقے ہیں ہم عمل میں کس کی پیروی کریں اور قرآن کے معانی کس سے سمجھیں۔ حضور سرور انبیاء نے اس شکایت کو دور کرنے کے لئے مذکورہ بالا آیت کے مضمون کو حدیث ثقلین میں زیادہ وضاحت سے بیان فرمادیا۔ یعنی میں دو گرانقدر چیزیں تم میں چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب دوسرے میرے اہل بیت۔ اگر تم ان دونوں سے تمسک رکھو گے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور یہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچ جائیں۔

خدا نے جس کو نور کہا ہے رسول نے اس کا مفہوم اہل بیت سے ادا کر دیا ہے چونکہ یہ حدیث قرآن کے مطابق ہے لہذا کوئی اس کی صداقت سے انکار نہیں کر سکتا جن لوگوں نے اہلبیت کو چھوڑ دیا اور صرف کتاب خدا کو کافی سمجھا انہوں نے صراحتہً حکم رسول کی خلاف ورزی کی

(۷۷) زمانہ فترت

پ۶ المائدہ ع ۱۳۔ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَىٰ فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ أَن تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِن بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ فَقَدْ جَاءَكُم بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔

(اے اہل کتاب جب پیغمبروں کی آمد میں رکاوٹ پیدا ہوئی تو ہمارا رسول تمہارے

Marfat.com

پاس آیا جو احکام خدا کو صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ تم کہیں یہ نہ کہہ بیٹھو کہ ہمارے پاس تو کوئی خوشخبری دینے والا یا ڈرانے والا پیغمبر آیا ہی نہیں (تو اب تو نہیں کہہ سکتے کیونکہ) تمہارے پاس وہ پیغمبر آیا ہے جو بشیر و نذیر ہے اور اللہ ہر شے پر قادر ہے)

بنی اسرائیل میں متواتر نبی مبعوث ہوتے رہے۔ حضرت عیسٰی کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہوگیا اس انقطاع نبوت کے زمانہ کو زمانۂ فترت کہتے ہیں۔ حضرت عیسٰی اور آنحضرت کے درمیان ۵۶۹ سال شمسی کا فاصلہ ہے۔

مفسرین کا بیان ہے کہ فترت سے یہ مراد ہے کہ حضرت عیسٰی کے بعد چار نبی مبعوث ہوئے کہ ان کا زمانہ ۱۳۴ برس کا ہے اس کے بعد فترت کا زمانہ ہے ان چار نبیوں کے نام یہ ہیں یونس۔ یحییٰ۔ شمعون الصفا۔ خالد بن سنان عبسی۔ لوامع التنزیل اور تفسیر صافی میں اکمال صدوق علیہ الرحمۃ سے منقول ہے کہ فترت سے مراد یہ ہے کہ کوئی نبی یا وصی اس زمانہ میں ظاہر یا مشہور نہ تھا۔ آنحضرتؐ اور عیسیٰؑ کے درمیان جو نبی گزرے ہیں۔ وہ مخفی رہ کر تبلیغ کرتے رہے۔ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ زمین حجت خدا سے خالی نہیں رہ سکتی۔ چاہے وہ حجت ظاہر و مشہور ہو یا خائف و غائب۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے اگر روئے زمین پر دو شخص بھی رہ جائیں تو ایک ان میں سے حجت ہوگا (کافی) پس معلوم ہوا کہ زمانہ فترت میں جو اوصیائے انبیاء تھے وہ خفیہ تبلیغ کرتے تھے۔

---

(۷۸) وادی تیہ

پ المائدہ ع ۴۔ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ۔

خدا نے فرمایا (اچھا) تو ان کی سزا یہ ہے کہ چالیس برس تک یہ لوگ تیہ (مصر کے جنگلوں) میں سرگرداں رہیں گے)

Marfat.com

بنی اسرائیل بڑی سرکش قوم تھی بات بات پر حضرت موسیٰ کی مخالفت کرتے تھے اور لڑنے مرنے پر تیار ہوجاتے تھے۔ جب قوم عمالقہ سے لڑنے کے لئے حضرت موسیٰ نے کہا تو اکڑ گئے کہ ہم تو ان سے لڑنے نہیں جائیں گے۔ یہ بڑے طاقت ور اور سرکش لوگ ہیں۔ آپ اور آپ کا رب جاکر ان سے لڑیں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ غرض اس نافرمانی کی سزا میں چالیس سال وادی تیہ میں محبوس رکھے گئے۔ جہاں سے چلتے تھے وہیں آجاتے تھے۔ حالانکہ وادی کا رقبہ کل پندرہ میل تھا۔ یہیں حضرت موسیٰ کا انتقال ہوا۔ یہیں بنی اسرائیل کے لئے من وسلویٰ اترا تھا۔

(۷۹) عوج بن عوق

پ المائدہ ع ۳، فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيْلِ ط

(پھر اس کے بعد تم ہی میں سے جو شخص اس کے بعد کفر کرے وہ راہ راست سے بھٹک گیا)

مولانا فرمان علی صاحب مرحوم نے اپنے مترجمہ قرآن پر حسب ذیل حاشیہ لکھا ہے:۔

جب فرعون ڈوب گیا اور بنی اسرائیل کو مصر کی سلطنت ملی تو حکم ہوا ارض مقدس میں قوم عمالقہ سے لڑو تم کو ایسے ہزار شہر مل جائیں گے کہ ہر ایک میں ایک ایک ہزار باغات ہیں۔ غرض حضرت موسیٰ نے بارہ قبیلوں میں سے ہر ایک قبیلہ کا ایک ایک سردار بنا کر کوچ کیا۔ وہ بارہ سردار عمالقہ کی تلاش میں جا رہے تھے کہ ان میں سے ہر ایک کی عوج بن عوق سے ملاقات ہوئی جس کا قد تین ہزار تین سو گز تھا اور ہر ایک تین لاکھ ۳۳ ہزار اور ۳۳ گز کا تھا اور ابر سے بھی اس کا سر دینہ باہر نکلا رہتا تھا۔ ابر سے پانی نچوڑ کر پانی استعمال کرتا تھا۔ سمندر سے مچھلی نکال کر آفتاب سے بھون لیتا۔ طوفان نوح کا پانی جو پہاڑوں سے بھی چار سو گز اونچا تھا اس کی پنڈلی تک آیا تھا اور اس کی عمر تین ہزار برس تھی۔ غرض اس نے جب ان لوگوں کو دیکھا۔ جنہیں حضرت موسےٰ نے عمالقہ کی تلاش میں بھیجا تھا تو باوجودیکہ یہ لوگ بھی چالیس گز کے تھے اسے ان کی پست قدی

Marfat.com

پر سخت تعجب ہوا اور اس نے ان لوگوں کو اپنے دامن میں رکھ کر کمر میں باندھ لیا اور اپنی ماں کے سامنے لا کر ڈال دیا۔ جس کا نام عوق تھا اور اس کی ایک ایک انگلی تیس تیس گز لمبی تھی اور کہنے لگا اماں دیکھو یہ لوگ مجھ سے لڑنے آئے ہیں۔ ماں نے کہا ان کو مارو نہیں بلکہ چھوڑ دو تاکہ سارا حال اپنے لشکر والوں سے بیان کریں اور وہ الٹے پاؤں پھر جائیں۔ جب یہ لوگ باغ میں گئے تو ایک ایک انار اتنا بڑا دیکھا کہ اس کے چھلکے میں پچاس آدمی سما سکیں۔

خلاصہ یہ کہ یہ لوگ حضرت موسیٰ کے پاس آئے اور یہ حال بیان کیا۔ حضرت موسیٰ نے ان کو لڑنے کی ترغیب دی اور لشکر لے کر پہنچ گئے تو پہاڑ کا ایک ٹکڑا سر پر رکھ کر ان کو تباہ کرنے کے ارادے سے چلا۔ خدا کی شان ایک جانور نے ہیرے کے ٹکڑے سے اس پتھر میں سوراخ کر دیا۔ جس سے وہ پتھر اس کے گلے میں طوق ہو گیا اور کسی طرح نہ نکل سکا۔ حضرت موسےٰ یہ دیکھ کر جوش میں بڑھے اور اچھل کر ایک عصا مارا اور باوجودیکہ حضرت موسےٰ خود چالیس گز کے تھے اور چالیس گز اچھلے اور عصا بھی چالیس گز کا (یعنی سب مل کر ۱۲۰ گز) اس پر بھی اس کے ٹخنے تک پہنچے غرض وہ گرا اور بنی اسرائیل نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ نے ہر چند ہمت دلائی مگر بنی اسرائیل آگے نہ بڑھے۔ ایک روایت میں ہے کہ تین ہزار برس تک دریائے نیل پر اس کے پاؤں کی ہڈی کا پل بنا رہا۔

میں عرض کرتا ہوں کہ اگر مولانا مرحوم قرآن جیسی مقدس کتاب کے حاشیے پر یہ روایت نہ لکھتے تو اچھا ہوتا۔ روایت کیا ہے طلسم ہوش ربا یا داستان امیر حمزہ کا ایک افسانہ معلوم ہوتا ہے۔ شروع سے آخر تک اس روایت کی ساری چولیں ڈھیلی ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا یہ مخلوق کہاں بستی تھی یہ لوگ دیو تھے جن تھے یا بھوت تھے آخر کیا بلا تھے جن کے قد تین ہزار گز یا ہر دا ہنے تین لاکھ تینتیس ہزار گز لمبے ہوں گے۔ جن کی انگلیاں تیس تیس گز کی ہوں آخر یہ رہتے کہاں تھے۔ جن کے قد تین ہزار گز بلند ہوں ان کے مکان تو یقیناً ۲۰ ہزار گز بلند ہوں گے۔ آفتاب سے مچھلی کا بھون لینا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ تین ہزار گز کی بلندی پر ایسا سخت آتش فشاں ہو جاتا ہے

کہ اس کی گرمی سے مچھلی بھون لی جائے۔ ہوائی جہازوں نے تو یہ بات نہیں بتائی۔ پھر بادل نچوڑ کر پانی پینا کیسی مضحکہ خیز بات ہے کیا بادل کوئی کپڑا تھا۔ سب سے عجیب بات یہ ہے کہ عوج کے پاؤں کی ہڈی کا دریائے نیل پر پل بنا دیا گیا۔ اگر دریائے نیل کا پاٹ کم سے کم ایک میل چوڑا بھی مان لیا جائے تو یہ پیر کتنا بڑا ہوگا۔ جس کی ہڈی انگلیوں کے علاوہ اتنی لمبی ہوگی۔ پھر کس قدر صداقت ہے راوی کے اس کلام میں کہ یہ پل تین ہزار برس تک بنا رہا اور گاڑیاں، گھوڑے آدمی اور جانور سب چلتے رہے اس مدت دراز میں اگر فولاد کا پل بھی ہوتا تو ٹوٹ پھوٹ جاتا مگر عوج کے پاؤں کی ہڈی خدا جانے کس دھات کی بنی ہوئی تھی کہ تین ہزار برس اپنے مقام پر جمی رہی پھر خدا جانے اس کا کیا حشر ہوا۔ پھر انار اتنا بڑا کہ پچاس آدمی اس کے اندر سما جائیں خدا جانے یہ باغ کہاں تھا۔ ہمارے مفسروں اور مترجموں نے خدا جانے اتنی بے احتیاطی کیوں اختیار کی ہے کہ جو روایت جہاں سے ملتی ہے بغیر تحقیق و تنقید لکھ دیتے ہیں۔ روایت کے مقابلے میں درایت سے کام لینا گناہ سمجھتے ہیں۔ راوی کو کم از کم اتنا تو غور کر لینا چاہیئے تھا کہ ایسی قوم سے لڑنے کے لئے جس کا ایک فرد عوج تھا۔ موسیٰ اپنی قوم کو لڑنے کی ترغیب کیوں دے رہے تھے۔ آدمی کا مقابلہ آدمی سے ہوتا ہے نہ کہ ایسی عجیب المخلوقات سے جو انسانی صفات سے کوسوں دور ہو یہی قوم عمالقہ تھی جس کا ایک فرد جالوت تھا جس سے طالوت لڑے اور حضرت داؤد نے اسے قتل کر دیا۔ لیکن جالوت کے متعلق یہ محیر العقول واقعات کسی نے نہیں لکھے۔ یہ ضرور ہے کہ وہ قوم طاقت ور بھی تھی دراز قد بھی تھی مگر نہ اتنی۔ حضرت موسیٰ کا چالیس گز کا قد بھی کچھ تعجب خیز بات نہیں

(۸۰) ہابیل و قابیل

پ ۶ المائدہ ع ۵ :۔ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۔

(اے رسول) آدم کے دونوں بیٹوں (ہابیل و قابیل) کا قصہ بیان کر جب ان دونوں نے خدا

کی بارگاہ میں نیاز میں چڑھائیں تو ان میں سے ایک (ہابیل) کی نذر تو قبول ہوئی اور دوسرے قابیل کی نذر قبول نہ ہوئی (تو مارے حسد کے ہابیل سے) کہنے لگا میں تجھے ضرور مار ڈالوں گا اس نے جواب دیا (بھائی اس امر میں میرا کیا بس ہے) خدا تو صرف پرہیزگاروں کی نذر ہی قبول کرتا ہے)

اس واقعہ میں چند باتیں قابل غور ہیں :۔

(۱) دنیا میں سب سے پہلے حسد کرنے والا قابیل تھا چونکہ حضرت آدم کی زیادہ توجہ ہابیل کی طرف تھی اس لئے کہ یہ خیر پسند اور نکوکار تھا اور شاید اسی کو اپنا جانشین بنانا چاہتے ہوں گے یہ خلافت ہے جھگڑے کی چیز۔ جب عالم بالا میں تھے تو ملائکہ سے جھگڑا ہو گیا۔ زمین پر آئے تو قابیل جل مرا۔

(۲) قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا یعنی جب وہ سو رہے تھے ظالم قابیل نے ان کا سر پتھر سے کچل دیا۔ یہ انسان کا پہلا خون تھا جو زمین نے چوسا۔

(۳) قابیل کو یہ فکر ہوئی کہ لاش کو کہیں چھپا دے تاکہ ماں باپ کا پتہ نہ چلے مگر کوئی تدبیر بن نہ آئی آخر ایک کوّے کو دیکھا کہ وہ ایک مُردہ کوّے کے لئے اپنی چونچ سے زمین کھود رہا ہے تاکہ اسے دفن کر دے۔ قابیل نے اس سے سبق لیا۔ اگر خدا کو مُردوں کا دفن ہونا پسند نہ ہوتا تو کوّے کو قابیل کی ہدایت کے لئے کیوں بھیجتا۔ مُردوں کو جلانے والے اس واقعہ سے سبق لیں۔

(۴) کوّا سب سے پہلا وہ جانور ہے جس نے انسان کو دفن کرنے کا طریقہ بتایا۔

(۵) قابیل دیوانہ ہو گیا۔ جنگلوں میں مارا مارا پھرتا تھا آخر اسی حالت میں مر گیا۔ بے جرم و خطا کسی کو قتل کرنے کی بسا اوقات ایسی ہی سزا ملتی ہے قاتل کا ضمیر اس کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتا اور یہ کہ قاتل چھپتا نہیں یہ قدرت کا قانون ہے۔

Marfat.com

(۸۱) وسیلہ تلاش کرنے کا حکم

پ المائدہ ع ۱۵۔ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ۔

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور (اس کے) تقرب کے ذریعہ کی جستجو میں رہو)

حدیث میں ہے کہ ذریعہ سے مراد آئمہ اہل بیت ہیں جن کے ذریعہ سے تقرب ایزدی حاصل کرنے کی کوشش کرو کیونکہ یہ مقربان بارگاہ الٰہی ہیں ان سب باتوں سے واقف ہیں جو خدا کو بندوں سے قریب کرنے والی ہیں جب تک آئمہ اہل بیت کو وسیلہ نہ بنایا جائے گا اور ان کی محبت کو دل میں جگہ نہ دی جائے گی ہرگز تقرب ایزدی حاصل نہ ہوگا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اجر رسالت ذوی القربیٰ کی محبت کو قرار دیا ہے۔

---

(۸۲) چور کی سزا

پ المائدہ ع ۶: اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَھُمَا جَزَآءً بِمَا کَسَبَا نَکَالًا مِّنَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ۔

چور خواہ مرد ہو یا عورت تم ان کے کرتوت کی سزا میں ان کا (داہنا) ہاتھ کاٹ ڈالو یہ ان کی سزا قدرت کی طرف سے ہے اور خدا بڑا زبردست حکمت والا ہے)

مسئلہ یہ ہے کہ چوتھائی دینار سے کم کی چوری ہو تو حسب تجویز حاکم شریعت کوئی دوسری سزا ہوگی اور اگر اس سے زیادہ ہو تو داہنے ہاتھ کی انگلیاں کاٹی جائیں گی تاکہ وہ چوری کے قابل نہ رہے اور ہتھیلی اس لئے باقی رکھی جائے کہ وہ وضو کر سکے۔

دنیوی قانون میں خواہ وہ کسی ملک کا ہو۔ چوروں کی سزا جیل میں بھیج دینا ہے لیکن اس سے چوری کا انسداد نہیں ہوتا بلکہ جتنی بار چور جیل میں زیادہ جاتا ہے اتنا زیادہ وہ چوری کا

Marfat.com

عادی بن جاتا ہے اگر ہر ملک والے اسلامی سزا کو اپنا لیں تو پھر چور اوّل تو چوری کے قابل نہ
گا نہیں اگر رہے گا بھی تو لوگ اس کی انگلیاں کٹی ہوئی دیکھ کر پہچان لیں گے کہ یہ چوری میں سزا یافتہ
ہے قابلِ اعتماد نہیں اسے کوئی مالی خدمت سپرد نہ کی جائے گی۔

(۸۳) نُور

پ۶ المائدہ ع ۷: اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ۔

(ہم نے توریت نازل کی جس میں لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور نور بھی ہے)

اور اسی رکوع میں ہے: وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ (ہم نے (عیسیٰ) کو انجیل عطا کی جس میں ہدایت اور نور ہے)

عام طور پر ہر وہ چیز نورانی سمجھی جاتی ہے جس میں چمک اور روشنی ہو لیکن یہ نور کی ظاہری صورت ہے ایک صورت اس کی باطنی بھی ہے۔ جس طرح آفتاب و ماہتاب، چراغ، بجلی بلب تاریکی کو دور کر دیتے ہیں اور ہر مادی چیز صاف نظر آتی ہے اس طرح باطنی ظلمت بھی دور کرنے والی چیزیں ہیں۔ توریت۔ انجیل اور قرآن اسی معنی میں نور ہیں کہ وہ کفر و شرک ضلالت کی تاریکی کو دور کر دیتے ہیں حدیث میں ہے: العلم نور یقذفہ اللہ فی قلب من یشاء (علم نور ہے اور جس کے دل میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے) ظاہر ہے کہ انسان کے دل سے علم حاصل کرنے کے بعد جہالت کی تاریکی دور ہو جاتی ہے۔

نور کے معنی ایک مخصوص قوت کے بھی ہیں جو مادی قوت سے ایک علیحدہ چیز ہے خدا نے سب سے پہلے ہمارے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ کا نور خلق فرمایا۔ جیسا کہ حضور نے فرمایا ہے اوّل ما خلق اللہ نوری اس نور سے کائنات کو خلق ہوئی۔ یعنی اللہ نے ایک قوت پیدا کی یا یوں کہیئے اللہ تعالیٰ نے تمام قوتوں کا خواہ وہ سماوی ہوں یا ارضی ایک پاور ہاؤس بلا تشبیہ پیدا کیا اور اس سے تمام مخلوق کو پیدا کیا۔ اس کو ایک مثال سے سمجھیئے۔

Marfat.com

بجلی کا ایک پاور ہاؤس ہوتا ہے جہاں سے برقی رو چلتی ہے کہیں تو وہ بلب روشن کرتی ہے کہیں انجن چلاتی ہے کہیں پنکھے گھماتی ہے کہیں ریڈیو میں آواز پیدا کرتی ہے کہیں ٹیلی ویژن میں تصویر دکھاتی ہے کبھی ایٹم بم بن جاتی ہے۔ اگر یہ قوت نہ ہو تو کارخانہ عالم میں تاریکی پھیل جائے اور تمام کاروبار معطل ہو جائیں۔

بلاشبہ اسی طرح پہلے نور محمدی کو پیدا کیا گیا اس کے بعد اس قوت سے تمام چیزیں خلق ہوئیں۔ حدیث قدسی ہے : لولاك لما خلقت الافلاك اے رسول اگر تم نہ ہوتے تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا۔ پس افلاک سب سے پہلے پیدا ہوئے اور انہی کی گردش سے تمام کائنات بنی۔ تمام مخلوقات ارضی عالم وجود میں آئی۔

مادیین کہتے ہیں مادہ قدیم ہے اس سے تمام چیزیں خلق ہوئی ہیں۔ میں کہتا ہوں اول مخلوق نور ہے۔ نور نے مادہ کو پیدا کیا ہے نہ کہ مادہ نے نور کو۔ قدیم یونانیوں نے یہ نظریہ قائم کیا تھا کہ مادہ ٹوٹ پھوٹ کر آخر میں ایک ایسا جزو بن جاتا ہے کہ پھر اس کا تجزیہ نہیں ہو سکتا۔ اس جز کو وہ جزو لایتجزیٰ کہتے ہیں انگریزی میں اس کا نام ایٹم ہے لیکن اب تو سائنسدانوں کا تجربہ یہ ہے کہ جزو لایتجزیٰ بھی توڑا جا سکتا ہے۔ چنانچہ جب انہوں نے اس کا تجزیہ کیا تو اس میں سے دو برقی شعاعیں نکلیں اور مادہ کا وجود ختم ہو گیا ان دونوں برقی شعاعوں کا نام الیکٹرن و پروٹن ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ نور کی دو شعاعوں نے مادہ کا ایک سب سے چھوٹا جزو بنایا تھا۔ اس طرح مادہ کے بہت سے اجزا مل جل کر کائنات بنی مختلف مخلوق کو مدبر عالم اپنی قدرت کے تحت بناتا چلا گیا اور یوں پوری کائنات کا بازار سج گیا

یہ بھی قابل غور بات ہے کہ نور کی دو شعاعیں تھیں ایک سے عالم مادی خلق نہیں ہوا۔ حضرت رسول خدا نے انا و علیؑ من نور واحد فرما کر یہ بتا دیا کہ اس نور کے جو اول مخلوق ہے دو جزو تھے ایک میں دوسرے علی۔

ایک سوال یہ ہے کہ جب یہ نور اول مخلوق تھا تو رہا کہاں۔ رہنے کے لئے کوئی جگہ

Marfat.com

ہونی چاہیئے اور جگہ کے لئے جہات کا ہونا ضروری ہے لیکن جب اس نور سے پہلے کچھ تھا ہی نہیں تو پھر اس کا قیام کہاں رہا۔

اس شبہ کا ازالہ یوں ہے کہ آپ جگہ کا تصور عالم امکاں میں کر رہے ہیں جو چیز حدود امکاں سے بالاتر ہو اس کے لئے جگہ اور زمانہ آپ کے تصور میں نہیں آسکتا۔ آپ یہ بھی نہیں سمجھ سکتے کہ اس نور کو خدا نے کب پیدا کیا کیونکہ کب وقت کا تعین چاہتا ہے اور وقت بنتا ہے کسی چیز کی حرکت سے مثلاً آپ کی گھڑی کی سوئی جب چلتے چلتے بارہ کے ہندسہ پر پہنچتی ہے تو آپ کہتے ہیں بارہ بج گئے لیکن دو مقام نہ ہوتے یعنی جہاں سے چلی اور جہاں پہنچی تو آپ وقت نہ بتا سکتے تھے۔ پس جب نور رسالت سے پہلے کوئی چیز نہ تھی تو دو مقام کیسے ہوئے اور جو چیز ان دونوں کے درمیان حرکت کرتی وہ کہاں پائی جاتی تھی لہٰذا وقت اور جگہ کا تعین صرف عالم امکان میں کیا جاتا ہے نہ کہ عالم نور میں۔ اس کا سمجھنا عقول بشری سے خارج ہے کیونکہ عقول بشری کی رسائی صرف عالم امکان و حدوث تک ہے اس لئے آنحضرت نے فرمایا ہے۔ میں خلقت آدم سے چودہ ہزار سال پہلے خلق ہوا اور یہ بھی فرمایا میں اس وقت نبی تھا جب آدم میان آب وگل تھے۔ غرض

ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

حضرت نے یہ بھی فرمایا اے علی تم کو نہیں پہچانا مگر میں نے اور خدا نے اور مجھے نہیں پہچانا مگر تم نے اور خدا نے اور خدا کو نہیں پہچانا مگر میں نے اور تم نے۔ یہ معرفت کے درجات بہت بلند ہیں ان انسانوں کی سمجھ میں نہیں آسکتے جن کی عقول کی رسائی صرف مادیت تک ہے

(۴۴) یہود و نصاریٰ کو اپنا سرپرست نہ بناؤ

پ المائدہ ع ۸۔ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰی اَوْلِیَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ٥

(اے ایمان والو یہود و نصاریٰ کو اپنا سرپرست نہ بناؤ (کیونکہ یہ لوگ تمہارے

مخالف ہیں) اور باہم ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جس نے
ان کو اپنا سرپرست بنالیا تو وہ بھی ان ہی لوگوں سے ہوگیا بیشک اللہ ظالم
لوگوں کو راہ راست پر نہیں لاتا)

یہ ایک فطری اصول ہے کہ جب کسی قوم کی فوقیت و برتری تسلیم کرلی جاتی ہے اور اس سے میل جول بڑھ جاتا ہے تو اس کے اخلاق معاشرتی اور تمدنی مراسم کی طرف طبیعت راغب ہونے لگتی ہے اور لوگ اپنے قومی و مذہبی دائرہ سے باہر ہونے لگتے ہیں۔

سامنے کی مثال ہے کہ جب قوم نصاریٰ سے میل جول بڑھایا اور ان کی تہذیب کو اسلامی تہذیب پر ترجیح دی تو نتیجہ میں تمام اسلامی مراسم سے ان کو نفرت ہوگئی۔ دیکھ لو زیادہ تر مسلمان انگریزی تہذیب اور انگریزی اخلاق و عادات اختیار کئے ہوئے ہیں غرض رفتار و گفتار نشست و برخاست ملنا جلنا۔ کھانا پینا سب انہیں کا سا ہوگیا انتہا یہ ہے کہ اسلامی عبادتوں کو بھی ترک کردیا۔ نماز احمقانہ فعل نظر آنے لگا روزہ بیوتوفی کی علامت قرار پایا۔ حج کے لئے مکہ مدینہ جانا ترک۔ یورپ کی سیر واجب، عورتوں کی بے پردگی لازم۔ کلبوں میں عیاشی تہذیب کا ایک جزو۔ غرض انہی مضرتوں سے بچانے کے لئے یہود و نصاریٰ کی سرپرستی اور فوقیت و برتری کے قبول کرنے سے اسلام نے رد کا تھا۔ کاش مسلمان خدا اور رسول کی اس مصلحت کو سمجھتے۔ کاش مسلمان اس اندھی تقلید میں پھنس کر احکام اسلام کی خلاف ورزی نہ کرتے اگر ان سے تعلق پیدا کرنا ہی ناگزیر سمجھا جاتا تو صرف سیاسی تقلید کرلیتے ان جیسے نہ بنتے۔ حدیث رسولؐ ہے۔ مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَہُوَ مِنْھُمْ ...... (جو جس قوم سے مشابہ ہوگا وہ اسی میں شمار کیا جائیگا)

۸۵ سچّے مومن کی صفات

پ المائدہ ع ۸۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ

Marfat.com

بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۔

(اے ایمان والو تم میں سے جو کوئی دین سے پھر جائے گا تو کچھ پروا نہیں پھر جائے عنقریب ہی خدا ایسے لوگوں کو ظاہر کر دے گا جنہیں خدا دوست رکھتا ہوگا اور وہ خدا کو دوست رکھتے ہوں گے۔ ایمان داروں کے ساتھ منکسر اور کافروں کے ساتھ کڑے اور وہ خدا کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کریں گے یہ خدا کا فضل و کرم ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑی گنجائش والا اور واقف کار ہے)

مسلمانوں میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو حضرت رسول خدا کو دھمکی دیتے تھے کہ اگر آپ نے ہماری رائے پر عمل نہ کیا تو ہم اپنے سابق دین کی طرف پلٹ جائیں گے اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ سچے مومنوں کے جو صفات اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہیں وہ سوائے حضرت علی کے اور کسی صحابی رسول میں مجموعی حیثیت سے نہیں پائی جائیں مطلب یہ ہے کہ اگر تم اپنی سرکشی سے باز نہ آئے تو تمہاری سرکوبی ایسے لوگوں سے کرائی جائے گی جن کے صفات یہ ہیں :۔

(۱) خدا ان کو دوست رکھتا ہے اور وہ خدا کو دوست رکھتے ہیں۔

خدا کو دوست رکھنے کا دعویٰ تو سب ہی مسلمان کرتے ہیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ خدا بھی ان کو دوست رکھتا ہے یا نہیں۔ صرف زبانی دعویٰ تسلی بخش نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ دلیل نہ ہو یہ ثبوت صرف حضرت علی پیش کر سکتے ہیں۔ جب کہ جنگ خیبر میں آنحضرت نے ایک روز شام کے وقت یہ فرمایا تھا:۔ لَاُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا كَرَّارًا غَيْرَ فَرَّارٍ يُحِبُّ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَالرَّسُوْلُ لَنْ يَّرْجِعَ حَتّٰى يَفْتَحَ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ

(میں اپنا علم کل ایسے شخص کو دوں گا جو کرار غیر فرار ہوگا اللہ اور رسول کو دوست رکھتا

اور اللہ اور رسول اس کو دوست رکھتے ہوں گے وہ واپس نہیں آئے گا جب تک اللہ اس کے دونوں ہاتھوں پر فتح نہ دیدے ۔ یہ ہے پلٹی ہوئی محبت ؛ ۔ جب دوسرے روز صبح کو یہ علم علی کو ملا تو لوگوں نے سمجھ لیا کہ خدا اور رسول اس کو دوست رکھنے والے ہیں ۔

اذلۃٍ علی المؤمنین یعنی مومنین کے ساتھ نہایت نرمی کا برتاؤ کرنے والے نہایت اخلاق سے ملنے والے سخت اور غلیظ القلب نہیں ۔ بجائے تازیانے مارنے کے نہایت محبت سے پیش آنے والے ہیں ۔ جو عمار کو لاتوں سے ماریں اور ابوذر کو جلاوطن کریں وہ اس زمرے سے خارج ہیں ۔

(۳) کافروں پر سخت ۔ یہ خصوصیت علی سے زیادہ کسی میں نہیں پائی گئی ۔ میدان جنگ میں کفار و مشرکین سے ایسا ڈٹ کر مقابلہ کیا کرتے تھے کہ جو مقابل آجاتا پھر وہ بچ کر جاتا ہی نہ تھا ۔

(۴) راہ خدا میں جہاد کرنے والے ۔ جہاد تو سب لوگ کرتے تھے مگر :۔ لافتیٰ الا علی ولا سیف الا ذوالفقار ۔ کی سند لینے والے علی کے سوا کون تھے ۔

(۸۶) ولی کون ہے

پ المائدہ ع ۸ ۔ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ۔

(تمہارے مالک اور سرپرست تو بس یہی ہیں خدا اور اس کا رسول اور وہ مومنین جو پابندی سے نماز پڑھتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں)

اس آیت میں انما کا لفظ کلمۂ حصر ہے تو آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ بس تمہارے ولی تین ہی ہیں ۔ اول اللہ پھر رسول پھر رکوع میں زکوٰۃ دینے والا یعنی ولایت مطلقہ جیسی خدا اور رسول کی ہے ویسی ہی اس تیسرے شخص کی ہے ان تین کے علاوہ اور کوئی

Marfat.com

مسلمانوں پر اولی بالتصرف نہیں یعنی انہیں تین کو مسلمانوں پر حکومت مطلقہ حاصل ہے
ان کے ہر حکم کی بجا آوری واجب ہے۔

غدیر خم کے موقع پر جو حضرت رسول خدا نے فرمایا تھا: مَن کُنتُ مَولَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَولَاہُ
تو وہاں مولا کے معنی یار لوگوں نے دوست وناصر کے مراد کے لئے لیکن کیا اس آیت
میں بھی ولی کے معنی دوست وناصر کے لئے جا سکتے ہیں اگر ایسا ہے تو آیت کا مضمون
ہی خبط ہو جائے گا۔ کون یہ تسلیم کرے گا کہ اے مسلمانو تمہارے صرف تین ہی دوست ہیں
اللہ، رسول اور نمازیں زکوٰۃ دینے والا۔ باقی تمام دوستیاں ماں باپ اعزہ واقارب، اعزہ
احباب کی خاک میں مل جائیں گی کوئی دوست دوست ہی نہ رہے گا۔

اگر ولی کے معنی اولی بالتصرف نہیں اور والذین اٰمنوا الذین الخ سے مراد حضرت علی
نہیں تو بتاؤ اصحاب میں یہ تیسرا شخص کون ہے تاکہ لوگ دیکھیں کہ اس میں اولی بالتصرف اور حاکم
علی الاطلاق ہونے کی صلاحیت ہے یا نہیں سروں پر لٹھ بجا کر یا بے گناہوں کی کمر و پشت
پر کوڑے مارنے والا شرعًا اولی بالتصرف نہیں ہو سکتا۔ ورنہ دنیا کے تمام حکمران جو
بیشمار رعایا پر حق تصرف رکھتے ہیں اللہ ورسول کے ساتھ ولایت مطلقہ میں شریک ہو
جائیں گے۔ یہ کہنا کہ سائل کو ایک انگوٹھی بحالت رکوع دے دینا کون ایسا مہتم بالشان
عمل تھا جس سے ولایت مطلقہ کی سند مل گئی۔ جواب یہ ہے کہ یہ تو رسول کے بعد جو ولی
مطلق ہے اس کی شناخت کرانے کو ایسا کہا گیا تھا ورنہ ولایت مطلقہ جو علی علیہ السلام
حاصل ہوئی وہ تو اسلام کی بیشمار اہم خدمات انجام دینے کی بنا پر ہے نہ صرف انگوٹھی دینے سے

ہر عمل کی مقبولیت خلوص نیت پر موقوف ہے اور یہ آل رسول کا خاصہ ہے کہ وہ
کوئی کام اپنی غرض کو پیش نظر رکھ کر نہیں کرتے اور وہی چاہتے ہیں جو اللہ چاہتا ہے خلوص
سے ایک انگوٹھی دینا بھی بہت بڑا کام ہے بغیر خلوص کے ایک کیا اگر چالیس بھی دی جائیں
تو قبولیت کی سند نہیں ملے گی۔ یہ وہی ہیں جنہوں نے تین روزے رکھ کر اور یتیم و مسکین و اسیر

کو اپنی افطاری کی ایک ایک روٹی دے کر علی حبّہ سے اپنے خلوص کی تصدیق کرا کر پورا سورہ دہر اپنی شان میں نازل کرا لیا۔ جنگ خندق میں ایک ضربت عمرو بن عبدوَد کے سر پر لگا کر اس کا مرتبہ عبادت ثقلین سے بڑھ کر ہونا زبان رسول سے کہلوا لیا۔ بہرحال یہ مقدس ہستیاں جو کام کرتی گئیں خدا و رسول سے اس کی سند حاصل کرتی رہیں۔

ولایت کی سند علی کو یوں ہی نہیں مل گئی اس کے لئے پہلے چیز عصمت ہے دوسرے علم تیسرے شجاعت چوتھے عدالت۔ جب تک ان میں کمال حاصل نہ ہو ولی نہیں ہو سکتا۔ تابع مہمل ہمیشہ بے معنی ہوتے ہیں جیسے روٹی ووٹی، پانی وانی۔ عابد وابد، حاکم واکم۔ یعنی یہ بھی کچھ کم اعجاز نہیں کہ حضرت علی کے نام کے ساتھ جو تابع مہمل ہے وہ بھی با معنی اور ان کی ولایت کا مصدق ہے مثلاً جب کہا جائے گا علی ولی کہا جائے گا اور کوئی تابع مہمل اس کے ساتھ ضم نہیں ہو سکتا۔

(۷۰) خلافت علیؑ کی تبلیغ

پ المائدہ ع ۱۰:- یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَؕ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗؕ وَ اللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ

(اے رسول جو حکم تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اسے پہنچا دو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو سمجھ لو تم نے اس کا کوئی پیغام پہنچایا ہی نہیں اور تم ڈرو مت اللہ تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا) اس آیت میں چند باتیں قابل غور ہیں:-

(۱) معلوم ہوتا ہے آیہ بلّغ سے پہلے کوئی حکم آ چکا تھا جس کی تبلیغ کسی اندیشہ کے تحت نہیں ہو سکی تھی۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ تم کو دشمنوں کے شر سے بچا لے گا۔

(۲) حج آخر سے فارغ ہو کر جب حضرت مدینہ کو واپس ہوئے اور مقام غدیر خم پر پہنچے تو دوپہر کا وقت تھا۔ سخت کڑاکے کی دھوپ تھی۔ گرمی کا موسم تھا۔ یہ جگہ کوئی منزل نہ تھی نام کو کہیں

Marfat.com

درخت کا سایہ نہ تھا۔ ببول کے سوکھے درخت اپنے لمبے نوکیلے کانٹے ہر طرف بکھیر رہے تھے ایسے وقت میں آیہ مذکورہ بالا کا نزول ہوا۔

(۳) یہ حکم ایسا تاکیدی تھا کہ اگر اس کی تعمیل پوری نہ کی گئی تو ۲۳ سالہ کار تبلیغ بے اجر ہو جائے گا

(۴) عرب کے تمام قبائل اس منزل تک حضرت کے ساتھ ساتھ چلے آرہے تھے اس کے بعد وہ متفرق ہونے شروع ہو جاتے یعنی مختلف راستوں میں بٹ جاتے لہٰذا اس امر خاص کا یہیں پہچانا لازم تھا۔

(۵) جن لوگوں سے مخالفت کا خوف تھا خدا نے ان سے بچانے کا وعدہ کیا تھا اس سے معلوم ہوا کہ داخلی مخالفت کا خوف تھا نہ کہ خارجی یعنی کوئی امر ایسا تھا کہ مسلمانوں کی مخالفت کا اس میں قوی اندیشہ تھا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اگر یہ امر از قسم عبادات و معاملات ہوتا۔ تو مخالفت کی کوئی وجہ نہ تھی صرف خلافت علی ہی ایک ایسا امر ہو سکتا تھا۔ جو مسلمانوں کے جذبات مخالفت کو برانگیختہ کرے۔

بہر حال جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے بلال کو حکم دیا کہ قافلہ میں ندا کریں کہ سب یہاں اتر پڑیں جو پیچھے رہ گئے ہیں جلد آگے بڑھیں جو آگے بڑھ گئے ہیں وہ جلد پیچھے پلٹ آئیں یہ حکم سنتے ہی سب اپنی اپنی سواریوں سے اتر پڑے اور اس جلتی بلتی ریت پر سے کانٹے صاف کئے اور بیٹھنے شروع ہو گئے۔ یہ مجمع ایک لاکھ کئی ہزار کا تھا۔ سب پریشان تھے کہ ایسا کیا ضروری حکم آگیا کہ ایسے سخت وقت میں اس کی تبلیغ ضروری سمجھی گئی ہے۔ حضور کے حکم سے پالان شتر کا ایک منبر بنایا گیا اس پر آپ تشریف فرما ہوئے اور علی علیہ السلام کو اپنے پہلو میں کھڑا کیا اس کے بعد ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں یہ بیان کیا کہ لوگو میرے مرنے کا وقت قریب آگیا ہے۔ میں نے تمام احکام الٰہیہ کی تبلیغ کر دی پھر فرمایا لوگو کیا میں تمہارے نفسوں پر تم سے زیادہ حق تصرف نہیں رکھتا۔ سب نے کہا ضرور آپ کو ہماری جانوں پر ہر طرح کا حق حاصل ہے تب آپ نے فرمایا:

آگاہ ہو مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ - (جس کا میں حاکم ہوں اس کے حاکم علی ہیں)
پھر یہ دعا فرمادی: اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ وَانْصُرْ مَنْ نَصَرَہٗ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَہٗ (بالله جو علی کو دوست رکھتا ہے تو بھی اسے دوست رکھ جو اس کا دشمن ہے تو بھی اس کو دشمن رکھ نصرت کر اس کی جو اس کی نصرت کرے اور ذلیل کر اس کو جو اسے ذلیل کرے)

اس کے بعد آپ منبر پر سے اتر آئے لوگوں نے حضرت علی کو ان الفاظ میں مبارکباد دی بخٍ بخٍ لك یا ابن ابی طالب قد اصبحت مولای و مولا کل مومن و مومنۃ

حسان بن ثابت نے فی البدیہہ ایک قصیدہ پڑھا۔

غور کیجیے کیا یہ سب واقعات اس کی نشاندہی کرتے ہیں کہ حضور لوگوں کو صرف اتنا بتانا چاہتے تھے کہ جس کا میں دوست ہوں اس کے علی دوست ہیں یہ تو کوئی ایسی بڑی بات نہ تھی جس کے لیے (۱) ایسا سخت اہتمام کیا جاتا (۲) جس کی تبلیغ نہ کرنے میں سارے کار رسالت پر پانی پھر جاتا (۳) جس کے اعلان کرنے پر مخالفوں کی مخالفت کا خوف ہوتا کوئی عقل اس کو گوارہ نہیں کر سکتی۔

سب سے بڑا ثبوت اس کا حارث بن نعمان فہری کا واقعہ ہے۔ جس نے یہ سن کر کہ حضرت نے علی کو مولا بنایا ہے۔ آنحضرتؐ سے دریافت کیا کیا یہ آپ نے اپنی طرف سے کہا ہے یا خدا کے حکم سے فرمایا۔ حکم خدا سے اس نے فوراً دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا اے خدا اگر یہ تیرا حکم ہے تو مجھ پر عذاب نازل کر اسی وقت آسمان سے پتھر گرا اور اس کا کام تمام ہو گیا۔ حارث عرب تھا عرب کے انداز کلام سے آگاہ تھا۔ اگر وہ مولا کے معنی دوست سمجھتا تو کبھی ہرگز عذاب طلب نہ کرتا اور اپنی جان نہ کھو بیٹھتا یہ واقعہ قرآن میں موجود ہے۔ سَئَلَ سَائِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ لِّلْکَافِرِیْنَ لَیْسَ لَہٗ دَافِعٌ۔ (ایک سوال کرنے والے نے اس عذاب کا سوال کیا ہے جو کافروں کے لئے ہے اور جس کا کوئی دفع کرنے والا نہیں ہو سکتا۔

حضرت کا یہ کلام غدیر خم میں جن لوگوں نے سنا تھا ان سب کو یقین تھا کہ مولا بمعنی اولیٰ بالتصرف

Marfat.com

ہے لیکن حضرت علی کو خلافت سے ہٹانے کے لئے اس کے معنی دوست اور ناصر بنا لئے گئے۔

(۸۸) شراب جوا بت اور پانسے

پ المائدہ ع ۱۲۔ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ۔

اے ایمان والو شراب جوا اور بت اور پانسے تو بس ناپاک (برے) اور شیطانی کام ہیں تم لوگ ان سے بچے رہو)

شراب سے کوئی خاص قسم کی شراب مراد نہیں بلکہ ہر وہ شراب جو نشہ پیدا کرتی ہے حرام ہے۔ ایک حدیث میں ہے شرابی اگر بیمار ہو تو اس کی عیادت نہ کرو مر جائے تو اس کی نماز جنازہ نہ پڑھو۔ محتاج ہو تو اسے زکوٰۃ نہ دو۔ جو کوئی اپنی بیٹی اس کے نکاح میں دے گا تو گویا اس نے اپنی بیٹی کو دوزخ میں ڈالا۔ اسی طرح جوئے کی تمام قسمیں شطرنج، چوسر، گنجیفہ، تاش سب حرام ہیں۔

اسلام اس کو پسند نہیں کرتا کہ انسان کوئی ایسی چیز کھائے جس کے نشہ میں اس کے ہوش و حواس جاتے رہیں اور ایسے افعال کا مرتکب ہو جو اس کے یا غیر کے لئے نقصان رساں ہو۔

جوا۔ اس لئے حرام ہے کہ انسان بغیر محنت مشقت کے دوسروں کے مال پر بغیر استحقاق قابض ہونا چاہتا ہے اور اگر ہارتا ہے تو احمقانہ طریقہ سے وہ اپنی دولت غیر شخصوں کو دے کر خود مفلس قلاش بن جاتا ہے۔ جوئے میں یہی ہوتا ہے نفع کم ہوتا ہے نقصان زیادہ۔ جواری بے غیرت و بے حمیت شوخ چشم اور سیاہ دل بن جاتا ہے۔

اسلام ایسے راستوں سے گزارنا چاہتا ہے جو بے خوف و خطر ہوں نہ اپنی ذات کے لئے نقصان رساں ہوں نہ دوسروں کے لئے نہ دنیا میں بدنامی ہو نہ آخرت میں۔ شطرنج چوسر

اور تاش کھیلنے والے اپنے عزیز وقت کو لہو و لعب میں ضائع کرتے ہیں کاش وہ اس کو کسی مفید کام میں بسر کرتے جو ان کے اور دوسروں کے لئے مفید ہوں۔ ایسے لغو کاموں میں مصروف رہنے سے انسان کی دماغی قوتیں مضمحل ہو جاتی ہیں اور ان میں انہماک ضروری کام بجا لانے سے روک دیتا ہے۔

(۸۹) مائدہ

پ المائدہ ع ۱۔ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ اللّٰھُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ تَکُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰیَۃً مِّنْکَ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ۔

(عیسیٰ بن مریم نے کہا اے اللہ اور ہمارے رب ہم پر آسمان سے ایک خوان نعمت نازل کر کہ وہ ہمارے لئے اور اگلوں اور پچھلوں کے لئے عید کا دن قرار پائے اور ہمارے حق میں تیری طرف سے ایک بڑی نشانی ہو اور تو ہمیں روزی دے تو سب روزی دینے والوں سے بہتر ہے)

جب حضرت عیسےٰ کے حواریوں نے ان سے کہا کیا آپ کا خدا اس بات پر قادر ہے کہ آسمان سے ہمارے لئے ایک خوان نازل فرمائے تو حضرت نے فرمایا اگر تم مومن ہو تو اللہ سے ڈرو۔ انہوں نے کہا ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ کچھ تبرکاً کھائیں تاکہ آپ کی رسالت کا ہمیں پوری طرح یقین ہو جائے اور جو کچھ آپ نے کہا ہے اسے سچ سمجھیں اور ہم اس پر گواہ رہیں۔ تب حضرت عیسےٰ نے دعا کی خدا نے دعا قبول کی اور ایک خوان نازل کیا۔ حضرت عیسےٰ نے عرض کی خداوندا تو نے میری دعا قبول کر کے ایک خوان نازل کیا اس کو سبب رحمت قرار دینا نہ سبب عذاب اس کے بعد وضو کر کے نماز پڑھی اور بسم اللہ خیر الرازقین کہہ کر خوان پوش کو ہٹایا تو دیکھا ایک پکی ہوئی مچھلی تھی جس سے روغن ٹپک رہا تھا اور اس کے سر کے پاس نمک اور دُم کے پاس سرکہ تھا اور اس کے گرد طرح طرح کی ترکاریاں اور انواع و اقسام

کے ساگ تھے اور پانچ روٹیاں تھیں ان میں سے ہر ایک پر روغن زیتون دوسری پر شہد تیسری پر گھی چوتھی پر پنیر اور پانچویں پر خشک گوشت تھا۔ حضرت شمعون نے پوچھا روح اللہ یہ کھانا دنیا کا ہے یا کہ آخرت کا۔ فرمایا دنیا کا ہے مگر خدا نے خاص اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے۔ حواریوں نے کہا یا حضرت آپ پہلے نوش کریں تب ہم کھائیں گے۔ حضرت نے فرمایا معاذ اللہ میں اس میں سے نہ کھاؤں گا بلکہ جس نے مانگا ہے وہ کھائے وہ لوگ اس کے کھانے سے ڈرتے تھے تب آپ نے بیماروں کو بلا کر کھلایا یہاں تک کہ تین سو آدمیوں نے کھایا اور کھانا جوں کا توں رہا۔ اس کے کھاتے ہی سب بیمار تندرست ہو گئے جو محتاج تھے مالدار ہو گئے اب جن لوگوں نے نہ کھایا تھا وہ پچھتائے۔ اس کے بعد وہ خوان بلند ہو کر نظروں سے غائب ہو گیا۔

مائدہ کے متعلق سر سید احمد خاں صاحب کی بھی سُن لیجئے:-

"حواریوں نے یہ درخواست کی تھی اور ان کی درخواست پر حضرت عیلٰے نے دعا بھی کی۔ خدا نے فرمایا میں اس کو صرف نازل کروں گا۔ لیکن اس کے بعد جو کوئی کفر کرے گا تو اس کو وہ سخت عذاب دوں گا جو دنیا میں کسی کو نہ دیا ہو گا۔ جب ان لوگوں نے یہ سنا تو اس خواہش سے وہ باز آ گئے کیونکہ توریت میں من و سلوٰی کی بے حرمتی پر جو عذاب بنی اسرائیل پر آئے تھے وہ سب پڑھ چکے تھے اور سُن چکے تھے اس لئے پھر انہوں نے خواہش نہ کی۔ عیسائیوں نے مائدہ کے متعلق بڑی لمبی چوڑی روائتیں لکھ ماری ہیں اور مسلمان مفسرین نے بھی انہی کی تاسی میں ایک واقعہ بنا کر کھڑا کیا ہے"

ہم نے شروع میں مائدہ کی جو تفصیل لکھی ہے وہ مولانا فرمان علی صاحب مرحوم کے مترجمہ قرآن کے حاشیہ سے لکھی ہے مولانا نے کوئی حوالہ نہیں دیا کہ انہوں نے کہاں سے نقل کیا ہے مولانا مرحوم حواشی لکھنے میں ذرا احتیاط سے کام نہیں لیتے تھے اور بغیر درایت کی کسوٹی پر پرکھے کسی روایت کو نقل کر دیتے ہیں۔ خوان کے کھانوں کی یہ تفصیل جو مولانا نے نقل فرمائی ہے

Marfat.com

جب تک حضرات آئمہ علیہم السلام سے اس کی تصدیق نہ ہو قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ صرف راویوں کی روایت پر اعتماد نہ کر لینا چاہیئے جیسا سر سید نے لکھا ہے۔ عیسائیوں نے مائدہ کے متعلق ایسی بہت سی عجیب وغریب روایات اپنی کتابوں میں لکھ ماری ہیں۔ لیکن سید صاحب کا یہ خیال کہ مائدہ نازل نہیں ہوا ہمارے دل کو نہیں لگتا کیونکہ قرآن میں حضرت عیسٰے کا دعا کرنا پایا جاتا ہے۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک رسول کی دعا رد کر دے دوسرے اللہ تعالیٰ نے جب ان سے یہ وعدہ فرمایا۔ انی منزلھا علیکم (میں تم پر مائدہ نازل کرنے والا ہوں) تو کیا وجہ اسے نازل نہ کرے۔ اب رہا خدا کا یہ فرمانا:۔ فمن یکفر بعد منکم فانی اعذبہ عذابا لا اعذبہ احدا من العالمین۔

(نزول کے بعد تم میں سے جو کفران نعمت کرے گا اسے میں ایسا سخت عذاب دونگا جو تمام عالموں میں کسی کو نہ دیا ہو گا)

تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ مائدہ کا نزول نہیں ہوا۔ کفر کرنا یا نہ کرنا تو نزول کے بعد کی بات ہے اگر نزول نہیں ہوا تھا تو پھر خدا کو قرآن میں ذکر کرنے ہی کی کیا ضرورت تھی۔ حواریوں کا صرف حضرت عیسٰے سے خواہش کرنا کوئی قابل ذکر بات نہ تھی ہاں اگر کچھ کلام ہو سکتا ہے تو مائدہ کی تفصیل میں ہو سکتا ہے۔ مولانا فرمان علی صاحب والی روایت میں جو کھانے کی تفصیل ہے وہ تو ایسی ہی ہے جیسے دنیا والے اپنے کسی مہمان کے لئے کھانے کی مختلف چیزیں گوشت ترکاری شہد اور پنیر وغیرہ سے کسی خوان میں سجا کر لاتے ہوں۔ کھانے تو حضرت مریم کے لئے بھی آئے اور جناب سیدہ کے لئے بھی مگر ایسے کھانوں کا ذکر کہیں نہیں پایا جاتا۔ دنیا کے دستر خوان اور آسمانی دستر خوان میں کچھ تو فرق ہونا چاہیئے آیا تو بہر حال اوپر ہی سے تھا دنیا کے مطبخ کا تو پکا ہوا نہ تھا:

---

(۹۰) کتاب خدا میں کوئی چیز نہیں چھوٹی

پ الانعام ع ۴ ۔ مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتَابِ مِنْ شَیْءٍ ثُمَّ اِلٰی رَبِّھِمْ یُحْشَرُوْنَ ۔

(ہم نے قرآن میں کوئی بات فروگذاشت نہیں کی وہ اپنے رب کی طرف سے محشور ہوں گے)

دوسری جگہ ہے ۔ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۔ (ہر خشک وتر کا بیان کتاب مبین میں ہے)

بعض لوگ بیان کرتے ہیں کہ اگر قرآن میں ہر شے کا بیان ہے تو دنیا میں بیشمار ایجادیں ہو چکی ہیں اور ہو رہی ہیں ۔ چھوٹی ہوں یا بڑی اگر چھوٹی چھوٹی چیزوں کا بیان نہ ہو تو بڑی بڑی حیرت انگیز چیزوں کا تو ہوتا جیسے ٹیلیفون، ٹیلیگرام، ریڈیو، ٹیلی ویژن، ہوائی جہاز، راکٹ، ایٹم وغیرہ ایسے لوگوں نے اس آیت کا مطلب غلط سمجھا ہے اللہ تعالیٰ نے ان تمام قوتوں کا ذکر کیا ہے جو نظام عالم میں کام کر رہی ہیں اور جو فلاح دین و دنیا میں کام آنے والی ہوں اور انسان کے لئے ان کا جاننا ضروری ہے چھوٹی ہوں یا بڑی ۔ اخلاقی، روحانی، تمدنی اور معاشرتی تمام مسائل سے اسے آگاہ کیا گیا ہے اس کی جسمانی اور مادی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے جتنی چیزوں کی ضرورت تھی ان سب کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو خود خلق فرمایا ہے ان سب کا ذکر اجمالاً یا تفصیلاً قرآن میں موجود ہے ۔ اب رہیں وہ چیزیں جو اس کی خلق کی ہوئی چیزوں سے بنی ۔ ان کے ذکر کی ضرورت نہ تھی کیونکہ وہ انہی کے تحت میں آجاتی ہیں انسان نے جتنی ایجادات کی ہیں ان کا اصل کارخانہ قدرت میں موجود ہے جیسے قوت برقی مقناطیسی ۔ آفتابی شعاعیں ۔ ماہتابی شعاعیں ۔ ستاروں کے اثرات ۔ ہواؤں کی کیفیات ۔ بادلوں اور بارشوں کے اثرات ۔ سمندروں اور دریاؤں کے اثرات وغیرہ ۔ انہی قوتوں سے کام لے کر انسان اپنی ایجادات کو بڑھاتا چلا جا رہا ہے جو عناصر ہیں ان میں سے کوئی چیز انسان نے خود پیدا نہیں کی اور نہ پیدا کر سکتا ہے

Marfat.com

انسان نے اشیا ئے کائنات میں صرف تصرف کیا ہے کسی کو خلق نہیں کیا۔ جب ایجادات کا خالق یعنی انسان خود خدا کا پیدا کیا ہوا ہے تو اس کی تمام مصنوعات اللہ تعالیٰ کی صنعت کاملہ کی ضمنی مخلوقات ہے ان کے ذکر کی ضرورت ہی کیا رہی۔

مثل مشہور ہے ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ ہر زمانہ میں انسان کو جیسی جیسی ضرورت محسوس ہوتی رہی ایجاد کرتا گیا اور قیامت تک کرتا رہے گا لیکن اب تک جتنی ایجادات ہوئیں یا ہوتی رہیں گی۔ ان سب کا مواد اس نے کارخانہ قدرت سے لیا ہے جن سب کا ذکر اس نے اپنی کتاب میں کر دیا ہے۔

قرآن ایک ایسی کتاب ہے جس سے امور دین و دنیا میں ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔ یعنی وہ ایک ایسا راستہ بتانے کے لئے آیا ہے جس پر چل کر انسان دنیا میں ایک اچھی زندگی بسر کر سکے اور آخرت میں اس کو نجات حاصل ہو۔ وہ گناہوں سے بچے اور حسنات کو حاصل کرتا رہے تاکہ اس کی زندگی کا مقصد پورا ہو جائے۔ شر سے بچنے اور خیر حاصل کرنے کے لئے جتنے احکام ضروری تھے وہ قرآن نے اسے بتا دیئے اور جن اسباب کی انہیں ضرورت تھی وہ مہیا کر دیئے۔

انسان کی خلقت کی غرض اصلی خدا کی معرفت ہے رہے زندگی کے اور لوازم کو جاننا پہچانا یہ غرض ثانوی ہے اور معرفت بغیر علم و عمل حاصل نہیں ہو سکتی۔ پس اللہ تعالیٰ پر واجب تھا کہ ان دونوں چیزوں کا بندوبست کر دے۔ چنانچہ ہر زمانہ میں اس نے یہ بندوبست کیا حصول علم کے لئے اپنی کتابیں بھیجیں اور صحیح عمل کے نمونے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ سے بھیجے۔

اس کا حکم محکم یہ ہے کہ روئے زمین پر فتنہ و فساد برپا نہ کرو امن و امان سے رہو۔ وہ آلات کے ایجادات کو نہیں دیکھتا بلکہ ان کے نتیجوں پر اس کی نظر ہے یعنی انسان نے جو کچھ بنایا ہے اس سے نوع انسان کی بربادی تو نہیں کی جا رہی۔ فتنہ و فساد کی بنیادیں تو استوار نہیں کی جا رہیں۔ الغرض قرآن کے اندر حیات و موت۔ طبعیات و مابعد الطبعیات۔ معاشرت و تمدن

Marfat.com

ایمان وکفر سب کا بیان نہایت تفصیل سے موجود ہے اور ہر چھوٹی سے چھوٹی بات کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔

آخرت میں یہ سوال نہ ہوگا کہ تم نے ریڈیو ایجاد کر کے کتنے گانے سنوائے تھے۔ ٹیلی ویژن بنا کر کتنی ننگی عورتیں نچائی تھیں۔ ہوائی جہاز سے کہاں کہاں بم برسا کر شہروں کو تباہ کیا تھا۔ گراموفون میں کتنی غزلیں بھری تھیں۔ وہاں تو یہ پوچھا جائے گا کہ رفاہ عام کے کیا کیا کام کیے۔ عدل وانصاف میں کہاں کہاں ثابت قدم رہے۔ اصلاح خلق میں کیا کوشش کی ہماری معرفت کے کیا کیا درس دیئے وغیرہ وغیرہ۔

(۹۱) کفار کو نعمتیں کیوں دیں

پ الانعام ع ۵۔ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ۔

(پس جس امر کی ان کو نصیحت کی گئی تھی جب اس کو بھول گئے تو ہم نے ان پر ڈھیل دینے کے لئے نعمتوں کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جو نعمتیں ان کو دی گئی تھیں انہیں پا کر خوش ہو لئے پس ہم نے انہیں یکایک لے ڈالا اس وقت وہ ناامید ہو کر رہ گئے)

اکثر لوگ کہا کرتے ہیں جب کفار ومشرکین خدا کے باغی بندے ہیں تو خدا نے ان کو مالا مال کیوں کیا ہے عیش وراحت سے زندگی بسر کرنے کا موقع کیوں دیا ہے۔ اس آیت میں ان کو بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حجت ان پر تمام کرنے کے لئے ایسا کیا ہے تاکہ کل یہ کہیں کہ اگر ہمیں فارغ البالی نصیب ہوتی تو ضرور تجھ پر ایمان لے آتے یہ ڈھیل ازراہ رحمت ان پر نہیں ہے بلکہ ان کے ڈوبنے کا سامان ہے تاکہ جی بھر کے گناہ کر لیں پھر وہ ہم سے بچ کر کہاں جائیں گے کسی وقت عذاب الٰہی ان کو دنیا میں گھیر لے گا اور اگر یہاں بچ

گئے تو مرنے کے بعد ان کی اچھی طرح خبر لی جائے گی۔

اس اعتراض کے جواب میں ایک رُخ اور بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کے گھر میں ہُن تو برساتا نہیں نہ اپنے فرشتوں کے ذریعے سیم و زر کے بھرے ہوئے صندوق بھجواتا ہے بلکہ مالدار بننا انسان کے ذاتی افعال پر موقوف ہے۔ خدا اس کو جبراً کسی سے چھینتا نہیں۔ چھین تو سکتا ہے مگر وہ ایسا کرتا نہیں بلکہ یہ دیکھنا ہے کہ باوجود دولت کے وہ کرتا کیا ہے ہم پر ایمان لاتا ہے یا نہیں اگر خدا چاہتا تو اس کی کوئی کل مروڑ دیتا اس کی صحت خراب کر دیتا اس کے ہاتھ پاؤں بیکار کر دیتا اگر ایسا کرتا تو اس پر حجت تمام نہ ہوتی۔ دولت کے دروازے اس پر کھول دینے کے یہی معنی ہیں کہ دولت کمانے کے ذرائع کو اس سے روکا نہیں تاکہ خود ہی سمجھے اور ایمان لائے لیکن جب وہ اندھا ہی بنا رہتا ہے اور سمجھ بوجھ سے کام نہیں لیتا تو پھر عذاب الٰہی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور کوئی ایسی بلا اس پر نازل ہو جاتی ہے کہ مبتلا جاتا ہے اور آخرت میں وہ عذاب ہو گا کہ خدا کی پناہ۔

---

(۹۲) رسول کے لئے ذریعہ تبلیغ وحی ہے

پ الانعام ع ۵۔ قُل لَّا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ

(اے رسول ان سے کہہ دو کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدائی خزانے ہیں (کہ ایمان لانے والے کو دے دوں گا) اور نہ میں غیب کے کل حالات جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو بس اس وحی کا پابند ہوں جو خدا کی طرف سے مجھ پر کی جاتی ہے ان سے پوچھو کیا اندھا اور بینا برابر ہو سکتا ہے کیا تم اتنا نہیں سوچتے)

Marfat.com

اللہ تعالےٰ نے آنحضرت کو خزانوں کا مالک بنا کر نہیں بھیجا تھا تاکہ روپیہ پیسہ کے لالچ میں لوگ ایمان نہ لائیں کیونکہ یہ ایمان کسی طرح قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ جب حقائق اسلام کو سمجھا ہی نہیں تو پھر ایمان کیسا۔ نہ رسول یہ کہتے تھے کہ میں ہر غیب کا جاننے والا ہوں اور نہ یہ کہ میں کوئی فرشتہ بن کر تمہارے پاس آیا ہوں کیونکہ ان سب صورتوں میں غرض تبلیغ پوری نہیں ہوتی۔ سیدھی سادی بات ہے اللہ کی طرف سے مجھ پر جو وحی ہوتی وہ بے کم و کاست تم سے بیان کر دیتا ہوں نہ کوئی لالچ دیتا ہوں نہ تم پر رعب ڈالتا ہوں یہ چاہتا ہوں کہ جو کوئی خدائی پیغام تم کو سناتا ہوں اس پر اچھی طرح غور کرو۔ اندھاپن سے کام نہ لو بلکہ عقل کی آنکھیں کھولو اور بات کی تہ تک پہنچو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو ضعیفۃ الحالات اور قوی الیات بنایا تاکہ لوگ ان کی دولت پر فریفتہ ہو کر ایمان نہ لائیں اور قوی دل تاکہ مصائب و آلام سے گھبرا کر تبلیغ میں سستی نہ کریں وہ فاقے کرتے تھے۔ پیوند دار کپڑے پہنتے تھے۔ دنیا والوں کے ٹھاٹ باٹ ان کے یہاں نہ تھے مگر اس پر بھی وہ کبھی تنگ دل نہ ہوئے تھے اور جو فرائض خدا نے ان سے متعلق کئے تھے وہ برابر انجام دیئے جاتے تھے چاہے جان جائے یا رہے۔ کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ جب یہ صورت تھی تو بعض انبیاء کو بادشاہ کیوں بنایا جیسے یوسف، داؤد، سلیمان وغیرہ۔ اس کا جواب کئی صورت سے ہے۔

(۱) تاکہ دنیا والے یہ نہ کہیں کہ اگر وہ گناہ نہ کرتے تھے تو یہ قابل تعریف بات نہ تھی اگر ان کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہوتی اور پھر عیاشی نہ کرتے تب ہم جانتے لہٰذا کئی نبیوں کو بادشاہ بنا کر دکھا دیا کہ وہ بادشاہت کے زمانے میں فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔

(۲) اگر ان کے پاس دولت ہوتی حکومت ہوتی تو دیکھتے کیسے عدل و انصاف کرتے اور حقوق الناس کو ضبط نہیں کرتے۔

(۳) اگر بادشاہت ہوتی تو دیکھتے رعایا پر ظلم کرنے سے کیسے رکتے تھے۔

Marfat.com

(۴) اگر مال و دولت کی ریل پیل ہوتی تو دیکھتے کہ دن رات خدا کی عبادت میں کیسے مشغول رہتے اور بادشاہت کی مصروفیت میں تبلیغی کام کس طرح انجام دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان تمام اعتراضات کو رفع کرنے کے لئے اپنے پانچ نبیوں کو سلطنت عطا فرمائی۔ سکندری ذوالقرنین یوسف، داؤد، سلیمان اور حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ انہوں نے اپنے طرزِ عمل سے لوگوں پر واضح کر دیا کہ مال دنیا کی ان کی نظر میں کوئی وقعت نہیں اور سلطنت اس طرح کرتے ہیں کہ حقوق اللہ اور حقوق الناس کی حفاظت ہو ظالموں سے مظلوموں پر ظلم وستم کا بدلہ لیں۔

(۹۳) توبہ

پ الانعام ع ۷۔ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

(جو لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لائے ہیں جب تمہارے پاس آئیں تو کہو سلام علیکم تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کیا ہے بیشک تم میں سے جو کوئی نادانی سے کوئی گناہ کر بیٹھے اور پھر توبہ کرے اور اپنی حالت کی اصلاح کر لے تو خدا اس کا گناہ بخش دے گا کیونکہ وہ غفور ورحیم ہے)

قبول توبہ کے لئے کچھ شرائط ہیں۔

(۱) مومن ہونا۔ (۲) عمداً مرتکب گناہ نہ ہو بلکہ نادانستگی میں اس سے گناہ سرزد ہوا ہو۔ (۳) اپنی حالت کی اصلاح کرے اور بار دیگر اس گناہ کا مرتکب نہ ہو۔ (۴) صرف زبان سے توبہ کافی نہیں۔ (۵) خلوص دل سے توبہ کی جائے۔

Marfat.com

(۹۴) ابراہیم کو ملکوت سموات دکھائے گئے

پ الانعام ع ۱۵۔ وَكَذٰلِكَ نُرِيْ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ۔

(اس طرح ہم ابراہیم کو آسمان و زمین کی ساری سلطنتوں کا انتظام دکھاتے ہے تاکہ وہ (ہماری وحدانیت کا) یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں)

مفسرین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ ملکوت سموات وارض دکھانے کا کیا مطلب ہے

(۱) حضرت ابراہیم نے ملکوت سموات وارض دیکھ کر یہ پتہ چلا لیا کہ یہ سب حادث ہیں اپنی حرکت میں محتاج الی الغیر ہیں لہٰذا ان کو قدیم نہیں مانا جا سکتا کیونکہ ہر متغیر حادث ہوتا ہے ان کا بنانے والا قدیم اور واجب الوجود ہے۔

(۲) حضرت ابراہیم کے سامنے سے پردے ہٹا دیئے گئے اور انہوں نے چند منٹ میں نظام کائنات کو دیکھ لیا یہ قوت نبی کی آنکھ کے سوا دوسرے میں نہیں ہو سکتی۔

(۳) حضرت ابراہیم کو اللہ تعالیٰ نے ایسی عقل سلیم عطا کی تھی کہ انہوں نے سورج چاند ستارے کی گردش دیکھ کر ان کے حدوث کا پتہ چلا لیا یہی ملکوت سموات وارض کا دیکھنا تھا۔

(۹۵) حضرت ابراہیم کا استدلال

پ الانعام ع ۹۔ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ٥ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ٥ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ۔

(جب رات آئی اور انہوں نے ستارہ کو دیکھا تو کہا کیا یہ میرا رب ہے جب وہ غروب ہو گیا تو کہا میں غروب ہونے والے کو دوست نہیں رکھتا جب چاند کو چمکتا دیکھا تو کہا کیا

Marfat.com

یہ میرا رب ہے وہ غروب ہو گیا تو کہا اگر میرا رب رہنمائی نہیں کرتا تو میں گمراہوں میں سے ہو جاتا جب سورج کو چمکتا دیکھا تو فرمایا کیا یہ میرا رب ہے جب وہ بھی غروب ہو گیا تو فرمایا اے قوم تم خدا کا شریک جن کو بناتے ہو میں ان سے بیزار ہوں)

حضرت ابراہیم کے زمانہ میں تین قسم کا اعتقاد رکھنے والے لوگ تھے اول بُت پرست جو بتوں کی پوجا کرتے تھے اور ان کے چچا آزر کے یہاں بت سازی کی نیکٹری بھی تھی۔ دوسرے ستارہ پرست جو ستاروں کو مدبر فی الکائنات جانتے تھے تیسرے شخصیت پرست جو نمرود کو خدا مانتے تھے ہم یہاں صرف ستارہ پرستوں کا حال لکھیں گے۔

حضرت ابراہیم کے زمانے میں علم نجوم کا بڑا چرچا تھا۔ نجومیوں نے ستاروں کو رب النوع مان رکھا تھا ان کا عقیدہ تھا کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ ان ستاروں ہی کے تحت حکومت ہو رہا ہے ان کے مندر بنا لئے تھے جن کو ہیکل کہتے تھے انہی کی مورتوں کے سامنے بیٹھ کر پوجا پاٹ کرتے تھے۔

حضرت ابراہیم غار میں پیدا ہوئے تھے اور وہیں اپنا انگوٹھا چوس کر پرورش پائی تھی ان کی والدہ نے اس خوف سے ان کو باہر نہ نکالا کہ نمرود قتل کر ڈالے گا کیونکہ کاہنوں نے اسے خبر دی تھی کہ تیرا قاتل ابراہیم نامی ایک شخص ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے بچپن ہی میں ان کو عقل سلیم عطا فرمائی تھی اور عام بچوں جیسی ان کی نشو ونما نہ تھی وہ ایک دن میں اتنا بڑھتے تھے جتنا اور بچے ایک ماہ میں بڑھتے ہیں۔ جب اچھے سیانے ہو گئے تو ایک رات کو ان کی والدہ غار سے لے کر نکلیں۔ قوم کے خیالات اور عقاید کا ذکر تو پہلے ہی کر چکی تھیں اب جو حضرت ابراہیم نے ستارہ چمکتا دیکھا تو از راہ تعجب فرمایا کیا یہ میرا رب ہے۔ جب وہ چھپ گیا تو فرمایا میں ڈوبنے والوں کو دوست نہیں رکھتا یہی استدلال چاند اور سورج کے متعلق بھی تھا۔

حضرت ابراہیم کا یہ اعتراض السیافی اور اصولی تھا کہ نہ اس وقت کے لوگ غلط ثابت کر سکے اور نہ اس کے بعد آج تک کسی سے تردید ممکن ہوئی اور نہ قیامت تک ہوگی کیونکہ یہ

دلیل خدا کی سمجھائی ہوئی تھی۔ صورت اس کی یہ ہے

جو ستارہ اپنے مقام پر طلوع ہوا تھا وہ جگہ سے ہٹتے ہٹتے اس مقام تک پہنچ گیا جہاں نگاہ مخلوق سے وہ پنہاں ہو گیا۔ سوال یہ ہے کہ کونسی طاقت تھی جس نے ایک مقام پر اسے ٹھہرنے نہ دیا اور اسے حرکت دیتی ہوئی کہیں سے کہیں لے گئی۔ پس جس جرم نے کسی کی طاقت کے اثر کو قبول کر لیا وہ قادر مطلق نہیں کہلایا جا سکتا کیونکہ اس تغیر حالت سے اس کی کمزوری ثابت ہوتی ہے اور جو تغیر کو قبول کرنے والا ہوگا وہ مخلوق و حادث ہوگا۔ نہ کہ واجب اور قدیم۔

ستارہ پرستوں سے اس کا جواب تو نہ بن پڑا بلکہ ان کی جان لیوا بن گئے لیکن ان میں جو جو صاحب عقل سلیم تھے انہوں نے کہا ابراہیم کی بات تو ٹھیک ہے لہٰذا اس کے بعد انہوں نے ستارہ پرستی سے روگردانی کی۔ خدا کہتا ہے یہ دلیل ہم نے ابراہیم کو سکھائی تھی۔ دیکھنے قابل یہ بات ہے کہ ایک مختصر سی دلیل نے برسوں کے جمے ہوئے اعتقادات کی جڑ اکھاڑ کر

---

(۹۶) خدا کا مُردہ سے زندہ کو پیدا کرنا

پ الانعام ع ۱۲۔ اِنَّ اللّٰہَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ

(بیشک اللہ گٹھلی اور دانہ کو شگافتہ کر کے درخت کو روئیدہ کرتا ہے وہی زندہ کو مردہ سے اور مُردہ کو زندہ سے نکالتا ہے)

تفسیر البرہان میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حب (دانہ) سے مراد ہے مومن اور نوی سے مراد ہے کافر اور اسی طرح زندہ سے مراد ہے مومن اور مُردہ سے مراد ہے کافر یعنی مومنوں سے کافر پیدا ہوتے ہیں اور کافروں سے مومن یا یوں کہیے کہ خدا دانہ اور گٹھلی کو شگافتہ کرتا ہے پس گٹھلی از قسم جمادات ہے

سے زندہ پودے اگاتا ہے جو از قسم نباتات ہیں اور انہی پودوں سے دانے اور گٹھلیاں پھر پیدا کرتا ہے۔ اس طرح منی سے جو مردہ ہے انسان پیدا کرتا ہے اور انسان سے پھر منی انڈوں سے پھر پرندے خلق کرتا ہے اور پرندوں سے انڈے۔

(۹۷) عدم رویت باری تعالیٰ

پ الانعام ع ۱۷۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ۔

(اس کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں (نہ دنیا میں نہ آخرت میں) اور خدا لوگوں کی نظروں کو دیکھتا ہے اور وہ بڑا باریک بین اور خبردار ہے)

کس قدر احمق ہیں وہ لوگ جو خدا کی رویت کے قائل نہیں یہ نہیں سمجھتے کہ جب وہ کسی مکان میں محدود ہی نہیں یا کسی جہت کے اندر ہی نہیں کوئی رنگ یا جسم ہی نہیں رکھتا جس کو مخلوق سے کوئی مشابہت ہی نہیں تو دیکھیں گے کیا اسے کیونکر جب وہ سورج کو ان آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے تو بھلا خالق شمس کو کیا دیکھیں گے۔

اگر وہ ذات پاک دیکھنے کے قابل ہوتی تو موسیٰ سے یہ نہ کہتا۔ لن ترانی یعنی تم ہرگز مجھے نہ دیکھو گے (نہ یہاں نہ قیامت میں) موسیٰ کو نہ سہی جب رسول معراج میں گئے اور مقام قاب قوسین ادنیٰ تک پہنچے تھے تو وہیں ان کو دکھا دیتا۔

رویت باری کے قائل کہتے ہیں کہ جب قیامت میں سب جمع ہوں گے اور خدا ان سے سوال کرے گا تو وہ کس طرح ہوگا۔ جب تک سوال کرنے والا سامنے نہ ہوگا۔ جواب کیسے دیں گے آخر اس روز کرسی عدالت پر بیٹھنے والا کون ہوگا اور لمن الملک الیوم کون کہے گا جواب یہ ہے کہ جس طرح اس کے احکامات اس دنیا میں ہمارے پاس پہنچتے ہیں اسی طرح وہاں بھی پہنچیں گے۔ کیا یہاں وہ ہمارے سامنے آکر سوال و جواب کرتا ہے جیسے اس کے

نمائندے یہاں ان کی باتیں پہنچاتے ہیں اور ہمارے جوابات ایسے بتاتے ہیں ایسے ہی وہاں بھی ان پر احکام الٰہی نازل ہوں گے وہ آپ کو بتائیں گے کہ اللہ تعالیٰ تم سے یہ سوال کرتا ہے اس جواب دو تمہارے جوابات وہ اپنی قدرت کے کانوں سے سنے گا اور تمہارے متعلق جو اس کے احکام ہوں گے وہ بذریعہ سید المرسلین تم کو بتائے گا۔ فرشتے بھی اس کی طرف سے کلام کریں گے۔ بفرض محال اگر وہاں وہ تمہارے سامنے آ بھی جائے تو تم کیسے معلوم کرو گے کہ یہ خدا ہی ہے۔ آدم و شیطان اور ملائکہ کے درمیان جو بحث چھڑی تھی کیا خدا بجسم انسانی یا نوری ان کے سامنے آگیا تھا جیسے وہاں مکالمہ ہوا ویسے ہی قیامت میں بھی ہوگا۔

(۹۸) نماز کے وقت زینت کا حکم

پ الاعراف ع ۴۔ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ۔

(اے بنی آدم نماز کے وقت بن سنور کر جایا کرو) دنیوی بادشاہوں یا وزراء و امراء کے سامنے جب لوگ جاتے ہیں تو اچھا لباس پہن کر جاتے ہیں تو کیا مالک الملک کی سرکار میں جانے کے لئے کوئی زینت درکار نہ ہوگی۔ زینت سے مراد یہ ہے کہ صاف ستھرے کپڑے پہن کر نماز پڑھو۔ بدن سے کثافت دور کر کے پڑھو ہاں اگر مجبوری ہو تو جو لباس بھی تمہارے پاس ہو ایسا ہی پہن کر نماز پڑھ لو۔

امام حسن علیہ السلام جب نماز کے لئے آمادہ ہوتے تو نفیس لباس زیب تن فرماتے کسی نے سبب پوچھا تو فرمایا۔ اللّٰہُ جَمِیْلٌ وَّیُحِبُّ الْجَمَالَ۔ (اللہ جمیل ہے اور جمال کو دوست رکھتا ہے) یہ کہاں کی انسانیت ہے کہ میلے کچیلے کپڑے پہن کر ایک سڑی سی لنگی باندھ کر یا کہہ کر نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ ہماری نظر میں اس کی کوئی وقعت نہیں اس کے جلال کا دل پر کوئی اثر نہیں جس کی عبادت کے لئے ہم آمادہ ہوتے ہیں۔

Marfat.com

اگرچہ بحالتِ مجبوری اللہ نے ہر لباس میں نماز کی اجازت دے دی ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ جب پاک صاف کپڑے پہننے کا امکان ہو تو بھی دربارِ الٰہی کا احترام ترک کر کے اچھا لباس نہ پہنیں خصوصاً نمازِ جمعہ اور عیدین میں جہاں بہت سے لوگ مل کر نماز پڑھتے ہیں۔

(۹۹) قیمتی لباس پہننا حرام نہیں

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ۔ پ الاعراف ع ۴۔

اے رسول ان سے پوچھو کہ جو زینت کے ساز و سامان) اور کھانے کی صاف ستھری چیزیں اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں) وہ کس نے حرام کر دیں) اچھا لباس پہننا اور عمدہ غذا کھانا اسلام نے حرام نہیں کیا۔

ایک روز امام جعفر صادق علیہ السلام قیمتی لباس پہنے کہیں جا رہے تھے۔ سفیان ثوری نے اعتراض کیا کہ حضرت رسول خدا اور حضرت علی نے تو ایسا لباس کبھی نہیں پہنا فرمایا۔ حضرت رسولخدا جس زمانہ میں تھے وہ انتہائی تنگ دستی کا زمانہ تھا اور اب خوشی کا دور ہے۔ نیک لوگ اس خوشحالی سے فائدہ اٹھانے کے زیادہ سزاوار ہیں۔ پھر آپ نے مذکورہ بالا آیت پڑھی اس کے بعد فرمایا۔ اے سفیان تم میرا ظاہری لباس دیکھ رہے ہو یہ صرف دنیا پرستوں کے لئے پہن رکھا ہے۔ پھر ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جانب کھینچا اور دکھایا کہ اندر کا لباس کھدر کے کپڑے کا تھا اور فرمایا یہ میں نے اپنے لئے پہنا ہے اس کے بعد آپ نے سفیان کے اوپر کا لباس اٹھایا تو اندر نہایت نرم اور قیمتی لباس تھا۔

(۱۰۰) چھ دن میں زمین و آسمان بنائے گئے

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى

Marfat.com

عَلَی الْعَرْشِ - اللہ وہ ہے جس نے چھ دن میں آسمان و زمین کو پیدا کیا پھر عرش کے بنانے پر آمادہ ہوا)

بعض لوگوں کا یہ اعتراض ہے کہ آسمان و زمین سے مراد اگر اجرام سماوی ہیں اور ان کے ساتھ زمین بھی تو یہ تمام چیزیں چھ دن میں کیسے بن سکتی ہیں۔ مادی نظام تو قائم ہوتے ہوتے ہی ہوتا ہے اس کے اجزا کی ترتیب آناً فاناً میں نہیں ہو جاتی۔

پہلا جواب تو یہ ہے کہ انہوں نے خدا کی قدرت کا قیاس بنی آدم کی قدرت پر کیا ہے جو ذات قادر مطلق ہے اس کے اسباب کی فراہمی کیسی وہ لفظ کُن کہہ کر ہر شے کو پیدا کر دیتا ہے

دوسرا جواب یہ ہے کہ عالم بالا کے دنوں کا قیاس ہم اپنے دنوں پر کیوں کرتے ہیں جو ۲۴ گھنٹے کا ہوتا ہے خدا کے نزدیک ایک دن ہمارے شمار کے حساب سے ایک ہزار سال کا ہوتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے :- اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (تمہارے رب کے نزدیک ایک دن تمہارے شمار والے ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے) لہٰذا ہم کو اگر اپنے ہی حساب سے دیکھنا ہے تو آسمان و زمین کی خلقت چھ ہزار سال ہوتی ہے

یہ تو ہمارے سمجھانے کو چھ دن بتائے گئے ہیں ورنہ وہاں دنوں کا حساب کہاں۔ وہاں کی صورت تو یہ ہے :- اِنَّمَآ اِذَآ اَرَادَ اللّٰہُ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنَ - (اللہ جب کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے کہتا ہے ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے) چھ دن ذکر سے صرف حدوث کا ثابت کرنا مقصود ہے

علی العرش استوی کا ترجمہ بعض مفسرین نے یہ کیا ہے کہ وہ پھر عرش پر بیٹھ گیا۔ انہوں نے معاذ اللہ خدا کو صاحب جسم و حرکت قرار دیا ہے جو سر تا سر باطل ہے بلکہ اس کے معنی ہیں کہ وہ پھر عرش عظیم جیسی مخلوق کے بنانے کی طرف متوجہ ہوں۔ اس زمانہ کے ہیئت دانوں کا بیان ہے کہ جس کو نواں آسمان کہا جاتا ہے وہ نیپچون سیارہ ہے۔ غالباً عرش اسی سے مراد ہو۔ یہ سیارہ تمام اجرام سماوی سے بڑا ہے۔

ہمارے نظام شمسی (سولر سسٹم) سے اس کا تعلق نہیں اس کا نظام ہی علیحدہ ہے۔ وہ ہماری زمین سے اتنی دور ہے کہ تین سو برس بعد اس کی کرن زمین کو چھوتی ہے جب کہ آفتاب کی روشنی آٹھ سیکنڈ میں پہنچ جاتی ہے۔

(۱۰۱) خلق و امر

پ الاعراف ع ۱۷۔ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ۔

(خلق اور امر دونوں اس کے لئے ہیں برکت والا ہے وہ خدا جو رب العالمین ہے)

عالم خلق وہ عالم ہے جس میں ہر شے کی خلقت اسباب و وسائط پر موقوف ہے جیسے جب مرد و عورت ملتے ہیں تو عورت کے رحم میں نطفہ قرار پاتا ہے پھر وہ نطفہ علقہ بنتا ہے پھر علقہ مضغہ بنتا ہے پھر مضغہ ہڈی بنتا ہے پھر ہڈی پر گوشت چڑھتا ہے پھر اس میں روح پڑتی ہے۔ اتنے وسائط اور اسباب کے بعد انسان کا بچہ بنتا ہے بغیر ان کے پیدا نہیں ہو سکتا۔

عالم امر کا تعلق ان اسباب و وسائط سے نہیں بلکہ قدرت کے کُن (ہو جا) کہتے ہی وہ چیز ہو جاتی ہے۔ جیسے آدم کو بغیر ماں باپ کے اور حضرت عیسےٰ کو بغیر باپ کے پیدا کر دیا یا ابراہیم کو بچپن ہی میں عقل کامل دیدی یا وہ ایک دن میں اتنا بڑھتے تھے جتنا اور بچے ایک ماہ میں بڑھتے ہیں یا حضور سرور کائنات جیسا آگے سے دیکھتے تھے ویسا ہی پیچھے سے حضرات انبیاء کی زندگی میں بہت سے امور کا تعلق عالم امر ہی سے ہوتا ہے۔ ان کو عالم خلق کے اسباب و وسائط کے حلقہ میں تلاش نہ کرنا چاہیے۔

(۱۰۲) خلافت ہارونی

پ۹ الاعراف ع ۱۷۔ قَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ

Marfat.com

سَبِیۡلُ الۡمُفۡسِدِیۡنَ ۔ (موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ تم میری قوم میں میرے جانشین رہو ان کی اصلاح کرنا اور فساد کرنے والوں کے طریقہ پر نہ جانا)

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ نبوت اور وزارت ساتھ ساتھ چلنے والے عہدے ہیں

(۲) نبی اپنے ارادہ واختیار سے اپنا وزیر نہیں بناتا بلکہ خدا جس کا انتخاب کرے چنانچہ جب موسیٰ کو نبوت ملی تھی تو اسی وقت انہوں نے خدا سے یہ دعا کی تھی: - وَاجۡعَلۡ لِّیۡ وَزِیۡرًا مِّنۡ اَهۡلِیۡ هٰرُوۡنَ اَخِی - میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دے) چنانچہ خدا نے بنا دیا موسیٰ خود نہ بنا سکے۔

(۳) موسیٰ نے یہ کام امت کے مشورہ سے نہیں کیا بلکہ باختیار خود طور پر جاتے وقت حضرت ہارون کو اپنی جگہ چھوڑ گئے۔

(۴) چند دن کے لئے امت سے غیر حاضر ہو رہے تھے مگر باوجود اس کے اپنی امت کو بغیر اپنا جانشین بنائے نہیں چھوڑا تاکہ اصلاحی کام معرض التوا میں نہ پڑ جائے۔ خیال کیجئے اگر کوئی نبی ہمیشہ کے لئے اپنی امت سے جدا ہو رہا ہو تو کیسے ممکن ہے کہ وہ بغیر اپنا جانشین بنائے دنیا سے رخصت ہو جائے۔ ضرور بنایا اور اسی کو بنایا جو منصوص من اللہ تھے۔

(۵) حضرت موسیٰ کے طور پر جانے میں سوائے چند آدمیوں کے پوری قوم گمراہی میں مبتلا ہو گئی اور بجائے خدا کے گوسالہ پرست بن گئی۔

(۶) حضرت ہارون کے سمجھانے کا اس قوم پر کوئی اثر نہ ہوا کیونکہ وہ خلافت ہارونی سے خوش نہ تھے وہ ان کی جگہ سامری جیسے سرکش اور ساقط الایمان لوگوں کو موسیٰ کا خلیفہ بنانا چاہتے تھے

(۷) حضرت موسیٰ اپنے جانشین سے یہ کہہ کر گئے تھے کہ ان کی اصلاح کرتے رہنا اور مفسد کے راستے پر نہ چلنا۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت موسیٰ کی قوم میں کچھ مفسد لوگ ایسے تھے جن ان کی غیبت میں فساد برپا کرنے کا خوف تھا۔ اسی طرح حضرت رسول خدا جانتے تھے میرے بعد کچھ لوگ فساد برپا کریں گے۔ چنانچہ آپ نے حضرت علی کو بتا دیا تھا اور مجھ

Marfat.com

دیا تھا کہ وہ راہ حق پر ہر حالت میں ثابت قدم رہیں۔ انہی واقعات پر نظر رکھتے ہوئے آنحضرت نے حضرت علی سے فرمایا تھا۔

اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔

(کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم میرے لئے ایسے ہی ہو جیسے موسٰی کے نزدیک ہارون تھے مگر یہ کہ میرے بعد نبی نہ ہوگا)

(۸) حضرت کے طور پر جاتے ہی سامری نے گوسالہ بنا کر قوم موسٰی کو گمراہ کر دیا یعنی وہ بجائے خدا کے گوسالہ کو پوجنے لگے۔ حضرت رسول خدا جب باہر جاتے تھے تو کسی کو اپنی جگہ قائمقام بنا کر جاتے تھے اپنی امت سے یہ نہیں کہتے تھے جسے چاہو بنالو۔ پھر کیسے ممکن تھا کہ بغیر اپنا جانشین مقرر کئے دنیا سے رخصت ہو جاتے۔

---

(۱۰۳) رسالت اور کلام کے لئے موسٰی کا انتخاب میں آنا

پ ۹ الاعراف ع ۱۷۔ قَالَ یٰمُوْسٰٓی اِنِّی اصْطَفَیْتُکَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَبِکَلَامِیْ فَخُذْ مَآ اٰتَیْتُکَ وَکُنْ مِّنَ الشّٰکِرِیْنَ۔

(اے موسٰی میں نے تم کو تمام لوگوں پر اپنی پیغمبری اور ہمکلامی کا درجہ دے کر برگزیدہ کیا ہے پس جو کتاب (توریت) تم کو عطا کی ہے اسے لو اور شکر گزار رہو)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وادی ایمن میں جب نبی بنا لیا گیا تھا تو اب یہ نیا انتخاب کیوں ہوا۔ جواب یہ ہے کہ یہ انتخاب ان کی رسالت کا ہے یعنی اب تم کو کتاب دی جا رہی ہے پہلے نبی تھے اب رسول صاحب کتاب بنائے گئے۔ دوسرا انتخاب خدا سے ہم کلام ہونے کا ہے رسول کے لئے صاحب کتاب ہونا ضروری ہے تاکہ وہ احکام الٰہی کی تبلیغ اس کتاب کے مطابق کرے۔

Marfat.com

(۱۰۴) الواحِ توریت

پ ۹ الاعراف ع ۲۰۔ وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِن كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا سَأُرِيكُمْ دَارَ الْفَاسِقِينَ ۔

(ہم نے توریت کی تختیوں میں موسیٰ کے لئے ہر طرح کی نصیحت اور ہر چیز کا تفصیلوار بیان لکھ دیا تھا تو (اے موسیٰ) اسے مضبوطی سے لے لو (عمل کرو) اور اپنی قوم کو حکم دو کہ اس میں اچھی باتوں پر عمل کریں اور بہت جلد تمہیں بدکرداروں کا گھر دکھا دونگا)

الواح توریت کیا تھیں اس میں مفسرین کا اختلاف ہے:۔

(۱) یہ تختیاں زبرجد یا یاقوت کی تھیں جو بہشت سے نازل کی گئی تھیں۔

(۲) پتھر کی تھیں جن پر حضرت موسیٰ نے توریت کو لکھا تھا۔ یہ کام چالیس روز تک پہاڑ پر رہ کر انہوں نے کیا۔

(۳) یہ پتلے پتلے پتھر کے ٹکڑے تھے جن پر پتھر کی نوک سے توریت کو لکھا گیا تھا۔

(۴) ان الواح کی تعداد میں بھی اختلاف ہے کوئی کہتا ہے ۷ تھیں کسی کے نزدیک چالیس تھیں۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب اتنی تعداد میں پتھر کی یہ سلیں تھیں تو ان کو بغل دبا کر پہاڑ سے اترتے ہوئے اپنی قوم تک کیسے لائے۔

صحیح روایت یہ معلوم ہوتی ہے کہ لکھی لکھائی تختیاں قدرت کی طرف سے ان کو ملی تھیں ورنہ پوری کتاب کا پتھر کی سلوں پر پتھر کی نوک سے لکھنا اور اس تحریر کا باقی رہنا عقل قبول نہیں کرتی۔ ایسی ہموار اور صاف تختیاں طور پر کہاں سے آگئیں اور پھر چالیس روز میں توریت جیسی ضخیم کتاب اس طرح کیسے کندہ ہوئی کہ اس کے نقوش بنی اسرائیل کے پاس مدت دراز تک باقی رہے۔ آخر یہ کیسے ہوئے۔ لوگوں کے دلوں میں کیوں دھڑکن پیدا ہوئی کہ توریت لکھی لکھائی موسیٰ کو ملی تھی۔

سرسید احمد خاں آنجہانی تو اس کے قائل ہیں کہ موسیٰ نے خود پتھروں پر کھودا تھا۔ بہر حال وہ جانیں اور ان کی تحقیق۔

توریت میں ہر قسم کے موعظے تھے اور اخلاقی، معاشرتی اور تمدنی مسائل تفصیل سے بیان کئے گئے تھے۔ عبرانی زبان میں نازل ہوئی تھی۔ عبارت سادہ تھی اس سے قرآن مجید کی طرح تحدی نہیں کی گئی کہ اس کی مثل کوئی نہیں لا سکتا۔

اصلی الواح توریت حضرت موسیٰ کے بعد اولاد ہارون کے قبضہ میں تھی انہی سے احبار یعنی علماء یہود نے اس کی نقلیں کیں۔ عام لوگ جو کچھ معلومات کرتے تھے احبار سے کرتے تھے۔ ان کے ظاہری زہد و تقدس نے بنی اسرائیل پر پورا پورا تسلط کر لیا تھا۔ احبار نے یہ صورت دیکھ کر احکام و قصص توریت میں تحریف شروع کر دی۔ وہ امراء اور رؤسا سے روپیہ لے کر ان کی مرضی کے مطابق تبدیلی کر دیتے تھے اولاد ہارون کی بجائے عام لوگوں کا میل جول احبار سے زیادہ ہو گیا۔ یہی صورت آنحضرت کے بعد قرآن مجید کے متعلق ہو گئی۔ "فاعتبروا یا اولی الابصار"

(۱۰۵) سامری کا گئوشالہ

پ الاعراف ع ۱۸۔ وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسٰی مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِیِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ

(موسیٰ کی قوم نے ان کے طور پر جانے کے بعد اپنے زیوروں کو گلا کر ایک بچھڑے کی مورت بنایا جس میں گائے کی سی آواز تھی)

سامری بنی اسرائیل میں ایک جادوگر سنار تھا اس نے قوم سے وہ تمام زیورات جو قوم فرعون کے بعد مصر میں ان کے ہاتھ لگے تھے جمع کر کے ایک بچھڑے کی مورتی بنائی۔ جس سے گائے کی سی آواز نکلتی تھی اس نے بنی اسرائیل سے کہا موسیٰ طور پر جس سے ملنے گئے تھے وہ تو اس بچھڑے کے اندر بول رہا ہے تم لوگ اس خدائی آواز کا مطلب نہیں سمجھ سکتے

Marfat.com

مگر بولتا وہی ہے تم سب اسے سجدہ کرو۔ وہ بیوقوف اس کے جھانسے میں آ گئے اصل میں ان کی طبیعتیں بت پرستی کی طرف پہلے ہی سے مائل تھیں۔ حضرت موسیٰ کی وجہ سے اظہار نہ کر سکتے تھے اور ایک بار تو اظہار کر بھی دیا تھا۔ چنانچہ جب دریائے نیل کو پار کر کے خشکی پر پہنچے تو انہوں نے ایک قوم کو دیکھا کہ وہ بتوں کو سامنے رکھے اس کی پوجا پاٹ کر رہے ہیں ان میں گائے کی مورتی بھی تھی۔ ان کا دل للچا گیا۔ حضرت موسیٰ سے کہنے لگے ہمارے لئے ایسے ہی خدا بنوا دیجئے جیسے ان کے ہیں۔ سامری کو ان کے خیالات کا اندازہ تھا لہٰذا اس نے بچھڑا بنا کر ان کو بت پرست بنا دیا۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ حضرت جبریل گھوڑے پر سوار ہو کر اس وقت آئے تھے جب فرعون اور اس کے ساتھ دریائے نیل میں داخل ہونے سے رک رہے تھے۔ جبریل نے فرعون کے گھوڑے سے آگے اپنی گھوڑی بڑھائی وہ اس کی بو سونگھ کر اس کے پیچھے پیچھے مع فرعون کے دریا میں داخل ہو گیا اور اس کے پیچھے پیچھے اس کی ساری قوم بھی۔ سامری نے جبریل کے گھوڑے کے سُم کے نیچے کی مٹی اٹھالی تھی۔ اس مٹی کو اس بچھڑے کے اندر ڈال دیا جس کے اثر سے وہ بولنے لگا تھا یہ کچھ ایسی محیر العقول باتیں ہیں جو کسی کی سمجھ میں نہیں آ سکتی تھیں۔

(۱) سامری بنی اسرائیل کے ساتھ دریا پار کر چکا تھا اس نے وہاں سے جبریل کو کیسے دیکھ لیا جب کہ دریا کا پورا پاٹ اس کے اور جبریل کے درمیان حائل تھا۔

(۲) اس نے یہ کیسے جان لیا کہ گھوڑی پر سوار ہونے والے جبریل ہیں۔

(۳) اسے یہ کیسے علم ہوا کہ اس مٹی کو اگر بچھڑے میں ڈال دوں گا تو بولنے لگے گا۔

(۴) جب کہ وہ دریا کے پار تھا تو یہ مٹی گھوڑے کے سُم کے نیچے سے اٹھائی کیسے

مصر میں جادوگروں کی کوئی کمی نہ تھی سامری بھی انہی میں سے ایک تھا وہ بظاہر حضرت موسیٰ پر ایمان لے آیا تھا اس نے اپنے جادو کے زور سے بچھڑے کو ناطق کیا۔

بعض مفسرین کا قول سر سید نے اپنی تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ اس نے نالی کی قسم کے خالی

اس میں لگا دیئے تھے جب ہوا ان میں سے گزرتی تھی تو جیسے سیٹی سے آواز نکلتی ہے یا بانسری سے اس طرح اس سے نکلتی تھی لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ اس قسم کی آوازیں بچھڑے کی آواز سے مشابہ نہیں ہوتیں بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ بچھڑے کے اندر ایک آدمی چھپا کر بٹھا دیا کرتا تھا جو گائے کی سی آواز اپنے منہ سے نکالا کرتا تھا۔ لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ وہ بچھڑا اتنا بڑا نہ تھا کہ اس میں آدمی چھپ کر بیٹھ رہے

سورہ طہٰ ع ۵ میں ہے کہ جب موسیٰ نے سامری سے پوچھا کہ تو نے یہ کیا کیا تو اس نے کہا قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِنْ أَثَرِ الرَّسُولِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذَٰلِكَ سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي

مجھے وہ چیز دکھائی دی جو اوروں کو نہ سوجھی (جبریل گھوڑے پر سوار جا رہے تھے میں نے جبریل کے گھوڑے کے نشان قدم کی ایک مٹھی خاک اٹھالی اور وہ اس بچھڑے میں ڈال دی اس وقت میرے نفس نے مجھے یہی سجھائی)

قرآن میں یہ بیان سامری کا ہے جس کی تصدیق نہ خدا نے کی نہ جناب موسیٰ نے۔ اس نے صرف اپنی عقلمندی دکھانے کے لئے یہ بیان دیا تھا ورنہ حقیقت وہی ہے جو ہم پہلے لکھ آئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ جبریل امین فرعون کے ساتھ ساتھ اگر دریا کے کنارے تک آئے ہوتے تو ایسا کہنا صحیح ہو سکتا تھا۔ فرعون تو بیچ دریا میں غرق ہو چکا تھا۔ پھر جبریل امین کو دریا کا پانی چیرتے پھاڑتے کنارہ تک آنے کی کیا ضرورت تھی کیا وہ موسیٰ کو بشارت دینے آئے تھے کہ فرعون ڈوب گیا۔ کیا بغیر ساحل پر آئے ان کے لئے پرواز کرنا ممکن نہ تھا۔ جس کام کے لئے آئے تھے جب وہ ہو گیا تھا تو پھر کنارہ پر آنے کی کیا ضرورت تھی۔

---

۱۰۶ موسیٰ کا طور سے لوٹنا

پ۹ الاعراف ع ۱۸۔ وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِنْ بَعْدِي أَعَجِلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ وَأَلْقَى الْأَلْوَاحَ وَأَخَذَ بِرَأْسِ

Marfat.com

أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ قَالَ ابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُونِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ۔

(جب موسیٰ پلٹ کر اپنی قوم کی طرف آئے تو یہ حالت دیکھ کر رنج و غصّہ سے کہنے لگے تم لوگوں نے میرے بعد بہت بُری حرکت کی تم لوگ پروردگار کے حکم (میرے آنے) میں کس قدر جلدی کر بیٹھے اور توریت کی تختیوں کو پھینک دیا اور اپنے بھائی (ہارون) کے سر کے (بالوں) کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اس پر ہارون نے کہا اے میرے ماں جائے میں کیا کرتا اس قوم نے مجھے حقیر سمجھا (میرا کہنا نہ مانا) بلکہ قریب تھا کہ مجھے مار ڈالیں تو مجھ پر دشمنوں کو نہ ہنسوائیے اور مجھے ان ظالموں کا ساتھی نہ قرار دیجئے)

ان آیات میں حسب ذیل باتیں قابل غور ہیں:۔

(۱) سامری کی بدولت جو گستاخی ان کی قوم نے کی تھی اس پر اتنا غصہ آیا کہ آپے سے باہر ہو گئے کیونکہ انہوں نے بت پرستی قبول کر لی تھی اور دین الٰہی کو ترک کر دیا تھا۔ ایک نبی کے لئے اس سے زیادہ غصہ کی اور کیا بات ہوسکتی تھی۔

(۲) بظاہر ایک نبی کے لئے یہ ایک گستاخانہ عمل تھا کہ کتاب خدا کو پھینک دیا لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو قوم کی ضلالت و گمراہی پر ایسا شدید غصہ آنا ایک فطری امر تھا۔ اس حالت میں الواح توریت کا سنبھالنا دشوار ہوگیا اور ان کو سنبھال نہ سکے اور وہ زمین پر گر گئیں اس سے توریت کی توہین مقصود نہ تھی لہٰذا یہ امر قابل اعتراض نہیں۔

(۳) چونکہ حضرت ہارون کو خلیفہ بنا کر گئے تھے لہٰذا باز پرس انہی سے کی گئی اور غصہ میں ان کے سر کے بال پکڑ لئے کہ اگر انہوں نے کہنا نہ مانا تھا تو تم ان سے الگ کیوں نہ ہو گئے کہ ان پر عذاب نازل ہو جاتا تمہارے موجود رہنے کی جگہ سے نازل نہ ہوا۔ نیز تمہارے ان سے جدا نہ ہونے کی وجہ سے بنی اسرائیل نے سمجھا کہ ہمارے اس فعل سے یہ بھی راضی

Marfat.com

نیز لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ دینی معاملہ میں حقیقی بھائی کا بھی پاس اور لحاظ نہیں کیا جاتا مفسرین نے لکھا ہے کہ یابن اُمّ (میرے ماںجائے) اس لئے کہا کہ محاورہ ماں ہی طرف نسبت دینے کا ہے

کس قدر مشابہ ہے یہ واقعہ حضرت علیؑ کے واقعہ سے کہ حضرت رسول خدا کے وصال ہوتے ہی لوگ ان کے دشمن ہو گئے اور ان کو ذلیل اور قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

(۱۰۷) طور پر لیجانے کے لئے حضرت موسیٰ کا انتخاب

پ۹ الاعراف ع ۱۹ ؛ وَاخْتَارَ مُوسَىٰ مِنْ قَوْمِهِ سَبْعِينَ رَجُلًا لِمِيقَاتِنَا۔

(موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ہمارا وعدہ پورا کرنے کو (کوہ طور پر لیجانے کے واسطے) ستر آدمیوں کو چنا)

جب قوم موسیٰ اس پر اڑ بیٹھی کہ ہمیں اپنے ساتھ طور پر لے جاؤ تاکہ خدا کا کلام ہم بھی سنیں تو پہلے آپ نے ستر ہزار میں سات سو کو منتخب کیا پھر سات سو میں سے صرف ستر کو ساتھ لیا۔ جب کوہ طور پر پہنچے تو وہ ستر آدمی اکڑ گئے کہ ہم تو آپ پر جب ایمان لائیں گے کہ ہمیں خدا کو دکھا دیں۔ موسیٰ نے بہت کچھ سمجھایا بجھایا مگر ان پتھر دل کو کیا جونک لگتی جب موسےٰ نے دکھانے کا اقرار نہ کیا تو کہنے لگے ہم تم کو قتل کر دیں گے۔ آخر مجبور ہو کر بارگاہ باری میں عرض کی رَبِّ اَرِنِیْ (خداوندا مجھے اپنے کو دکھا دے) جواب ملا لن ترانی (تم مجھے ہرگز نہ دیکھو گے) زیادہ شوخ چشمی اور گستاخی کا نتیجہ یہ ہوا کہ زلزلہ نے ان کو دھر پکڑا بجلی چمکی طور جل گیا۔ موسیٰ غش کھا گئے اور قوم مر گئی۔ جیسا جس کا ظرف تھا ویسا اثر ہوا۔

حضرت موسیٰ جب ہوش میں آئے تو بارگاہ باری میں عرض کرنے لگے اے میرے پروردگار اگر تو چاہتا تو مجھے اور ان سب کو ہلاک کر دیتا۔ کیا چند احمقوں کے کرتوت کی سزا میں ہم کو ہلاک کرتا ہے یہ تو بڑی آزمائش تھی تو جسے چاہے گمراہی میں چھوڑ دے اور جسے

Marfat.com

چاہے ہدایت کر دے تو ہمارا ولی ہے ہمارا قصور معاف کر اور ہم پر رحم کر تو تمام بخشنے والوں سے بہتر بخشنے والا ہے۔ حضرت موسیٰ کو یہ خوف تھا کہ اگر یہ لوگ زندہ نہ ہوئے اور میں اکیلا قوم کے پاس گیا تو وہ مجھے ضرور مار ڈالیں گے۔ خدا نے ان کی دعا سن لی اور ان سب کو زندہ کر دیا

اس سے معلوم ہوا کہ رویت باری تعالیٰ کی درخواست حضرت موسیٰ نے اپنی خواہش سے نہیں کی تھی بلکہ قوم کے مجبور کرنے پر ایسا کیا تھا۔ اگر خدا قابل رویت ہوتا تو اپنے رسول کی درخواست کو کبھی رد نہ کرتا۔ اگر حضرت موسیٰ ان کو زندہ نہ کراتے تو قوم ان کو زندہ نہ چھوڑتی اس قصہ میں دو باتیں خاص طور سے قابل غور ہیں۔

(۱) حضرت موسیٰ نبی تھے رسول تھے کلیم اللہ تھے علم وحی رکھنے والے تھے انہوں نے اپنی قوم میں سے ستر آدمی ایسے انتخاب کئے جو ان کے نزدیک از روئے ایمان نہایت پختہ تھے لیکن طور پر جاتے ہی ان کا ایمان رخصت ہو گیا۔ پس جب نبی کا انتخاب صحیح نہ ہو تو بھلا ان لوگوں کو جو معصوم بھی نہ ہوں اور معمولی علم رکھتے ہوں کوئی انتخاب کیسے صحیح ہو جائیگا لہٰذا سوائے خدا کے کسی کا انتخاب صحیح نہیں مانا جا سکتا ایسی صورت میں ہم سقیفائی انتخاب کو کیسے قبول کر سکتے ہیں۔

(۲) مسئلہ رجعت ہے یعنی وقت ظہور امام عصر عجل اللہ فرجہ کچھ لوگ اس دنیا میں پھر آئیں گے ہمارے مخالف اس کو نہیں مانتے۔ سر سید صاحب نے مذاق اڑایا ہے اور کہا ہے جو مر گئے سو مر گئے دوبارہ کوئی سوائے قیامت کے زندہ نہ ہو گا وہ دیکھ لیں کہ قوم موسیٰ کے ستر آدمی دوبارہ زندہ ہوئے یا نہیں۔

(۱۰۴) اُمّی کے معنی

پ۹ الاعراف ع۱۹: اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا

Marfat.com

عندهم فی التورات والانجیل یامرهم بالمعروف وینهاهم عن المنکر ویحل لهم الطیبات ویحرم علیهم الخبائث ویضع عنهم اصرهم والاغلال التی کانت علیهم فالذین امنوبه وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہ اولئک هم المفلحون

(جو لوگ ہمارے نبی در سول اُمّی کے قدلقدم چلتے ہیں جس دکی بشارت) اپنے یہاں توریت وانجیل میں لکھی پاتے ہیں وہ وہ ہے جو اچھے کام کا حکم دیتا ہے اور بُرے کام سے روکتا ہے اور جو پاک چیزیں ہیں وہ ان پر حلال اور ناپاک گندی چیزوں کو ان پر حرام کر دیتا ہے اور وہ (سخت احکام کا) بوجھ جو ان کی گردنوں پر تھا اور وہ پھندے جو ان پر پڑے ہوئے تھے ان سے ہٹا دیتا ہے (پس یاد رکھو) جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اس کی عزت کی اور اس کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ نازل ہوا ہے تو یہی لوگ اپنے دل کی مرادیں پائیں گے)

اس آیت میں دو چیزوں پر غور کرنا ہے :-

(۱) لفظ اُمّی کے معنی (۲) وہ نور جو حضرت کے ساتھ نازل ہوا۔

(۱) جن لوگوں نے اُمّی کے معنی جاہل اور ان پڑھ لیئے ہیں وہ خود جاہل ہیں انہوں نے ایک ایسے رسول کی شان میں جس کو خدا نے خلقت آدم سے پہلے نبی بنایا تھا اور جس کو ہر وہ چیز تعلیم کر دی جسے وہ نہ جانتا تھا (علمك مالم تكن تعلم) سخت گستاخی کی ہے اگر اللہ تعالیٰ ایک جاہل کو نبی بناتا ہے تو یہ پڑھے لکھے لوگوں پر ظلم ہوگا اور خدا کے عدل وانصاف کے خلاف کیا کوئی پڑھا لکھا میسر نہ تھا کہ ایک جاہل کو نبی بنا لیا۔ نبی تو اپنے ماں کے پیٹ سے پڑھا لکھا پیدا ہوتا ہے النبی نبی ولو کان صبیا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ مصلحتاً لوگوں کے سامنے پڑھتا نہ ہو۔

خدا تو فرماتا ہے۔ الرحمن علم القران خلق الانسان علمه البيان۔ (رحمٰن وہ ہے جس نے پہلے تعلیم قرآن دی پھر اس انسان خاص کو پیدا کیا پھر اسے بیان کرنا سکھایا) ایسے نبی کو اس کے اُمّی جاہل قرار دیں کیسی عجیب بات ہے۔

Marfat.com

اُمّی کے معنی ام القریٰ یعنی مکہ کے رہنے والے کے ہیں جیسا کہ فرماتا ہے:-
ھو الذی بعث فی الاُمّیین رسولاً منھم (الخ) (اللہ وہ ہے جس نے مکہ والوں میں ایک رسول انہی میں
سے بھیجا) تو کیا اس کے یہ معنی ہوں گے کہ اس نے جاہلوں میں سے ایک جاہل کو مبعوث برسالت
کیا چونکہ اللہ تعالیٰ ہر نبی کو اس کی قوم ہی سے مبعوث کرتا ہے اس لئے یہ کہا گیا کہ مکہ والوں میں
سے حضرت کو مبعوث کیا۔

ہمارے اس قول کی تائید سورۃ قصص ع ۶ کی اس آیت سے ہوتی ہے۔
وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرىٰ حَتّٰى يَبْعَثَ فِي اُمِّهَا رَسُولاً يَتْلُوا عَلَيْهِمْ
اٰيَاتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرىٰ اِلَّا وَ اَهْلُهَا ظَالِمُوْنَ۔

(تمہارا پروردگار جب تک ان گاؤں کے صدر مقام پر اپنا رسول نہ بھیج لے اور وہ
ان کے سامنے ہماری آیات نہ پڑھ دے اس وقت تک بستیوں کو برباد نہیں کر
دیا کرتا اور ہم بستیوں کو برباد کرتے ہی نہیں جب تک وہاں کے لوگ ظالم نہ ہوں)
اس آیت میں اُم کے معنی صدر مقام کے ہیں پس امیین کے معنی ہوئے صدر مقام یعنی مکہ کے
رہنے والے کیونکہ مکہ کی آس پاس کی تمام بستیوں کا صدر مقام مکہ تھا۔

(۲) وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْ اُنْزِلَ مَعَہٗ (اور انہوں نے پیروی کی اس نور کی جو رسول کے
ساتھ نازل ہوا۔ اس نور سے مراد حضرات اہلسنت نے قرآن کو لیا ہے تو ذرا بتائیں کہ
جب قرآن حضرت کے ساتھ نازل ہوا ہے تو پھر حضرت جاہل کیسے ہوئے۔
اگر حضرت کے ساتھ نہیں نازل ہوا تو بتائیں وہ کونسا نور ہے جو ساتھ نازل ہوا تھا
ہم شیعوں کا عقیدہ ہے کہ وہ نور علی بن طالب ہے جو عالم نور میں بھی حضرت کے ساتھ تھا
عالم ظہور میں بھی صلب حضرت عبدالمطلب تک آپ کے ساتھ رہا۔

Marfat.com

(۱۰۹) من وسلویٰ

پ۹ الاعراف ع۲۰۔ وانزلنا علیھم المنّ والسلوٰی (ہم نے ان پر من وسلویٰ نازل کیا)

قوم موسیٰ بڑی ہٹی، ضدی اور سرکش تھی۔ بات بات پر حضرت کے ساتھ جھگڑا کرتی تھی ایک باد اس بات پر اکڑ گئی کہ یہ کھانے پکانے کا دھندا ہم سے نہیں ہوتا۔ خدا سے دعا کیجئے کہ وہ آسمان سے ہمارے لئے کچھ کھانا بھیج دیا کرے۔ حضرت موسےٰ نے بہت کچھ سمجھایا مگر وہ کہاں ماننے والے تھے آخر حضرت موسیٰ نے مجبور ہو کر خدا سے دعا کی چنانچہ من وسلویٰ نازل ہونا شروع ہوا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ رات کو جھاڑیوں پر ترنجبیں کی ایک روٹی اور بھنی ہوئی بٹیر جا بجا رکھی نظر آتی تھی اور ان کی تعداد کے لحاظ سے ہوتی تھی حکم تھا کہ صبح عبادت کے بعد جائیں اور اپنے اپنے حصہ کی ایک ایک روٹی اور بٹیر اٹھا لائیں زیادہ نہ لیں یہ غذا ایک آدمی کا پیٹ بھرنے کے لئے کافی تھی مگر شرارت تو ان کی گھٹی میں تھی۔ انہوں نے یہ کرنا شروع کیا کہ ایک ایک کی بجائے کئی کئی روٹیاں اور بٹیریں اس اندیشہ کے تحت اٹھا لاتے کہ مبادا کل بند ہو جائے اس سے بہت سے لوگ بھوکے رہ جاتے اس کے بعد یہ کہنا شروع کیا کہ ہم ایک کھانا کب تک کھاتے جائیں۔ کھاتے کھاتے اکتا گئے ہیں۔ اے موسیٰ خدا سے دعا کر وہ ہمیں ساگ پات ککڑی لہسن پیاز اور مسور دے تاکہ ذائقہ بدلے چنانچہ من وسلویٰ بند ہو گیا اور ان سے کہا گیا تم کسی شہر میں چلے جاؤ وہاں یہ چیزیں مل جائیں گی یہاں (وادی تیہ میں) نہیں مل سکتیں

سوال یہ ہے خدا بنی اسرائیل کی یہ تمام ہٹیں کیوں پوری کرتا تھا محض اس لئے کہ وہ ہر بات پر موسیٰ کو قتل کی دھمکی دیتے تھے لہٰذا نبی کو بچانے اور اپنے احکام کی اشاعت کے لئے ان کی ہٹیں پوری کی جاتی تھیں اور جب زیادہ سرکشی کرتے تھے تو پھر سخت سے سخت عذاب بھی ان پر نازل ہوتا تھا کسی نبی کی امت پر اتنے عذاب نازل نہیں ہوئے جتنے بنی اسرائیل پر ہوئے یہ عجیب قوم تھی کہ ان میں نکوکار بھی بہت تھے اور بدکار بھی بہت۔ سب سے زیادہ انبیاء

Marfat.com

اس قوم کی ہدایت کے لئے آئے۔

ایک وجہ نزول من وسلویٰ کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جب بنی اسرائیل بطور سزا وادی تیہ میں محصور تھے تو وہاں غذا کا سامان بمشکل ان کو میسر آتا تھا اس لئے انہوں نے موسیٰ سے یہ دعا کرائی تھی جو خدا نے ازراہ رحمت منظور فرمائی تھی۔

یوم سبّت کا واقعہ

پ ۹ الاعراف ع ۱۲۱۔ اذ یعدون فی السبت اذ تاتیھم حیتانھم یوم سبتھم شرعا ویوم لا یسبتون لا تاتیھم کذلک نبلوھم بما کانوا یفسقون ہ

(بنی اسرائیل جس بستی میں آباد تھے وہ ایک دریا کے کنارے واقع تھی جب یہ لوگ (یعنی یہودیوں کے اسلاف) شنبہ کے دن زیادتی کرنے لگے کہ جب ان کا شنبہ (والا عبادت کا) دن ہوتا تو مچھلیاں سمٹ کے ان کے سامنے پانی پر ابھر کے آجاتیں اور جب شنبہ والا دن نہ ہوتا تو مچھلیاں ان کے پاس ہی نہ پھٹکتیں (چونکہ یہ لوگ بدچلن تھے اس وجہ سے ہم بھی یوں ہی ان کی آزمائش کرتے تھے۔)

واقعہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل شب و روز دریا سے مچھلیاں پکڑنے میں لگے رہتے تھے خدا نے حکم دیا کہ شنبہ کے دن کوئی مچھلی کا شکار نہ کرے تاکہ ایک دن غریب مچھلیوں کو بھی آزادی سے گھومنے پھرنے کا موقع ملے ان شریروں نے اس حکم کے بعد یہ کیا کہ دریا کے قریب جابجا چھوٹے چھوٹے حوض بنا دیئے اور دریا سے نالی کاٹ کر ان سے ملا دی۔ شنبہ کو مچھلیاں آزادی کا دن سمجھ کر ان حوضوں میں آجاتیں۔ بنی اسرائیل نالی کا راستہ بند کر کے انہیں مقید کر دیتے اور دوشنبہ کو سویرے ہی جا کر ساری مچھلیاں پکڑ لیتے اس نافرمانی کی سزا میں قدرت نے ان کو بندر بنا دیا باقی حال ۱۲۱ میں پڑھو۔

Marfat.com

یہاں ایک اعتراض پیدا ہوتا ہے جب انسانوں کو بندر بنا یا گیا تو یہ آواگون نہیں تو کیا ہے کیونکہ اس میں بھی یہی ہوتا ہے کہ انسانی روح ایک قالب سے دوسرے قالب میں چلی جاتی ہے جواب یہ ہے کہ آواگون ایک دوامی چکر ہے روح انسانی برابر مختلف قالبوں میں جاتی رہتی ہے۔ یہاں جو بندر بنایا گیا اس کے معنی یا تو یہ ہیں کہ ان کی صورتیں بندروں جیسی بنا دی گئیں بعض کے نزدیک ان کی عادات بندروں کی سی کر دی گئیں اور اگر وہ بالکل بندر ہی بن گئے تھے تو تین روز سے زیادہ زندہ نہ رہے ایسی صورت میں آواگون کا اطلاق ان پر نہیں ہو سکتا۔

---

(۱۱۱) عہد الست

پ ۹ الاعراف ع ۲۲ :- وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ

(اے رسول وہ وقت یاد دلاؤ جب تمہارے پروردگار نے آدم کی اولاد سے یعنی پشتوں سے باہر نکال کر ان کی اولاد سے خود ان کے مقابلہ میں اقرار کرا لیا (پوچھا) کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں تو سب کے سب بولے ہاں ہم اس کے گواہ ہیں یہ ہم نے ان سے اس لئے کہا کہ ایسا نہ ہو کہیں قیامت کے دن بول اٹھو کہ ہم تو اس سے بالکل بے خبر تھے)

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے بہت سے لمبے چوڑے بیانات دیئے ہیں اور عہد الست کو مختلف صورتوں سے ظاہر کیا ہے۔ ہم بخوف طوالت ان سب کو ترک کرتے ہیں جو صاحب دیکھنا چاہیں تفسیر انوار النجف میں دیکھ لیں۔

یہاں تک مختلف تفاسیر کے مطالعہ کے بعد ہماری سمجھ میں آیا ہے اور تفسیر اہلبیت سے مدد ملی ہے وہ یہ ہے کہ بنی آدم کی پشتوں سے جتنے لوگ قیامت تک پیدا ہونے والے تھے ان کے اجزائے اصلیہ کو نکال کر سوال کیا گیا اجزائے اصلیہ صاحب عقل و ہوش تھے ورنہ

Marfat.com

وہ ربوبیت باری تعالیٰ کا اقرار کیسے کرتے یہ زمانہ عالم ذر کہلاتا ہے یعنی یہ اجزائے اصلیہ ذرہ ذرہ کی صورت میں نکال کر قدرت نے کسی مقام پر رکھے اور ان سے اپنی ربوبیت کا سوال کیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا ہے کہ سب سے پہلے عالم ذر میں جس نے ربوبیت الہیہ کا اقرار کیا اور اس کی توحید پر ایمان لایا وہ میں تھا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسان دو چیزوں کا نام ہے اجزائے اصلیہ اور اجزائے زائدہ اجزائے اصلیہ کبھی نہیں بدلتے اور اجزائے زائدہ ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔ انسان کبھی موٹا ہوتا ہے کبھی لاغر۔ یہ اجزائے زائدہ مواد ارضی سے بنتے ہیں یعنی اس غذا سے جو انسان کھاتا ہے مرنے کے بعد یہیں سپرد خاک کر دیئے جاتے ہیں عالم ذر سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

اجزائے اصلیہ نہایت لطیف ہیں وہ ہماری ان آنکھوں سے نظر نہیں آتے یہ مٹی کا جوہر ہیں خدا فرماتا ہے۔ لقد خلقنا الانسان من سُلٰلَةٍ من طِین۔ (ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا) اس کے بعد انہی اجزائے لطیفہ کو انسان کے نطفہ میں چھپا دیا پھر رحم مادر میں اجزائے زائدہ آنے شروع ہو گئے پہلے علقہ بنایا پھر مضغہ پھر ہڈی پھر گوشت یہ ہے ترتیب اجزائے زائدہ کی۔

اجزائے اصلیہ زندگی بھر ہر جاندار کے ساتھ رہتے ہیں بلکہ اسی کا نام زندگی ہے جب موت کے وقت یہ نکال لئے جاتے ہیں تو انسان کا جسم جسد بے روح بن جاتا ہے اور آثار زندگی ختم ہو جاتے ہیں۔ یہی اجزائے اصلیہ جب قیامت میں رکھے جائیں گے تو بدن کے اجزائے زائدہ جہاں کہیں بھی ہوں گے وہاں سے نکل نکل کر اپنے اجزائے اصلیہ سے آملیں گے جیسا کہ حضرت ابراہیم کے پرندوں سے ظاہر ہوا کہ انہوں نے چار پرندوں کا قیمہ کر کے ان کو ملایا اور پہاڑوں پر تھوڑا تھوڑا رکھ دیا پھر ہر پرند کے سر کو اپنی چٹکی میں لے کر اسے پکارا تو اس کے اجزائے زائدہ جہاں جہاں تھے، دُھنکی ہوئی روئی کی طرح اڑے اور اپنے اجزائے اصلیہ سے آملے جو سر کے اندر محفوظ تھے۔

Marfat.com

ہم اس مشکل مسئلہ کو ایک اور مثال سے سمجھاتے ہیں آدمی کے اندر سے ایک آواز نکلتی ہے "میں" بتائیے یہ آواز کون نکالتا ہے کیا بدن کی ہے نہیں کیونکہ جب وہ کہتا ہے میرا بدن تو معلوم ہوا بدن اور ہے اور میں کہنے والا اور کیونکہ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان غیریت ہوتی ہے پھر کیا آواز نفس کی ہے۔ نہیں کیونکہ جب وہ کہتا ہے میرا نفس تو معلوم ہوا نفس کوئی اور ہے اور میرا کہنے والا اور اسی طرح وہ کہتا ہے میری روح لہٰذا معلوم ہوا کہ میری روح کہنے والا کوئی اور ہے پس جب میرا کہنے والا نہ بدن ہے نہ نفس نہ روح تو ماننا پڑے گا کوئی اور ہے اور وہ اس کے اجزائے اصلیہ ہیں جو حقیقت انسانیہ ہیں انہی سے یوم الست خدا نے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا تھا انسان اس عہد کو بھول گیا اور یہاں آکر بجائے خدا کے شیطان کی اطاعت کرنے لگا۔ اللہ نے اسے یہ عہد یاد دلایا ہے۔

الم اعهد اليكم يا بنی آدم ان لا تعبدوا الشيطان انه لكم عدوٌ مبين

(کیا اے بنی آدم میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے)

عالم ذر ہی میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ عالم ظہور میں جا کر کون کیا کرنے والا ہے لہٰذا اسی کے مطابق اسے خلعت وجود عطا فرمایا اور اس سے اپنی توفیقات کو سلب کیا یا جاری رکھا۔

(۱۱۲) بلعم باعور

پ۹ الاعراف ع۲۲ ۔ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْ آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلٰكِنَّهُ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ ۔

(تم لوگوں کو اس شخص کا حال سناؤ جسے ہم نے اپنی آیتیں عطا کی تھیں پھر وہ ان

Marfat.com

سے نکل بھاگا اگر ہم چاہتے تو ان کی وجہ سے رتبہ بلند کر دیتے لیکن وہ دنیاوی معاملات میں پھنس گیا اور اس نے شیطان کی پیروی کی)

حضرت موسیٰ کے زمانہ میں ایک شخص بلعم باعور تھا جس نے سالہا سال خدا کی عبادت کی تھی جس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے اسے اسم اعظم کی تعلیم دی تھی اس کے واسطے سے وہ جو بھی دعا کرتا تھا قبول ہو جاتی تھی۔ فرعون نے ایک روز اس سے کہا کہ تو موسیٰ اور ان کی قوم کے لیے بددعا کر تاکہ یہ برباد ہو جائیں اور اسے بہت کچھ لالچ دیا وہ لالچ میں آگیا اور اپنے گدھے پر سوار ہو کر اپنے عبادت خانہ کی طرف جانا چاہتا تھا تاکہ وہاں بددعا کرے مگر خدا کی شان دیکھو گدھے نے آگے قدم نہ بڑھایا اس نے مارنا شروع کیا۔ بقدرت خدا وہ گدھا گویا ہوا مجھے کیوں مارتا ہے میں تیرے ساتھ کیسے چل سکتا ہوں جب کہ تو ایک نبی خدا کے لیے بددعا کرنے جا رہا ہے۔ آخر بلعم نے اتنا مارا کہ وہ مر گیا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اسم اعظم کو بھول گیا اور اس کی دعا کا اثر جاتا رہا اور بحالت کفر اس کی موت واقع ہوئی۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ چند جانور جنت میں جائیں گے۔

ناقۂ صالح، گرگ کنعان، سگِ اصحاب کہف، خر بلعم باعور، ہُدہُد سلیمان۔ لیکن یہ قابل تسلیم نہیں کیونکہ جنت انسانوں کے لیے ہیں جو مکلف ہیں نہ کہ حیوانوں کے لیے جن سے تکلیف ساقط ہے لہذا جزا و سزا کا ان سے تعلق نہیں البتہ جو امر خیر ان سے خاص خاص وقت میں صادر ہوا اور اس کا بدلہ ان کو دے گا جس طرح چاہے گا۔ ان جانوروں کے علاوہ اور بھی بہت سے جانور ایسے ہوئے ہیں جن سے انسان کے حق میں ہمدردی کا اظہار ہوا ہے تو بنا بر روایت اول ان کو بھی جنت میں جانا چاہیے اور یہ ثابت نہیں۔

(۱۱۳) قرآن میں دل کا ذکر ہے دماغ کا نہیں

پ۹ الانفال ع ۳۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ۔

(اور یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے دل (ارادہ) کے درمیان آجاتا ہے اور یہ بھی جان لو کہ تم سب اس کے سامنے حاضر کیے جاؤ گے)
مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ چاہے تو انسان کو اس کے ارادہ سے روک سکتا ہے۔ اس مطلب کو امیر المومنین علیہ السلام نے اس طرح ادا کیا ہے:۔ عرفت ربی بفسخ العزایم۔ (میں نے ارادوں کے ٹوٹنے سے اپنے رب کو پہچانا ہے) انسان ہزار ارادے کرتا ہے اور ان کے پورا کرنے کے لئے تمام سامان بھی مہیا کرتا ہے اور اپنی کامیابی کا اسے یقین بھی ہو جاتا ہے لیکن پھر بھی وہ ارادہ پورا نہیں ہوتا اس سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی قوت ہے جو ہمارے ارادے کو اپنی مصلحت کی بنا پر پورا نہیں ہونے دیتی اور ہمارے تمام ارادے اس کی قدرت کے تحت ہیں۔

دل کے متعلق ایک بہت نازک بحث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جابجا قرآن میں دل کا تو ذکر کیا ہے لیکن دماغ کا کہیں نہیں حالانکہ دماغ کو قلب پر فضیلت ہے کیونکہ دماغ ہی تو وہ عضو ہے جو ہر بات کو سوچتا ہے اور ظاہری اور باطنی تمام قوتوں کا مالک ہے۔ قوت سامعہ، باصرہ، لامسہ، ذائقہ، شامہ، حس شرک، حافظہ واہمہ، متخیلہ، متفکرہ۔ مدبرہ سب قوتوں کا وہی مالک ہے تمام اطلاعات اسی کے پاس آتی ہیں گویا وہ تمام قوتوں کا مرکز ہے اب رہا دل تو وہ صرف خون کا ایک خزانہ ہے جس کا کام صرف یہ ہے کہ وہ خون کو رگوں میں گردش دیتا رہے اگر دماغ کا توازن جاتا رہے تو انسانیت ہی ختم ہو جاتی ہے آدمی ایک مضغہ گوشت رہ جاتا ہے۔

جواب یہ ہے کہ دماغ جس کو کہتے ہیں اس کے اندر چند پوٹلیاں ایک خاص مادے کی بنی ہوئی رکھی ہیں۔ ہر پوٹلی ایک خاص قوت کا مرکز ہے اگر دل کی طرف سے ان لطیف مرکزوں کو خون نہ ملتا رہے تو یہ سب قوتیں بیکار ہو جاتی ہیں۔

اس کو ایک مثال کے ذریعہ سے سمجھیے۔

ہر شہر میں الگ بجلی کا ایک پاور ہاؤس ہوتا ہے جس کی برقی قوت شہر میں مختلف کام کرتی ہے کہیں پنکھا گھماتی ہے کہیں انجن چلاتی ہے کہیں بھٹی میں آگ بھڑکاتی ہے کہیں بلب روشن کرتی

Marfat.com

کرتی ہے کہیں ریڈیو سے آواز نکالتی ہے کہیں ٹیلی ویژن پر تصویریں دکھاتی ہے یہ سب کام برقی قوت کی مدد سے ہو رہے ہیں اگر پاور ہاؤس فیل ہو جائے تو پھر سب کاروبار تمام بجلی کے سارے کرشمے ایک دم ختم ہو جائیں۔ سارا شہر تاریکی کی لپیٹ میں آجائے پس ہم ان قوتوں کا مختلف طریقے سے ذکر کرتے ہیں نہ شہر کو ان سب کا کارپرداز قرار نہیں دیتے بلکہ پاور ہاؤس کو سمجھتے ہیں اگرچہ یہ سب قوتیں شہر ہی میں ہیں مگر ان کے لئے شہر قابل ذکر نہیں ہوتا بلکہ پاور ہاؤس ہوتا ہے شہر میں تو اس کے مراکز بنا دیئے جاتے ہیں۔ جن کے ذریعہ سے برقی رو اپنا کرشمہ دکھاتی ہے۔

دل درحقیقت پاور ہاؤس ہے جہاں سے ویوز آف لائف یا امواج حیات چھوٹتی ہیں کچھ جسم کی طرف جاتی ہیں کچھ دماغ کی طرف۔ اب دماغ کو ایک شہر سمجھو جہاں برقی قوت کے مختلف کارخانے ہیں وہ امواج حیات کہیں قوت بصارت بن جاتی ہیں اور کہیں قوت سماعت کہیں قوت فکر اور کہیں قوت خیال اگر دماغ مرکز حیات ہوتا تو اس کے فیل ہو جانے کے بعد حیات انسانی ختم ہو جاتی برخلاف اس کے اگر دل فیل ہو جائے تو زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے جب پاور ہاؤس نہ رہا تو بجلی کی لہریں اٹھیں گی کہاں سے۔ یہی وجہ ہے کہ قدرت نے ہر جگہ قلب کا ذکر کیا ہے جو تمام قوتوں کا اصلی مرکز ہے۔ دماغ اپنی روزی اسی سے حاصل کرتا ہے

اگرچہ قرآن مجید میں لفظ دماغ کا ذکر نہیں ہے لیکن اس کے اندر جتنی قوتیں ہیں ان سب کا ذکر مختلف مقامات پر موجود ہے انھیں سب کو ملا کر دماغ سمجھ لو جیسے منطق میں انسان کی تعریف یوں کی جاتی ہے مستقیم القامت عریض الاظفار، بادی البشرہ، ضحاک بالطبع پس جہاں یہ سب باتیں پائی جائیں اسی کا نام انسان ہے۔

(۱۱۴) مال اور اولاد فتنہ ہیں

پ۹ الانفال ع ۳۔ وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (جان لو کہ تمہارے مال

اور تمہاری اولاد تمہاری آزمائش کی چیزیں ہیں)

عجیب بات یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں انسان کی راحت و آرام اور خوشی کا سبب بھی ہیں اور انتہائی تکلیف اور رنج کا باعث بھی۔ ان کی حفاظت میں کبھی کبھی جان پر بن جاتی ہے ان کے حصول میں لاکھوں بلائیں مول لی جاتی ہیں۔

ان ہی کے باعث اکثر انسان کا قدم جادۂ اعتدال سے ہٹ جاتا ہے اور طرح طرح کے گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اگر یہ مال حلال طریقہ سے کمایا گیا اور حقوق اللہ اور حقوق الناس کے ادا کرنے میں صرف کیا گیا تو عاقبت بخیر اور اگر حرام طریقہ سے حاصل کیا گیا اور فسق و فجور اور عیاشی میں صرف کیا گیا تو داخل دوزخ۔ اولاد اگر سعید و صالح ہے تو دین و دنیا دونوں میں فلاح اور اگر بدچلن بداطوار فریبی مکار بنا دی گئی تو دنیا میں باعث بدنامی اور آخرت میں باعث رسوائی۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ ماں باپ کو پرورش اولاد کی طرف بڑی توجہ رکھنی چاہیے اللہ تعالیٰ نے مال و اولاد دونوں کو ذریعہ امتحان قرار دیا ہے۔ دولت کے غرور میں آدمی خدا کو بھول جاتا ہے اسی طرح اولاد کی محبت اور اس کی پرورش کی تگ و دو میں احکام خدا سے منہ موڑ لیتا ہے۔
بہر حال بڑا خوش نصیب ہے وہ شخص جو ان دونوں پہلوؤں کو سنبھالے ہوئے چلے اور دونوں امتحانوں میں کامیابی حاصل کرے دولت کمانا یا اولاد کو پیدا کرنا انسان کا کمال نہیں کمال تو ان دونوں کے دائرہ انسانیت کے اندر رہنے میں ہے اور خدا اور رسول کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے میں

---

(۱۱۵) کیا رسول کے ہوتے امت پر عذاب نہ ہوگا

پ ۹ الانفال ع ۴۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْا اَوْلِيَآءَهٗ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ (جب تک تم ان لوگوں کے درمیان

Marfat.com

موجود ہو خدا ان پر عذاب نہیں کرے گا اور ایسا بھی نہیں ہے کہ لوگ تو اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہے ہوں اور خدا ان پر عذاب نازل فرمائے۔ جب یہ لوگ مسجد الحرام (خانہ کعبہ کی عبادت) سے روکتے ہیں تو پھر ان کے لئے کونسی بات باقی ہے کہ ان پر عذاب نازل نہ کرے اور یہ لوگ خانہ کعبہ کے متولی بھی نہیں (پھر کیوں روکتے ہیں) اس کے متولی تو صرف پرہیزگار لوگ ہیں مگر ان کافروں میں سے بہتیرے یہ بات جانتے ہی نہیں)

حضرت رسول خدا مسلمانوں کے لئے امان کا باعث ہیں اسی طرح ان کے اہل بیت باعث امان ہیں (صواعق محرقہ) اس قسم کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس طرح ستارے اہل آسمان کے لئے باعث امان ہیں اسی طرح میرے اہلبیت زمین والوں کے لئے ہیں (صواعق محرقہ)

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ مذکورہ بالا آیت میں کیا مطلب ہے ان الفاظ کا کہ جب تک اے رسول تم ان میں ہو اللہ عذاب نہیں کرے گا۔ عذاب سے یہاں کیا مراد ہے اس کے متعلق سرسید احمد خان نے اپنی تفسیر انوار القرآن میں لکھا ہے:-

اس آیت میں عذاب کو کسی خاص قسم کے عذاب سے مقید و مخصوص نہیں کیا ہے اس لئے اس پر غور کرنا ہے کہ اس عذاب سے کس قسم کا عذاب مراد ہے۔

" اگلی اور پچھلی تمام آیتوں پر غور کرنے سے خصوصاً ۲۹ ویں آیت پر لحاظ کرنے سے جس میں ایک فیصلہ کرنے پر فتح کی بشارت دی گئی ہے اور بیسویں آیت جس میں قریش مکہ سے لڑنے اور ان کے قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ۳۶ ویں آیت جس میں قریش مکہ کو عذاب دینے کی وجہ بیان کی گئی ہے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آیت میں عذاب سے مراد لڑائی میں شکست کھانا اور مارا جانا ہے اور اس مطلب کو انتے فیھم کے الفاظ زیادہ روشن کر دیتے ہیں کیونکہ جب تک آنحضرت مکہ میں رہے تو قریش سے جو مکہ میں تھے لڑنا اور ان کو قتل کرنا واجب نہ تھا مگر جب وہاں سے آنحضرت اور مسلمانوں

نے ہجرت کی تو اب ان سے لڑنا اور قتل کرنا واجب ہو گیا جو اس آیت کے بعد کی آیت سے ظاہر ہوتا ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ جب تک کفار مکہ کے درمیان حضور رہے ان پر قتل کرنے کا عذاب نہیں آیا لیکن جب حضور ان کے درمیان سے نکل آئے تو اس عذاب میں گرفتار ہو گئے۔

بعض مفسروں نے یہ مراد لی ہے کہ جب حضور کا وجود مسلمانوں کے درمیان رہا ان کی امت پر عذاب کی کوئی صورت نہیں ہوئی لیکن یہ کہنا صحیح نہیں کیونکہ حضرت کی موجودگی میں واقعہ غدیر خم کے بعد حارث بن نعمان فہری پر عذاب آیا جس کے متعلق قرآن میں ہے ا۔ سَئَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ عَلَی الْکَافِرِیْنَ لَیْسَ لَہٗ دَافِعٌ۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح عذاب پہلی امتوں بالخصوص بنی اسرائیل پر نازل ہوا کرتے تھے اور ہزارہا آدمی ہلاک ہو جاتے تھے ایسے عذاب امت محمدی پر حضور کی موجودگی میں خدا کی طرف سے نازل نہیں ہوئے اور نہ آج تک نازل ہوئے کیونکہ اہلبیت رسول اہل زمین کے لئے باعث امان ہیں۔

---

(۱۱۶) خمس اور اس کے مستحق

پ الانفال ع۔ وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ اِنْ کُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰہِ الخ۔ ۔ ۔ ۔

اور جان لو کہ جو کچھ تم (مال لوٹ کر) لو تو اس میں سے پانچواں حصہ مخصوص خدا اور رسول اور رسول کے قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور پردیسیوں کا ہے اگر تم خدا پر ایمان رکھتے ہو)

احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کا حصہ تو رسول کا ہے اور اس کے بعد امام کا اور رسول کا حصہ تو ان کے قرابت داروں اور یتیم و مسکین اور پردیسی کا ہے بشرطیکہ ان کا قرابت دار یعنی

Marfat.com

سیّد ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ خمس کے تمام حصّے رسول اور ان کی اولاد کے لئے خاص ہیں۔ اس لئے خدا نے غیر سیّد کی زکوٰۃ سادات پر حرام کر دی ہے کیونکہ وہ ایک قسم کا صدقہ ہے اور صدقہ کھانا اولاد رسول کی توہین ہے۔

اللہ اللہ! خدا و رسول کو تو سادات کی عزت کا اتنا خیال ہے اور اس زمانہ میں بھیک مانگنا اور صدقہ لینا سادات کو ناگوار نہیں ہوتا اور نہایت بیباکی سے ایسا کرتے ہیں اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مسلمانوں نے سادات کا حق مار لیا اور خمس کو دوسرے کاموں میں صرف کرنے لگے جس سے سادات پر مصیبت آ گئی اب مسلمانوں کی نظر میں سادات کا کوئی وقار ہی نہیں حالانکہ رسول فرما گئے ہیں: اَکْرِمُوْا اَوْلَادِیْ الصَّالِحِیْنَ لِلّٰہِ وَالطَّالِحُوْنَ لِیْ (میری اولاد میں جو نیک ہیں ان کی تعظیم خدا کے لئے کرو اور جو بد ہیں ان کی میری خاطر سے) اللہ تعالیٰ نے اولاد رسول کو عسرت و تنگ دستی سے بچانے اور دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانے سے روکنے کے لئے اور ان کی اقتصادی حالت درست رکھنے کے لئے پورا پورا سامان کر دیا تھا مگر خدا سمجھے ان مسلمانوں سے جنہوں نے اولاد رسول کو ان کے جائز حق سے محروم کر دیا۔ سب سے پہلے حضرت عمر نے یہ احسان سادات پر کیا۔ ان کے زمانہ میں جو رقم خمس ہوتی تھی اس کو بجائے سادات پر صرف کرنے کے امور لشکر میں صرف کرتے تھے ان کا تو مقصد ہی یہ تھا کہ اولاد رسول فاقے کرتی کرتی مر جائے ان کو کبھی فارغ البالی نصیب نہ ہو کیونکہ ان کی جد نے قصور ہی ایسا کیا تھا کہ کفر کی تاریکی سے نکال کر اسلام کی روشنی میں لے آئے تھے۔

(۱۱۷) کافر ماں باپ کا رشتہ اولاد سے ختم ہو جاتا ہے

پ۱۰ توبہ ع ۱:- یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا اٰبَآءَکُمْ وَاِخْوَانَکُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْکُفْرَ عَلَی الْاِیْمَانِ وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔

(اے ایمان والو اگر تمھارے ماں باپ بہن بھائی ایمان کے مقابل کفر کو ترجیح دیتے

ہوں تو ان کو اپنا خیر خواہ نہ سمجھو اور جو کوئی ان سے الفت رکھے گا تو یہی لوگ ظالم ہیں)

خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان اولاد کا رشتہ کافر ماں باپ سے قطع ہو جاتا ہے۔

پادری مظہر الحق نے اپنے ایک لیکچر میں کہا ہے کہ اسلام ظلم پسند ہے وہ انسانی فطرت پر ظلم کا روادار ہے۔ ہر شخص اپنے ماں باپ سے فطری محبت رکھتا ہے اسلام کہتا ہے ان سے تعلق نہ رکھو۔ کیا یہ ظلم نہیں۔

جواب یہ ہے کہ ظلم نہیں ہے بلکہ اپنے نفس کو کفر کی بدبو سے بچاتا ہے ایسے لوگوں سے تعلقات رکھنے میں یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی اولاد پر دباؤ ڈال کر یا سمجھا بجھا کر اسلام سے برگشتہ کر دیں۔ اصلی رشتہ تو روحانی و ایمانی ہوتا ہے کیونکہ عاقبت بخیر ہونے کا تعلق اس سے ہے جب وہی رشتہ ٹوٹ گیا تو مادی رشتہ اس کے مقابل کوئی چیز نہیں۔

اسلام نے کافر ماں باپ سے حسن سلوک کو روا رکھا ہے لیکن ان کے ساتھ مل جل کر بیٹھنا، کھانا پینا ان کے معاشرہ میں شریک ہونا روا نہیں رکھا کیونکہ اسلام کا کفر سے کوئی میل جول نہیں تاکہ اسلامی عقائد پر اس کا برا اثر نہ پڑے۔

(۱۱۸) مشرک نجس ہے

پ۱۰ توبہ ع ۴:۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا (اے ایمان والو مشرکین بڑے نجس ہیں اور اس سال کے بعد مسجد الحرام کے پاس بھی نہ پھٹکنے پائیں)

تفسیر انوار النجف میں مولانا حسین بخش صاحب قبلہ نے لکھا ہے کہ لفظ نجس جس کے معنی ناپاک کے ہیں جب لفظ رجس کے ساتھ آتا ہے تو حرف ج پر کسرہ آجاتا ہے جیسے رجس نجس کہتے ہیں قرآن یا حدیث سے اس کا ثبوت نہیں دیا۔

کلام عرب میں دونو لفظ بمعنی ناپاک استعمال ہوتے ہیں زیادہ بڑی نجاست پر نجس بفتح ج بولتے ہیں۔

آیہ مذکورہ سے ثابت ہوا کہ مشرکین کتے، سور کی طرح نجس العین ہیں یعنی ان کی نجاست متعدی الی الغیر ہے اور ان کا ہر جزو نجس ہے۔ اگر یہ کسی چیز کو تر ہاتھ لگائیں یا تر ہاتھ سے کوئی ان کو چھو لے تو وہ نجس ہو جائے گا۔ یہ اس لئے کہ مسلمان ان سے میل جول قطعاً ترک کر دیں تاکہ ان کے عقائد فاسدہ سے محفوظ رہیں۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ مشرکین سور کی طرح نجس العین ہیں اور یہی امام حسنؑ علیہ السلام کا قول ہے (تفسیر بیضاوی جلد ۱، تفسیر کشاف جلد ۲، تفسیر رازی میں بھی مشرکین کی نجاست کو تسلیم کیا گیا ہے۔

سر سید احمد خاں صاحب کا خیال ہے کہ اس سے مراد نجاست باطنی ہے نہ کہ ظاہری۔ کیونکہ ان کے بدن پاک صاف ہوتے ہیں (یعنی خوب صابن سے نہاتے دھوتے ہیں) پھر اہل کتاب میں ان کے کھانے کی قرآن نے اجازت دی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام نے مشرکین کو جب نجس العین قرار دیا ہے تو ان کے بدن کا ہر جزو نجس ہے جیسے سور و کتا چاہے کتنا ہی صاف ستھرا ہو۔ صبح و شام صابون سے نہلایا جائے مگر وہ نجس کا نجس ہی رہے گا۔ مشرکین کے نہانے دھونے صاف ستھرا رہنے سے ان کی نجاست برطرف نہیں ہوتی۔ اول تو یہ کہ وہ جسمانی طہارت بقاعدہ اسلامی نہیں کرتے جیسے پیشاب کے بعد طہارت نہیں۔ پاخانہ کو کاغذ سے صاف کرنے میں غسل جنابت نہیں کرتے۔ شراب کپڑے یا جسم پر گر جائے تو اسے پاک نہیں کرتے۔ وغیرہ وغیرہ۔ پھر ان کا پسینہ نجس ہے جس کا اثر ان کے بدن پر رہتا ہے۔ نجاست باطنی کا اثر اس چیز پر بھی پڑتا ہے جو اس سے متصل ہو۔ مثلاً شراب نجس ہے لہذا جس برتن میں بھی ہو وہ بھی نجس ہے چاہے کتنا ہی صاف و شفاف ہو۔ نجس العین سے قطعاً دور رہنے کے لئے یہ احتیاط عند العقل ضروری ہے لہذا یہ کہنا کہ قرآن نے اہل کتاب کے پکائے ہوئے کھانے کی اجازت دی

غلط ہے کیونکہ وہاں طعام سے مراد خشک اناج ہے چونکہ مسلمانوں نے یہودی تاجروں سے غلہ خریدنے سے گریز کی تھی اور ان کا پوری طرح بائیکاٹ کر رکھا تھا اس سے ان کو غلہ کی فراہمی میں دقت محسوس ہو رہی تھی اس لئے کہ غلہ کے بڑے بڑے تاجر یہود و نصاریٰ ہی تھے۔ لہٰذا اسلام نے خشک چیزیں خریدنے کی اجازت دیدی نہ کہ تر کھانے کی۔ اہل کتاب ہوں یا غیر جن لوگوں نے کسی کو بھی اللہ کا شریک بنایا ہے وہ ظاہراً اور باطن دونوں طرح نجس ہیں۔

یورپ وامریکہ میں جا کر اہل کتاب کی ظاہری طہارت کا پتہ چل جائے گا وہ کتوں کو اپنی گود میں بٹھاتے ہیں ان کا منہ چومتے ہیں۔ سور کا گوشت کھاتے ہیں اور نہ ہاتھ دھوتے ہیں نہ منہ رومال سے صاف کرتے ہیں۔ شراب پیتے ہیں اور منہ تک صاف نہیں کرتے۔ ایسی حالت میں ان کے اجسام کو کیسے پاک طاہر سمجھا جائے چونکہ دولت اور حکومت اور عقل ان کے پاس ہے صاف ستھرا لباس پہنتے ہیں اس لئے مسلمانوں کو ان کی ہر بات اچھی معلوم ہوتی ہے۔

---

(۱۱۹) یہود و نصاریٰ کا شرک باللہ

پ ۱۰ تو بہ ع ۵ :- وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ۔

(یہودی کہتے ہیں عزیر خدا کے بیٹے ہیں نصاریٰ کہتے ہیں مسیح ابن اللہ ہیں یہ تو ان کی بات ہے خود ان ہی کے منہ سے نکلی ہوئی) یہ لوگ ان کافروں کی سی بات کہنے لگے جو ان سے پہلے گزر رہے ہیں)

اللہ تعالیٰ میں مخلوق کی کوئی صفت نہیں پائی جاتی اور نہ مخلوق میں اس کی کوئی صفت۔ دعائے صباح میں امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ يَا مَنْ دَلَّ عَلٰى ذَاتِهٖ بِذَاتِهٖ وَتَنَزَّهَ عَنْ مُجَانَسَةِ مَخْلُوقَاتِهٖ۔ (اس کی ذات خود ہی دلیل اس کی ذات پر ہے اور

Marfat.com

وہ اپنی مخلوق کی مشابہت سے پاک ہے) جب خدا ایسا ہے تو عزیر و مسیح کس اعتبار سے ابن اللہ ہیں کیا جیسے ہماری اولاد ہوتی ہے اسی طرح کی اولاد ہیں تو پھر خدا میں مخلوق کی سی صفات پیدا ہو جائیں گی اور وہ واجب الوجود اور قدیم بالذات نہ رہے گا اس کی صفت تو یہ ہے صاحبۃ لہ ولا ولدا (نہ اس کے جورو ہے نہ اولاد) اگر پیار کی وجہ سے ابن اللہ کہا جاتا ہے تو یہ بھی غلط ہے اللہ کا پیار تو عام ہی انبیاء پر ہے حضرت محمد مصطفےٰ مقام محبت میں تو حبیب اللہ ہیں تو اسی طرح روح اللہ ہیں۔

اگر ظہور معجزات کی بنا پر وہ ابن اللہ ہیں کہ مردوں کو زندہ کرتے تھے تو ایسا اور انبیاء نے بھی کیا ہے۔ بیماروں کو اچھا اور انبیاء نے بھی کیا ہے۔ پھر حضرت عیسٰے تو ہر موقع پر باذن اللہ کہتے تھے یعنی میں جو کچھ کر رہا ہوں باذن خدا کر رہا ہوں تو بجائے پیغمبر کے ابن اللہ کیوں کہا جائے انبیاء کے تمام معجزات باذن اللہ ہوتے تھے تو کیا وہ سب خدا کے بیٹے ہو گئے۔

اگر عزیر توریت کو واپس لائے یا سو برس مُردہ پڑے رہے اور پھر زندہ ہو گئے تو یہ نہ اُن کی کرامت کہی جاسکتی ہے نہ ابن اللہ ہونے کی دلیل۔ یہ تو خدا نے اپنی قدرت کا مظاہرہ کیا تھا اللہ تو کسی کا بھی باپ نہیں یہ تو یہود و نصاریٰ نے خواہ مخواہ رشتہ جوڑ لیا ہے نہ حضرت عیسٰے نے کبھی اپنے کو ابن اللہ کہلوایا نہ عزیر نے۔ اگر انجیل میں یہ قول نقل ہے حضرت عیسٰی نے کہا "اے میرے باپ" تو یہ از راہ اعزاز و اکرام خداوندی ہو گا نہ از راہ حقیقت، ہمارے یہاں بھی محاورہ میں چھوٹے آدمی بڑے آدمیوں کو کہہ دیا کرتے ہیں آپ مائی باپ ہیں جس کے معنی حاکم و سرپرست و حاکم کے ہوتے ہیں۔

قرآن تو کہتا ہے کہ جب خدا نے حضرت عیسٰی سے کہا کیا تم نے کہا تھا کہ میری اور میری ماں کی عبادت کرو تو انہوں نے عرض کی تھی اگر میں ایسا کہتا تو تیرے علم میں ہوتا یعنی میں نے ایسا نہیں موجودہ اناجیل میں جو حضرت عیسٰی کا یہ قول درج ہے "اے میرے باپ" خدا جانے اصل انجیل میں کیا لفظ ہو گا۔ جس کا یہ ترجمہ غلط کر دیا گیا ہے۔ جہاں توریت و انجیل میں بہت کچھ تصرف

ہوا ہے۔ ممکن ہے اس لفظ کے ترجمہ کرنے میں بھی تصرف کرلیا گیا ہو۔

(۱۲۰) دین اسلام کا غلبہ تمام ادیان پر

پ۱۰ توبہ ع ۱۵۔ هُوَ الَّذِىٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ۔

(اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب کردے)

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ تمام ادیان پر اسلام کے غالب کر دینے کا کیا مطلب ہے۔ اکثر مفسرین اہلسنت نے لکھا ہے کہ اسلام کے دلائل اس قدر قوی ہیں کہ کسی دین والا ان کے مقابل سر بر نہیں ہو سکتا۔ اسی کا نام غلبہ ہے لیکن یہ تو زبردستی کی بات ہے۔ ہر دین والا یہی کہتا ہے کہ میرے دلائل قوی ہیں۔ تمام ادیان بدستور موجود ہیں ان میں سے کسی نے بھی اسلام کی صداقت کو تسلیم نہیں کیا اگر کر لیتے تو جھگڑا ہی کیا تھا وہ سب کے سب دین اسلام میں داخل ہو جاتے۔ ہم شیعوں کا مسلک یہ ہے کہ دین اسلام کو پورا پورا غلبہ اس وقت ہو گا جب سوائے دین اسلام اور کوئی دین دنیا میں باقی نہ رہے گا۔

فصول المہمہ میں سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ اس سے مراد امام مہدی آخر الزمان کا زمانہ ہے اس کی موید وہ روایت ہے جو تفسیر کبیر اور در منثور وغیرہ میں سعید بن منصور اور ابن منذر سے مروی ہے۔ بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری سے اور عبد بن حمید اور ابوالشیخ نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ یہ اس وقت ہو گا جب اسلام کے سوا نہ کوئی نصرانی رہے گا اور نہ یہودی نہ اور کسی مذہب والا اس وقت بکری بھیڑیے سے نڈر ہوگی اور گائے شیر سے بے خوف اور انسان سانپ سے مطمئن۔ یہ وہ وقت ہو گا جب عیسےٰ آسمان سے اتریں گے (تفسیر در منثور جلد ۳ و تفسیر کبیر) ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ کا نزول

Marfat.com

اس وقت ہوگا جب امام مہدی آخرالزمان ظہور فرمائیں گے اس وقت شرق سے غرب تک اور جنوب سے شمال تک ایک ہی دین ہوگا۔ ایک ہی دین سے ابتدا ہوئی تھی اور ایک ہی دین پر خاتمہ ہوگا۔

جب تک شیطان دنیا میں ہے وہ بہکاتا رہے گا اور مختلف قسم کے ادیان اور مذاہب اپنے مقام پر باقی رہیں گے۔ اسلام کے خلاف جتنے ادیان پائے جاتے ہیں وہ سب شیطان ہی تو بنوائے ہیں وہی لوگوں کے دلوں میں وسوسے پیدا کر کے راہ حق سے ہٹاتا رہتا ہے۔ لہٰذا جب تک اس کے ناپاک وجود سے دنیا پاک نہ ہوگی یہ گمراہی دور نہیں ہوسکتی۔ خدا نے اس کو وقت معلوم کے دن تک کی مہلت دی ہے قیامت تک کی نہیں۔ پس وقت معلوم حضرت حجت کے ظہور کا وقت ہوگا وہی اس ملعون کو قتل کریں گے اور جب یہ قتل ہو جائے گا تو یہ سب فتنہ و فساد بھی ختم ہو جائے گا اور دین اسلام کے سوا پھر کوئی دین دنیا میں باقی نہ رہے گا۔

---

(۱۲) غارِ ثور

پ ۱۰ توبہ ع ۶: اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔

(اگر تم رسول کی مدد نہ کرو گے تو کچھ پروا نہیں خدا مددگار ہے) اس نے تو اپنے رسول کی اس وقت مدد کی جب ان کو کفار نے گھر سے نکال باہر کیا تھا۔ اس وقت صرف دو آدمی تھے اور دوسرے رسول تھے جب وہ دونو غار میں تھے جب اپنے ساتھی کو (اس کی گریہ وزاری پر) سمجھا رہے تھے کہ گھبراؤ نہیں خدا یقیناً ہمارے ساتھ ہے)

یہ آیت حضرت ابوبکر کی فضیلت میں بیان کی جاتی ہے۔ یہ کتاب مناظرہ کی نہیں ورنہ اس پر سیر حاصل بحث کی جاتی اب تو چند باتیں مختصر طور پر بیان کرنا ہیں۔

Marfat.com

(۱) دو میں کا دوسرا ہونا کیا فضیلت کی بات ہے۔ حضور کو بہت سے ایسے موقعے پیش آئے کہ آپ کے پاس صرف ایک آدمی تھا اور آپ دو میں کے دوسرے تھے اس میں غار ہی کی کیا خصوصیت ہے۔

(۲) سوال یہ ہے کہ غار کے اندر حضرت ابوبکر کے وجود سے رسول اللہ کو کیا فائدہ پہنچا بالفرض وہ غار میں نہ ہوتے تو رسول اللہ کو کیا نقصان پہنچتا۔ جہاں تک غار کی مصاحبت کا تعلق ہے۔ حضور کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا بلکہ ان کے رونے سے حضور کی جان خطرہ میں پڑ گئی تھی۔

(۳) رسول اللہ نے گھبرانے اور رونے سے یہ کہہ کر منع کیا کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے اس سے معلوم ہوا کہ باوجود رسول کی محبت کے ان کو خدا کی ذات پر بھروسہ نہ تھا۔ کتنا فرق ہے ابوبکر و علی میں کہ علی بستر رسول پر ایسی حالت میں سو رہے ہیں کہ کفار گھر کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں اور جناب ابوبکر باوجودیکہ رسول پاس ہیں پھر بھی مضطرب ہیں اگر ان کی آواز سن کر کفار غار میں آجاتے تو رسول کی جان بچ نہ سکتی تھی۔ ایک نے رسول سے دور رہ کر وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي کی سند حاصل کی دوسرے نے لاتحزن کی۔

یہ بھی کوئی فضیلت نہیں کہ اللہ نے ان کو صاحب یا ساتھی کہا۔ یہ کوئی نئی چیز تو نہ تھی وہ تو پرانے صحابی رسول تھے تو پھر صاحب کہنے سے کیا عزت بڑھ گئی۔ حضرت یوسف کے ساتھ قید خانہ میں دو کافر تھے۔ حضرت یوسف نے ان پر بھی لفظ صاحب کا اطلاق کیا اور کہا: یا صاحبي السجن (اے میرے قید خانہ کے ساتھیو) جو کوئی کسی کے ساتھ ہوتا ہے وہ صاحب کہلاتا ہی ہے پھر اس سے کیا فضیلت ثابت ہوئی۔ سارے مسلمان رسول اللہ کے صحابی ہی تھے مومن ہوں یا منافق پس یہ فخر سب کو کرنا چاہیئے۔

Marfat.com

(۱۲۲) رسول اللہ کو منافقین سے جہاد کا حکم

پ۱۰ توبہ ع ۱۰:۔ یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنَافِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ وَمَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِیْرَ

(اے نبی کفار و منافقین سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو)

یہ تو ظاہر ہے کہ رسول اللہ نے کفار سے جہاد کیا ہے منافقوں سے نہیں لیکن آیت میں دونوں سے جہاد کا حکم ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں حضرت نے کفار سے جہاد بالسیف کیا اور منافقوں سے باللسان۔ بعض نے لکھا ہے کہ جہاد بالسیف جہاد اصغر ہے اور جہاد بالنفس جہاد اکبر ہے لیکن جہاد باللسان تو حضرت نے کفار سے بھی کیا بلکہ منافقوں سے زیادہ کیا۔ تیرہ برس مکہ میں حضرت کفار سے جہاد باللسان ہی کرتے رہے لہٰذا یہ جہاد مراد نہیں پھر منافقین سے جہاد بالسیف کی کیا صورت ہوگی۔

حضرت علی علیہ السلام چونکہ شریک کار رسالت تھے اور رسول کے بدن کا جزو تھے جیساکہ حضور نے فرمایا تھا:۔ یَا عَلِیُّ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ الرَّاْسِ مِنَ الْجَسَدِ۔ اے علی تم میرے لئے ایسے ہی ہو جیسے بدن کے لئے سر) لہٰذا منافقوں سے جہاد کرنا قدرت نے علی سے مخصوص کیا آنحضرت نے اس کی خبر پہلے سے دیدی ہے:۔ یَا عَلِیُّ اَنْتَ تُقَاتِلُ عَلٰی تَاْوِیْلِہٖ کَمَا قَاتَلْتُ عَلٰی تَنْزِیْلِہٖ (اے تم تاویل قرآن پر اسی طرح جہاد کروگے جیسے میں نے تنزیل پر کیا ہے) یعنی میں نے ان سے جہاد کیا جو قرآن کو منزل من اللہ نہ مانتے تھے اور تم ان منافقوں سے کروگے جو آیات کی غلط تاویلیں کرنے والے ہوں گے۔ چنانچہ آنحضرت کے بعد علی علیہ السلام ناکثین قاسطین اور مارقین یعنی جمل و صفین و نہروان والوں سے جنگ کی۔

اگر جہاد بالنفس یا باللسان مراد ہو تو ایسا جہاد تو دنیا میں بہت سے لوگ کرتے رہتے ہیں۔

Marfat.com

(۱۲۳) رویت اعمال

پ۱۱ توبہ ع ۱۲: قُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

(اے رسول تم کہہ دو کہ تم لوگ اپنے اپنے کام کیے جاؤ ابھی تو خدا اور رسول اور مومنین تمھارے کاموں کو دیکھیں گے اور بہت جلد قیامت میں ظاہر و باطن کے جاننے والے خدا کی طرف لوٹائے جاؤ گے پس جو کچھ تم کرتے ہو بتا دے گا) یعنی اے مسلمانو جو بُرا عمل تم یہ سمجھ کر کرتے ہو کہ ڈھکا چھپا رہے گا تو یہ ممکن نہیں کیونکہ تین آنکھیں اس کی دیکھنے والی ہیں اوّل خدا دیکھتا ہے پھر رسول پھر کچھ خاص ایمان والے)

مفسّرینِ اہل سنت کے نزدیک مومنین سے مراد عام مسلمان ہیں جو ایک دوسرے کے اعمال کو دیکھتے ہیں۔ لیکن یہ غلط ہے کیونکہ جن کو اپنے گھر کے حالات کی خبر نہیں دوسروں کے پوشیدہ اعمال کو کیا دیکھیں گے پھر وہ دیکھنا خدا و رسول کا سا دیکھنا جس میں شک و شبہ کی گنجائش ہی نہ ہو یہ تو وہی دیکھ سکتے ہیں جن میں رسول کی سی صفات ہوں اور جن کا علم رسول کا سا علم ہو جن کی آنکھیں رسول کی سی آنکھیں ہوں۔ جن کے سامنے سے حجابات اٹھے ہوئے ہوں اور یہ نہیں ہو سکتے مگر اہل بیت رسول۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا انتقال مدائن میں ہوا اور علی علیہ السلام مدینہ میں تھے۔ آپ وہیں سے دیکھ لیتے ہیں کہ سلمان مر گئے اس قسم کے ایک دو کیا بیشتر واقعات ہیں۔ پس یہی مومنین ایسے ہو سکتے ہیں جو لوگوں کے پوشیدہ اعمال کو دیکھ کر پیش خدا گواہی دے سکیں گے۔

(۱۲۴) کن مومنوں کے جان و مال کو خدا نے خریدا

پ۱۱ توبہ ع ۱۴: اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ

الجنّۃ یُقَاتِلُوْنَ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ ۔

(بیشک خدا نے مومنین سے ان کی جانیں اور مال اس بات پر خرید کر لئے ہیں کہ (ان کی قیمت) ان کے لئے بہشت ہے)

مومنین کی جانوں اور مالوں کے خریدنے کا مقصد یہ ہے کہ جن لوگوں نے راہ خدا میں سر کٹوائے اور اپنے مالوں سے اس کے غریب بندوں کی مدد کی حقوق اللہ اور حقوق الناس کی حفاظت کی ان پر جنت واجب ہو جاتی ہے ۔ جس طرح خرید و فروخت کے بعد بیچنے والا قیمت پر قابض ہو جاتا ہے ۔ اسی طرح یہ مومنین خاص اپنے جان و مال کو راہ خدا میں قربان کرنے کے بعد جنت کے مالک ہو گئے ۔

اس قربانی کا ذکر اور خدا کا وعدہ توریت و انجیل اور قرآن سب کتابوں میں موجود ہے خدا سے زیادہ وعدہ کا وفا کرنے والا کون ہے اس نے اس سودے پر جو مومنین نے خدا سے کیا ہے ان کو مبارک باد دی ہے اور اس کو بہت بڑی کامیابی بتایا ہے اور ان کی یہ صفات بیان کی ہیں ۔

توبہ کرنے والے ہیں ۔ عبادت کرنے والے ہیں ۔ حمد کرنے والے ہیں ۔ روزہ رکھنے والے ہیں ۔ رکوع کرنے والے ہیں ۔ سجدہ کرنے والے ہیں ۔ امر بالمعروف کرنے والے ہیں ۔ نہی عن المنکر کرنے والے ہیں ۔ حدود خدا کی حفاظت کرنے والے ہیں (ترجمہ آیات)

ایسے مومنین کاملین سے خدا ان کی جان و مال کے عوض جنت دینے کا وعدہ کرتا ہے ۔ یہ تمام صفات من حیث المجموع اہلبیت رسول کے سوا اور کسی میں نہیں پائی جاتیں ۔ واقعہ کربلا ان آیات کا مصداق ہے انہوں نے قتال کیا اور سب قتل ہو گئے اور کسی جنگ میں ایسا نہیں کہ سب کے سب قتل ہو گئے ہوں پھر جو صفات خدا نے بیان کی ہیں وہ سب ان میں پائی جاتی ہیں انہوں نے تلواروں کے سایہ میں عبادت کی ۔ سجدہ میں سر کٹوایا ۔ حدود الٰہی کی حفاظت میں اپنی جانیں قربان کر دیں اور اس طرح نور و ظلمت اور ایمان و نفاق میں ایسا فرق پیدا

Marfat.com

کر دیا کہ اسے کوئی مٹا نہیں سکتا ۔ انہوں نے راہ میں اپنے مال لٹا دیئے ۔ اپنی عورتوں کا قید میں جانا منظور کر لیا اگر جنت کے مالک وہ نہ ہوں گے تو کون ہوگا ۔

(۱۲۵) تبرّا

پ ۱۱ توبہ ع ۱۴ ۔ مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرَاهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَا اِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ۔

(ابراہیم کا اپنے باپ کے لئے مغفرت کی دعا مانگنا صرف اس وعدہ کی وجہ سے تھا جو انہوں نے اپنے باپ (چچا) سے کر لیا تھا لیکن جب پتہ چلا کہ وہ کھلا خدا کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے بیشک ابراہیم بڑے دردمند اور بردبار تھے)

جناب ابراہیم کا چچا آذر بت تراش تھا آپ نے اسے بہت کچھ سمجھایا مگر اس کے کان پر جوں نہ رینگی ۔ آپ نے اس سے کہا کہ اگر تم بت پرستی ترک کر دو اور خدا پرست بن جاؤ تو میں خدا سے تمہارے لئے استغفار کروں گا ۔ وہ کچھ نیم راضی سا ہو گیا اور وعدہ کیا کہ میں تمہارا دین قبول کر لوں گا ۔ آپ نے استغفار کیا لیکن جب معلوم ہوا کہ وہ پکا خدا کا دشمن ہے اور اس کا وعدہ جھوٹا تھا تو آپ اس سے بیزار ہو گئے ۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی ایمان سے خارج ہو تو اس سے تبرّا کرنا جائز ہے جب مشرکین کے لئے استغفار کی ممانعت ہوئی تو کچھ مومنین گھبرائے ہوئے حضرت رسول خدا کی خدمت میں آئے اور عرض کی کہ ہم لوگوں نے تو اپنے مشرک عزیزوں کے لئے بہت دعا کی ہے ہمارا کیا حال ہوگا ۔ اس کی تشفی کے لئے یہ آیت نازل ہوئی ۔

(۱۲۶) صادقین کون ہیں

پ ۱۱ توبہ ع ۱۵ ۔ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ (اے ایمان والو اللہ سے ڈرو

اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ)

یہ خطاب امت رسول سے قیامت تک کے لیئے ہے یعنی ہر زمانہ کے مسلمانوں کو سچوں کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تھی اس وقت امت رسول دو گروہوں میں تقسیم تھی۔ ایک وہ جن کو سچوں کے ساتھ ہونے کا حکم دیا گیا دوسرا وہ گروہ جن کے ساتھ رہنے کا حکم دیا گیا۔

صادقین جن کے ساتھ ہونے کا حکم دیا گیا ہے صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جنہوں نے اول عمر سے آخر عمر تک کبھی جھوٹ بولا ہی نہ ہو ورنہ یوں تو کوئی مسلمان ایسا نہیں جس نے کبھی سچ بولا ہی نہ ہو۔ کچھ نہیں تو کم سے کم لاالٰہ الااللہ اور محمد الرسول اللہ تو کہا ہوگا۔ یہ کلمہ سچ ہی ہے جو اس کی زبان پر جاری ہوا ہوگا۔ ایسے سچوں کے ساتھ ہونا عبث جنہوں نے ہزار جھوٹ بولے ہوں پس اس آیت کے حکم کے مطابق مسلمانوں کا فرض ہے کہ سچوں کی تلاش کریں۔

عہد رسول میں سوائے اہل بیت رسول کے جن کی شان میں آیت تطہیر نازل ہوئی ہے اور کوئی گروہ صادقون کا مصداق نہیں ہو سکتا۔ عہد رسول میں جتنے مسلمان تھے وہ سب کافر سے مسلمان ہوئے تھے اور انہوں نے بحالت کفر برسوں بتوں کو خدا کہہ کر جھوٹ بولا تھا اور ان کی مدح کے جھوٹے گیت گائے تھے اللہ تعالیٰ پر افترا کیا تھا لہٰذا وہ صادق کیسے کہے جا سکتے ہیں البتہ جو لوگ مسلمان ہی پیدا ہوئے اور جنہوں نے کبھی آن واحد کے لئے بھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا۔ صادقین کے مصداق ہو سکتے ہیں۔ خدا نے انہی کے ساتھ ہونے کا حکم دیا ہے مباہلہ میں بھی حضور نے ایسے ہی لوگوں کو اپنے ساتھ لیا تھا جو کاذبین میں سے نہ ہوں۔

(۱۲۷) زندگانی دُنیا کی مثال

پ۱۱ یونس ع ۳:- اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا کَمَآءٍ اَنْزَلْنٰہُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِہٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ

مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ حَتّٰى إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ قَادِرُونَ عَلَيْهَا أَتَاهَا أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَاهَا حَصِيدًا كَأَنْ لَمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۔

(زندگانی دنیا کی مثال اس پانی کی سی ہے جسے ہم نے آسمان سے برسایا پھر زمین کے ساگ پات جس کو لوگ اور چوپائے کھاتے ہیں اس کے ساتھ مل جل کر نکلے یہاں تک کہ جب زمین نے (فصل کی چیزوں سے) اپنا بناؤ سنگھار کر لیا اور ہر طرح سے آراستہ ہو گئی اور کھیت والوں نے سمجھ لیا کہ وہ اس پر قابو پا گئے (جب چاہیں گے کاٹ لیں گے) یکایک ہمارا حکم رات کو یا دن کو آ پہنچا تو ہم نے اس کھیت کو ایسا صاف کٹا ہوا بنا دیا گویا کل اس میں کچھ تھا ہی نہیں ۔ جو لوگ غور و فکر کرتے ہیں ان کے واسطے ہم آیتوں کو یوں ہی تفصیل سے بیان کرتے ہیں)

یعنی جب آدمی کے بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اُسے پال پوس کر جوان کرتا ہے جب وہ شباب سے بھرپور ہو جاتا ہے اور ماں باپ کی سینکڑوں آرزوئیں اس سے وابستہ ہو جاتی ہیں تو یکایک موت کا ایک جھونکا آتا ہے اور اسے اڑا کر لے جاتا ہے اور ماں باپ اور اعزہ و احباب ملتے رہ جاتے ہیں ۔

(۱۲۸) قوم موسیٰ کے گھر ہی اُن کے قبلہ تھے

پ۱۱ یونس ع ۹ :- وَاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّأَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔

(تم اپنے گھروں ہی کو مسجدیں قرار دے لو اور پابندی سے نماز پڑھو اور مومنین کو (نجات کی) خوشخبری دو)

ابن عساکر نے ابو رافع سے روایت کی ہے کہ ایک دن حضرت رسول خدا نے ذاللیہ میں ارشاد فرمایا کہ خدا نے موسیٰ و ہارون کو حکم دیا تھا کہ اپنے اور اپنی قوم کے گھروں ہی کو مسجدیں قرار

Marfat.com

دے لو اور اے موسیٰ تمہاری مسجد میں ہارون اور اولاد ہارون کے سوا اور کوئی نہ بحالت جنابت شب باشی ہو اور نہ وہاں اپنی زوجہ سے مقاربت کرے اسی طرح میری اس مسجد میں سوائے علی اور ان کی اولاد کے کسی کو اجازت نہیں کہ اس میں جنب ہو کر شب باشی ہو یا اس میں عورت کے پاس جائے۔ (در منثور سیوطی جلد ۳ صفحہ ۲۱ مطبوعہ مصر)

اللہ تعالیٰ کی اس رحمت کا کہاں تک شکریہ ادا کیا جائے کہ اس نے اُمتِ محمدی کے لئے تمام روئے زمین کو مسجد بنا دیا۔ جہاں چاہو نماز پڑھو مسجد ہی کی قید نہیں پھر یہ کہ اگر غسل یا وضو نہیں کر سکتے تو تیمم ہی سے پڑھ لو۔

(۱۲۹) رسول کی نبوت کا سب سے پہلا شاہد

اَفَمَن كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِن قَبْلِهٖ كِتَابُ مُوْسٰى اِمَامًا وَّرَحْمَةً۔ پ ۱۲ ہود ع ۱۲۔

(تو کیا جو شخص اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہو اور اس کے پیچھے پیچھے ایک گواہ ہو اور اس سے پہلے کتاب موسیٰ جو امام و رحمت ہے (اس کی نبوت کی گواہی دے چکی ہو) وہ اپنے دعویٰ نبوت میں جھوٹا ہو سکتا ہے۔)

مولانا فرمان علی صاحب مرحوم نے اپنے ترجمہ قرآن کے حاشیہ پر لکھا ہے ابن ابی حاتم، ابن عساکر اور ابن مردویہ نے روایت کی ہے کہ حضرت علی نے ایک مرتبہ برسر منبر فرمایا کہ کوئی قریشی تم میں ایسا نہیں جس کے بارے میں کچھ نہ کچھ قرآن میں نازل ہوا ہو۔ ایک شخص نے کہا اور آپ کے بارے میں کیا نازل ہوا ہے تو آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا: يَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ سے میں مراد ہوں (تفسیر در منثور جلد ۳ صفحہ ۳۲۲ مطبوعہ مصر)

(۱) رسول کے دو گواہ بیان کئے گئے ہیں۔ ایک صامت دوسرا ناطق یعنی بیّنہ سے مراد قرآن ہے جو تحریری دستاویز ہے دوسرا ناطق یعنی علی جو بطور حاشیہ کے گواہ کے

(۲) ایک گواہ خدا کی طرف سے ہے (من ربہ) یعنی قرآن اور دوسرا گواہ رسول کی طرف سے ہے (شاھد منہ) یعنی علی لیکن یہ عجیب بات ہے کہ جو گواہ خدا کا تھا وہ تو رسول کے گھر سے نکلا (قرآن) اور جو گواہ رسول کی طرف سے تھا وہ خدا کے گھر سے نکلا یعنی علی کعبہ سے نکلے۔ چونکہ خدا و بندہ میں فرق ہے اس لئے ناطق کو خدا نے اپنے گھر سے نکالا اور صامت کو رسول کے گھر سے اور رسول نے یہ کہہ کر دونوں کے دامنوں میں گرہ لگا دی: علی مع القرآن والقرآن مع علی لن یفترقا حتی یردا علی الحوض۔

(۳) جتنے مسلمان عہد رسالت میں تھے وہ سب حضور کی رسالت کے سماعی گواہ تھے یعنی حضور نے فرمایا میں خدا کا رسول ہوں سب نے تصدیق کر دی۔ عینی گواہ علی کے سوا کوئی نہ تھا کیونکہ خلقت آدم سے چودہ ہزار برس پہلے جب حضور کو نبوت ملی تھی اس وقت علی کے سوا کون دیکھنے والا تھا کیونکہ علی اور نبی ایک ہی نور سے تھے۔

یتلوہ شاھد منہ سے پتہ چلا کہ علی علیہ السلام حضور کے نقش قدم پر چلنے والے ہی تھے اور حضور کے بدن کا جزو بھی تھے۔

جب تک دو گواہوں میں اتفاق قول و فعل نہ ہو دعویٰ ثابت نہیں ہوتا: ومن عندہ علم الکتاب سے ثابت ہوتا ہے کہ پورے قرآن کا علم علی کے پاس تھا اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر قرآن کو ان کے ساتھ اور ان کو قرآن کے ساتھ کرنا بے معنی ہو جاتا۔

(۱۳۰) کشتی نوح خدا کے سامنے بننے کا مطلب

پ ۱۲ ہود ع ۱۲ واصنع الفلک باعیننا ووحینا ولا تخاطبنی فی الذین ظلموا انھم مغرقون۔

(اے نوح ہمارے روبرو اور ہمارے حکم سے کشتی بناؤ اور جن لوگوں نے ظلم کیا ہے ان کے بارے میں سفارش نہ کرو)

باعیننا کے لفظی معنی یہ ہیں کہ ہماری آنکھوں کے سامنے بناؤ لیکن چونکہ خدا صاحب جسم

نہیں لہٰذا آنکھوں کے معنی مراد نہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ میری حفاظت میں بناؤ۔ چونکہ قوم نوح آپ کی سخت دشمن تھی اور اندیشہ تھا کہ وہ شرارت کریں گے اور کشتی کو بننے نہ دیں گے لہٰذا قدرت نے اطمینان دلا دیا کہ میری حفاظت میں بناؤ یہ کچھ نہ کر سکیں گے۔

(۱۳۱) کنعان نوحؑ کا صلبی فرزند تھا

پ۱۲ ہود ع ۱۹۔ وَنَادَىٰ نُوحٌ ابْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يَا بُنَيَّ ارْكَبْ مَعَنَا وَلَا تَكُن مَّعَ الْكَافِرِينَ۔

(نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا کہ اے میرے فرزند ہماری کشتی میں سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ نہ رہ)

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ کنعان حضرت نوح کا صلبی فرزند نہ تھا بلکہ کافرہ بی بی کے بطن سے تھا لیکن یہ بات قابل قبول نہیں انبیاء علیہم السلام نے کبھی غیر کی اولاد کو بیٹا کہہ کر نہیں پکارا وہ غیر معصوم کی اولاد کو اپنے عصمت مآب بدن کا جزو کیسے بتا سکتے تھے کوئی ایک مثال بھی قرآن میں ایسی نہیں ملتی کہ کسی لے پالک کو کسی نبی نے یا بُنیّ کہہ کر پکارا ہو یا اپنا صلبی بیٹا سمجھا ہو دور کیوں جائیے زید بن حارثہ رسول اللہ کا لے پالک تھا اور حضور اس قدر محبت کے ساتھ اس سے پیش آتے تھے کہ لوگ زید کو ابن رسول اللہ کہہ کر پکارنے لگے تھے مگر حضرت نے کبھی اس کو یا بُنیّ کہہ کر نہیں پکارا اور نہ اپنا صلبی بیٹا سمجھا۔

یہ بات بھی قابل قبول نہیں کہ کسی نبی کا بیٹا کافر نہیں ہو سکتا اگر آدم کا بیٹا قابیل کافر ہو سکتا ہے تو نوح کا بیٹا کیوں نہیں ہو سکتا۔

سب سے بڑا ثبوت اس کا کہ کنعان نوح کا صلبی بیٹا تھا یہ ہے کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو حضرت نوح نے بارگاہ باری میں عرض کی:۔ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي۔ (پالنے والے میرا بیٹا میرے اہل سے ہے) یعنی میرے خاندان کا ایک فرد ہے اور تو نے میرے

اہل کو بچانے کا وعدہ کیا ہے خدا نے فرمایا۔ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ (یہ تمہارے اہل سے نہیں ہے اس کے عمل اچھے نہیں) یہاں نبی کے ابن یعنی اولاد ہونے کی نفی نہیں کی گئی یعنی یہ نہیں کہا گیا کہ یہ تمہارا بیٹا نہیں بلکہ اس کے غرق ہونے کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ وہ بداعمال ہے لہٰذا تمہاری ابنیت سے خارج ہو گیا اور تمہارے خاندان سے اس کا کوئی تعلق نہ رہا پس غور کرو جب نافرمان اولاد اہل بیت سے خارج ہو جاتی ہے تو اصحاب کی صحابیت کس مد میں رہی۔

(۱۳۲) زنِ لوط

پ ۱۲ ہود ع ۷:- قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ یَّصِلُوْۤا اِلَیْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَ لَا یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ اِنَّهٗ مُصِیْبُهَا مَاۤ اَصَابَهُمْ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ

(اور فرشتے بولے اے لوط ہم تمہارے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں تم گھبراؤ نہیں، یہ لوگ تم کو ہرگز نہ ستائیں گے تم کچھ رات رہے لڑکے بالوں سمیت نکل بھاگو اور تم سے کوئی ان کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھے مگر تمہاری بی بی اس پر بھی وہی عذاب نازل ہونے والا ہے جو ان لوگوں پر نازل ہو گا ان کے عذاب کا وعدہ بس صبح کا ہے کیا صبح قریب نہیں ہے)

انبیائے سابقین میں دو کی بیبیاں کافرہ تھیں۔ نوح کی بی بی طوفان میں ڈوب کر مری اور لوط کی بی بی عذاب الٰہی کی لپیٹ میں آئی اس طرح کہ ایک پتھر اس کے سر پر گرا اور وہ وہیں ٹھنڈی ہو کر رہ گئی اس بدبخت نے خانہ لوط میں فرشتوں کے آنے کی خبر ان بدمعاش اور بدکردار جوانوں کو دی تھی جو لواطت کرتے تھے اور جب لوط گھر سے چلنے کو تھے تو اس نے ایک شخص کے ذریعہ ان بدکرداروں کو خبر پہنچائی تھی کہ اب وہ جوان (فرشتے) جا رہے ہیں راستہ میں ان کو روک لو اور اپنا مطلب ان سے پورا کرو۔

Marfat.com

یہ سچ ہے کہ صحبت اثر دارد۔ لیکن جو نااہل ہوتے ہیں ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ع

ناکس بہ تربیت نشود اے حکیم کس

عام لوگوں کا ذکر کیا جب انبیاء کی صحبت میں رہنے والی بیبیاں کفر نوازی اور بدکرداری کی بدولت معذب ہوگئیں تو اور صحبت یافتہ لوگوں کا ذکر۔ ہمارے رسول کا گھر بھی نہ بچا۔ دو بی بیوں کی شان میں یہ آیت نازل ہوگئی۔ اِنْ تَتُوبَا اِلَی اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُکُمَا۔ (اب توبہ بھی کرو کیا ہوتا ہے تمہارے دل ترٹیڑھے ہو ہی چکے ہیں)

(۱۳۲) برزخی دوزخ اور جہنم

پ ۱۲ ہود ع ۹۔ فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّشَهِیْقٌ خَالِدِیْنَ فِیْهَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ خَالِدِیْنَ فِیْهَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ۔

(جو لوگ بدبخت ہیں وہ دوزخ میں ہوں گے اور اس میں ہائے وائے اور چیخ و پکار ہوگی اور وہ لوگ جب تک آسمان و زمین ہے اس میں رہیں گے مگر جب تمہارا پروردگار نجات دینا چاہے اور جو لوگ نیک بخت ہیں وہ بہشت میں ہوں گے اور جب تک زمین و آسمان باقی ہیں وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے مگر جب تک تمہارا پروردگار چاہے یہ وہ بخشش ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگی)

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ کون سے جنت و دوزخ ہوں گے۔ اکثر کی رائے ہے کہ یہ جنت و دوزخ عالم برزخ والے ہوں گے نہ کہ وہ جن میں قیامت کے بعد لوگ جائیں گے۔ مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ۔ اس کی دلیل کہ یہ برزخی ہوں گے کیونکہ قیامت کے وقت

یہ آسمان ہوں گے نہ یہ زمین۔

بعض کہتے ہیں وہی جنت و دوزخ ہوں گے جن میں قیامت کے بعد لوگ جائیں گے لیکن سوال یہ ہے کہ جب تک قیامت میں ہر شخص کا حساب و کتاب نہ ہو جائے گا تو جنت و دوزخ میں داخلہ کیسے ہوگا۔

(۱۳۴) انبیاء کی اولاد سے رشک و حسد

پ۱۲ یوسف ع ۱: قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ رُءْیَاکَ عَلٰٓی اِخْوَتِکَ فَیَکِیْدُوْا لَکَ کَیْدًا

(یعقوب نے کہا اے بیٹے اپنا خواب اپنے بھائیوں سے نہ کہنا ورنہ وہ تمہارے لئے مکاری کی تدبیر کرنے لگیں گے)

نفسانی بیماریوں میں حسد بدترین بیماری ہے جس سے بچنے کے لئے خدا نے دعا کرنے کو کہا ہے (ومن شر حاسد اذا حسد) تمام لوگوں کا کیا ذکر اولاد انبیاء بھی اس سے محفوظ نہیں رہی۔ دنیا میں سب سے پہلا حاسد آدم کا بیٹا قابیل تھا جس نے ازراہ حسد اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا۔

حضرت یعقوب کے ایک بیوی سے دس بیٹے تھے اور دوسری سے دو۔ یوسف و بنیامین۔ یوسف اول تو بیحد حسین تھے دوسرے آثار نبوت ان کی پیشانی سے چمکتے تھے اس لئے یعقوب ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ سوتیلے بھائی حسد سے جلنے لگے وہ اس فکر میں رہنے لگے کہ کسی طرح یوسف کو ہلاک کر کے ان کا قصہ پاک کریں پھر باپ کی ساری محبت ہماری طرف کھنچ آئے گی۔ باہم صلاح و مشورہ یہ طے ہوا کہ کسی گہرے کنوئیں میں ڈال کر باپ سے کہہ دو بھیڑیا کھا گیا۔ ایک روز باپ سے کہنے لگے ابا جان یہ کیا بات ہے کہ یوسف کے معاملہ آپ ہم پر بھروسہ نہیں کرتے ہم سب اپنے کھیلنے جاتے

Marfat.com

جاتے ہیں تو آپ اس کو ہمارے ساتھ نہیں بھیجتے ۔ فرمایا اس خوف سے کہ تم سب تو کھیل میں لگ جاؤ اور بھیڑیا آکر اسے اٹھا لے جائے ۔ انہوں نے کہا کہ آپ کیسی باتیں کرتے ہیں یہ کیسے ممکن ہے کہ ہماری پوری پارٹی کے ہوتے بھیڑیا لے جائے اس کی کیا مجال کہ پاس بھی پھٹک سکے ۔

الغرض باپ سے اجازت لے کر یوسف کو ساتھ لے گئے اور جنگل کے ایک تاریک کنوئیں میں دھکیل دیا ۔ یہ قدرت کا قانون آغاز آفرینش ہی سے چلا آرہا ہے کہ سوتیلے بھائیوں میں خلوص نہیں ہوتا الاّ ماشاء اللہ ۔ اگر باپ مختلف ہوں تو چاہے محبت ہو بھی جائے لیکن اگر مائیں مختلف ہوئیں تو قلبی محبت نہیں ہوتی اس سے معلوم ہوا کہ ماں کا رشتہ زیادہ قوی ہوتا ہے ۔ خدا جانے اس میں کیا راز ہے ۔ تاریخ اسلام میں صرف ایک ہی نظیر ایسی ملتی ہے کہ سوتیلے بھائیوں میں حقیقی بھائیوں سے زیادہ محبت پائی گئی ہے اور وہ حضرت امام حسین اور حضرت عباس علیہما السلام کے درمیان محبت تھی جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی

---

(۱۳۵) انبیا کی قوّت شامہ

پ۱۲ یوسف ع ۲ ۔ وَجَاءُوْا اَبَاهُمْ عِشَاءً يَّبْكُوْنَ قَالُوْا يَا اَبَانَا اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۔

رشام کو وہ اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے اور کہنے لگے اباجان ہم تو جاکر دوڑنے لگے تھے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا ۔ ناگاہ بھیڑیے نے اسے کھالیا ۔ اگرچہ ہم سچے ہوں مگر آپ کو ہماری بات کا کیوں یقین آنے لگا ۔ یہ لوگ یوسف کے کرتے پر جھوٹ موٹ کا خون

Marfat.com

(بھیڑ) لگا لائے تھے۔ یعقوب نے فرمایا (بھیڑیے نے نہیں کھایا) بلکہ تمہارے دل نے تمہارے بچاؤ کے لئے بات گھڑلی ہے (ورنہ کرتہ پھٹا ہوا ضرور ہوتا) پس صبر و شکر ہے اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو اس پر خدا ہی سے مدد چاہتا ہوں)

جب یہ لوگ یوسف کی خون آلود قمیص لائے جس پر بھیڑ کا خون لگا ہوا تھا تو حضرت یعقوب نے اسے سونگھا اور فرمایا یہ میرے یوسف کا خون نہیں پھر ان سے فرمایا تم جھوٹے ہو یوسف کو بھیڑیئے نے نہیں کھایا اگر اس نے یوسف کو چیر پھاڑ ڈالا ہوتا تو اس کی قمیص صحیح وسالم کیسے رہ جاتی اس کے بعد آپ نے بھیڑیے کو آواز دی وہ حاضر ہو گیا۔ فرمایا تو نے میرے یوسف کو کھایا ہے اس نے کہا یا نبی اللہ ہم پر انبیا اور اولاد انبیا کا گوشت حرام ہے۔

اسی طرح جب حضرت یوسف نے مصر سے اپنی قمیص حضرت یعقوب کے پاس بھیجی تھی کہ ان کی آنکھوں پر ڈالی جائے تاکہ وہ بینا ہو جائیں تو باوجودیکہ کنعان مصر سے تیس میل دور تھا لیکن جب قمیص لانے والا راستہ میں تھا تو حضرت یعقوب نے فرمایا۔ اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْلَا اَنْ تُفَنِّدُوْنِ۔ (اگر تم مجھے سٹھیا ہوا نہ سمجھو تو میں یوسف کی بُو سونگھ رہا ہوں) یہ ہے انبیاء کی قوت شامہ۔ اسی طرح ان کی تمام قوتیں عام مخلوق سے جدا ہوتی ہیں۔ عام انسانوں کے احساسات پر ان کا قیاس کیا ہی نہیں جاسکتا۔

(۱۳۶) یوسف نے زلیخا کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا

پ۱۲ یوسف ع ۱۲۔ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ

(زلیخا نے ان کے ساتھ بُرا ارادہ کر ہی لیا تھا اگر یوسف اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ چکے ہوتے تو وہ بھی قصد کر بیٹھتے)

Marfat.com

یہ بڑا نازک وقت تھا سوائے نبی معصوم دوسرا ایسے موقع پر بچ کر نکل نہیں سکتا تھا۔ اول تو حضرت یوسف جوان پھر زلیخا حسن و شباب سے بھرپور، پھر برہنہ اور ایک مقفل کوٹھڑی کے اندر پھر اس کا خود خواہش بد پورا کرنے کے لئے ان کو بڑے شوق سے اپنی طرف بلانا۔ غور کیجئے ان تمام باتوں کے ہوتے ہوئے ایک مرد کے لئے شہوانی جذبات کو روکنا بجز نبی کے سوا کسی سے ممکن نہ ہو سکتا ہے۔ چونکہ یوسف اپنے اوپر اللہ کے لطف و کرم کو دیکھ چکے تھے لہذا قطعاً زلیخا کی طرف توجہ نہ کی اور اس کی خواہشات بد کو اپنی مَلکی قوت سے بُری طرح ٹھکرا دیا۔ زلیخا نے کہا اے یوسف تم اب یہاں سے نکل نہیں سکتے کیونکہ سات تالوں کے اندر بند ہو۔ فرمایا میرا خدا ان سات کوٹھڑیوں کے بند تالوں کو کھول دے گا۔ چنانچہ جب آپ نے وہاں سے نکلنا چاہا تو سب تالے ٹوٹ ٹوٹ کر گر گئے اور تمام کوٹھڑیوں کے دروازے کھلتے چلے گئے۔

خاصان خدا کے لئے بند دروازے یوں ہی کھلا کرتے ہیں بلکہ دیواروں میں دروازے بن جاتے ہیں جیسا کہ فاطمہ بنت اسد کے لئے جب حضرت علی ان کے پیٹ میں تھے اور دردِ زہ ہو رہا تھا دیوار کعبہ شق ہوئی اور بنت اسد کو آواز آئی۔ اُدْخُلِی فِی الْبَیْتِ۔ تم اس شق سے خانہ کعبہ میں داخل ہو جاؤ۔

(۱۲۸) قمیص یوسف کے کرشمے

پ ۱۲ یوسف ع ۳۔ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا إِن كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِن قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ وَإِن كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِن دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ فَلَمَّا رَأَىٰ قَمِيصَهُ قُدَّ مِن دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِن كَيْدِكُنَّ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ

(زلیخا کے کنبہ والوں میں سے ایک گواہی دینے والے (دودھ پیتے بچہ) نے گواہی دی کہ اگر ان کا کرتہ آگے سے پھٹا ہوا ہے تو زلیخا سچی اور یوسف جھوٹے ہیں وہ تھا پائی کی ہو گی پھٹ گیا ہو گا) اگر پیچھے سے پھٹا ہے تو زلیخا جھوٹی اور یوسف سچے ہیں داس

Marfat.com

نے پکڑنا چاہا ہوگا) لہذا کھینچا تانی میں پھٹ گیا ہوگا) جب دیکھا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو زلیخا کے شوہر نے کہا یہ تم عورتوں کا مکر ہے اور تم عورتیں بڑی مکار ہوتی ہو)

جب حضرت زلیخا کے پنجہ سے چھوٹ کر بھاگتے ہوئے صحن میں آئے تو اس نے پیچھے سے کی قمیص پکڑ لی انہوں نے زور مارا تو قمیص پیچھے سے پھٹ گئی اور حضرت یوسف بھاگے کہ سے باہر ہو جائیں۔ دروازہ پر اس کا شوہر ملا۔ اس نے حضرت یوسف کے سینہ پر ہاتھ رکھ کر کہا کیا ماجرا ہے زلیخا بولی جو کوئی آپ کی ناموس پر ہاتھ ڈالے اور آبروریزی کا قصد کرے اس کی سزا قیدخانہ کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔ حضرت یوسف نے کہا کہ یہ جھوٹی ہے اس نے خود مجھے مجبور کرنا چاہا تھا میری پاک دامنی کا گواہ یہ بچہ ہے جو گہوارہ میں لیٹا ہے اس نے کہا تمہاری مت ماری گئی ہے یہ بچہ تو ابھی بولتا ہی نہیں تمہاری کیا گواہی دے گا۔ فرمایا اس سے پوچھو تو بولے گا۔ غرض وہ اس بچہ کے پاس آیا اور واقعہ دریافت کیا۔ اس نے وہی کیا جس کا ذکر آیت میں ہے۔ یہ سن کر شوہر زلیخا کو بہت غصہ آیا اور اس نے کہا اے مکارہ یہ سب کھیل تیرے ہی ہیں۔

---

(۱۳۸) یوسف کا بے پناہ حسن اور زنان مصر

پ۱۲ یوسف ع ۴۔ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ۔

(جب ان عورتوں نے یوسف کو دیکھا تو بڑا حسین پایا۔ سب نے بیخودی میں بجائے ترنج کے چاقو سے اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور کہنے لگیں۔ حاشاللہ یہ آدمی نہیں ہے ہو نہ ہو بس ایک فرشتہ ہے)

بات یہ ہوئی کہ مصر کی عورتوں نے زلیخا کو طعنے دینے شروع کئے کہ زلیخا کیسی بے حیا

عورت ہے کہ ایک غلام کی محبت میں مری جا رہی ہے۔ زلیخا نے جب یہ طعن وطنز کی باتیں سنیں تو ایک رات ان سب کو اپنے گھر بلایا اور سب کو ایک مسند پر بٹھا کر ایک ایک چاقو اور ایک ایک ترنج ان کے ہاتھ میں دیا اور کہا جب یوسف تمہارے سامنے سے نکلے تو یہ ترنج سے کاٹ دینا۔ پھر یوسف سے کہا تم ان کے سامنے سے نکلو۔ جونہی انہوں نے یوسف دیکھا تو ایسی مبہوت ہوئیں کہ ہوش وحواس کھو بیٹھیں اور بجائے ترنج کے سب نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور کہنے لگیں اجی یہ بشر کاہے کو ہے یہ تو ایک فرشتہ ہے یہ تھا حُسن یوسف

---

(۱۳۹) قیدخانہ میں حضرت یوسف کی تبلیغ

پ ۱۲ الاعراف ع ۵ :۔ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيَانِ الخ۔ (یوسف کے ساتھ قیدخانہ میں دوجوان قیدی اور بھی داخل ہوئے)

زلیخا نے اپنی بدنامی کے خوف سے یوسف کو قیدخانہ میں ڈلوا دیا ان کے ساتھ دو اور قیدی داخل ہوتے۔ ایک نے ان میں سے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں شراب دبنانے کے لئے انگور نچوڑ رہا ہوں۔ دوسرے نے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میرے سر پر روٹی ہے اور جسے پرندے نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں اس کی تعبیر بتائیے فرمایا تمہارا کھانا آنے سے پہلے میں بتا دوں گا۔

پھر فرمایا سنو میں نے اس قوم کے مذہب کو ترک کر دیا ہے کیونکہ وہ نہ تو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ روز قیامت پر۔ میں تو اپنے باپ دادا ابراہیم و اسحاق و یعقوب کے دین پر ہوں۔ ہم کسی کو خدا کا شریک نہیں مانتے۔ یہ ہم پر اور لوگوں پر اللہ کا فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر گزار نہیں ہوتے۔ اے میرے قیدخانہ کے ساتھیو یہ تو بتاؤ آیا جدا جدا معبود اچھے یا ایک اللہ جو قہار (زبردست) ہے اس کے سوا تم جن کی عبادت کرتے ہو ان کے نام تم نے اور

باپ دادا نے گھڑ لئے ہیں اللہ نے تو کوئی قوت ان کو نہیں دی ۔حکومت تو صرف خدا کی ہی ہے اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور یہی سیدھا راستہ ہے لیکن اکثر لوگ مانتے نہیں ۔حضرت کی تبلیغ سے وہ دونو مسلمان ہو گئے ۔یاد رکھیے انبیاء اور آئمہ کا یہ دستور رہا ہے کہ ہر حالت میں امر حق کی تبلیغ کرتے رہے یہاں تک کہ اگر ان کے گلے پر خنجر بھی رکھ دیا جائے تو وہ امر حق کہنے سے نہیں چوکتے ۔

---

(۱۴۰) یوسفؑ کی عصمت پر زلیخا کی گواہی

پ۱۲ یوسف ع ۷، ۔ قَالَتِ امْرَاَةُ الْعَزِيْزِ الْئٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (عزیز کی بی بی زلیخا نے کہا اب تو حق ظاہر ہو گیا اور اصلی بات یہ ہے کہ میں نے خود اس سے مطلب حاصل کرنے کی تمنا کی تھی بیشک یہ سچا ہے)

بادشاہ مصر نے جو خواب دیکھا تھا تو اس کے درباری تعبیر نہ بتا سکے قیدخانہ کے ساتھیوں میں سے جو موت سے بچنے والا تھا یعنی انگور نچوڑنے والا آپ نے اس سے کہا تھا کہ جب تم بادشاہ کی خدمت پر مامور ہو تو اس سے کہنا ایک بے گناہ قیدی سالہا سال سے قیدخانہ میں ہے ۔جب بادشاہ کی خواب کی تعبیر یوسف سے دریافت کی اور اس نے بادشاہ کو بتائی تو اس نے کہا انہیں قیدخانہ سے فوراً نکال کر ہمارے سامنے لاؤ ۔ وہ حضرت یوسف کے پاس آیا اور کہا بادشاہ نے آپ کو بلایا ہے ۔ فرمایا ۔ جو واقعہ میرے اور زنانِ مصر کے درمیان گزرا ہے بادشاہ پہلے اس کی تحقیق کرے پھر مجھے بلائے ۔ بادشاہ نے سب عورتوں کو بلایا اور ان سے کہا بتاؤ اصلی واقعہ کیا ہے جب تم نے اس سے مطلب حاصل کرنے کی کوشش کی تھی تو اس نے کیا کہا تھا ۔ انہوں نے کہا ہم نے

Marfat.com

کوئی برائی ان میں نہیں پائی۔ جب زلیخا نے یہ سُنا تو کہنے لگی اب تو جو حق بات تھی ظاہر ہو ہی گئی (میں کیوں چھپاؤں) بات یہ ہے میں نے خود اس سے مطلب حاصل کرنے کی کوشش کی تھی مگر وہ راضی نہ ہوا نہ ہوا۔ یہ تھا حضرت یوسف کی صداقت کا اثر۔ اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ نیکی ہزار پردوں کے اندر چھپانے سے نہیں چھپتی۔

---

(۱۴۱) انبیاءؑ بھی نفسِ امارہ رکھتے ہیں

پ ۱۳ یوسف ع ۷۔ وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔

(اور یوں تو میں بھی اپنے نفس کو بری نہیں کرتا (کیونکہ میں بھی بشر ہوں) اور نفس برابر برائی کی طرف ابھارتا رہتا ہے مگر جس پر میرا پروردگار رحم فرمائے۔ بیشک میرا پروردگار بڑا بخشنے والا مہربان ہے)

اس آیت سے ان لوگوں کے خیال کی تردید ہوتی ہے جو کہتے ہیں انبیاء میں برائی کرنے کی قوت ہی نہیں ہوتی اس لیے وہ معصوم ہوتے ہیں لیکن یہ خیال غلط ہے کہ اگر ان کو برائی کرنے پر قدرت نہ ہو تو پھر وہ مجبور قرار پائیں گے اور ان کا کوئی عمل قابل جزا نہ قرار پائے گا بیشک بشری حیثیت سے ان میں نفس امارہ ہوتا ہے جو برائی کی طرف لے جانے والا ہے مگر عام لوگوں میں اور ان میں یہ فرق ہے کہ وہ اپنے نفس کے تمام محرکات پر پوری طرح کنٹرول رکھتے ہیں اور اس کو جادۂ اعتدال سے ہٹنے نہیں دیتے۔ ان کے اس مقدس ارادہ میں خدا کی توفیق بھی شامل حال ہوتی ہے۔ انبیاء سے ترک اولیٰ ہونا اس کا ثبوت کہ ان میں برائی کی طرف جھکنے کی قوت پائی جاتی ہے مگر وہ سنبھل جاتے ہیں اور ہلکی سی لغزش کے بعد آگے نہیں بڑھتے یہ ہلکی سی لغزش داخل معصیت نہیں کیونکہ بمقتضائے بشریت

ہوتی ہے جسے اللہ معاف کر دیتا ہے ۔

(۲۴۲) انبیاء و آئمہ نہ چاہیں تو کوئی انہیں پہچان نہیں سکتا

پ۱۳ یوسف ع ۸ : وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنكِرُونَ ۔

یوسف کے بھائی مصر میں آئے اور یوسف کے پاس پہنچے تو یوسف نے ان کو پہچان لیا مگر وہ نہ پہچانے ۔

یہ امر خصائص انبیاء و آئمہ ہی سے ہے کہ اگر وہ اپنے کو پہچوانا نہ چاہیں تو کوئی انہیں پہچان نہیں سکتا ۔ یوسف کے بھائی باوجودیکہ رسول حضرت یوسف کے ساتھ رہے تھے لیکن ان کو قطعاً نہ پہچانے اگر ہلکا سا شبہ بھی ان کو ہوتا تو وہ آپس میں اس کا تذکرہ کرتے برخلاف اس کے یوسف نے ان کو پہچان لیا ۔ یہی صورت ہمارے امام زمانہ کی ہے جب کوئی مدد کو بلاتا ہے تو وہ آتے ہیں لیکن چونکہ وہ اپنے کو پہچوانا نہیں چاہتے لہٰذا کوئی ان کو پہچان نہیں سکتا ۔

(۲۴۳) برادران یوسف پر چوری کا الزام

پ۱۳ یوسف ع ۹ : فَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ ۔ (جب یوسف نے ان کا سامان سفر درست کرا دیا تو ایک منادی نے للکار کر کہا اے قافلہ والو تم چور ہو)

جب یوسف کے اشارہ سے کٹورا رکھوا یا گیا تھا تو پھر کہنے والے نے کیوں کہا کہ تم چور ہو ۔ یہ تو جھوٹا الزام تھا ۔ جواب یہ ہے کہ ان سے یہ نہیں کہا گیا کہ تم کٹورے کے

چور ہو بلکہ اس لئے کہا گیا کہ تم یوسف کے چور ہو کیونکہ یوسف کو باپ سے چرا کر مصری سوداگر کے ہاتھ فروخت کیا تھا۔ یوسف تمہاری ملکیت نہ تھے کہ تم نے بیچا۔ باپ سے چوری کی یعنی یوسف زندہ تھے اور تم نے کہا کہ انہیں بھیڑیا کھا گیا اگر ایسا نہ کیا جاتا تو یوسف اپنے بھائی بنیامین کو روک نہیں سکتے تھے۔ اس زمانہ میں ملکی قانون یہ تھا کہ جب چور پکڑا جاتا تو وہ صاحب مال کی خدمت میں اس وقت تک رہتا جب تک وہ بخوشی اسے آزاد نہ کرتا خدا نے یوسف کو ایک حیلہ بتایا تھا بنیامین کے روکنے کا۔

(۱۴۴) برادران یوسف نے یوسف پر چوری کا الزام کیوں لگایا

پ۱۳ یوسف ع ۹: ۔قَالُوْا اِنْ یَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۔

(انہوں نے کہا اگر اس نے چرایا تو کوئی تعجب کی بات نہیں اس سے پہلے اس کے بھائی (یوسف) نے بھی تو چرایا تھا) یہ اشارہ تھا ایک واقعہ کی طرف)

حضرت یوسف کو ان کی پھوپھی نے بے اولاد ہونے کی وجہ سے لے پالک کر دیا تھا۔ حضرت یعقوب سے جب یوسف کی جدائی برداشت نہ ہوئی تو اپنی بہن کے پاس یوسف کو لینے گئے ان کو یوسف کا جدا کرنا ناگوار ہوا جب یعقوب کا اصرار ہوا تو انہوں نے روکنے کا یہ حیلہ کیا کہ وہ کمربند جو حضرت اسحاق کے ترکہ سے ان کو ملا تھا۔ حضرت یوسف کی کمر میں باندھ دیا گویا ان کو چور بنایا) چونکہ اس زمانہ میں چور کو مال کے عوض لیا جاتا تھا۔ لہٰذا یوسف کو اپنی پھوپھی کے پاس رہنا پڑا اس واقعہ کے پیش نظر یوسف کے بھائیوں نے ان کو چوری کی تہمت لگائی

(۱۴۵) روتے روتے یعقوب کی بینائی جاتی رہی

پ۱۳ یوسف ع ۱۰: ۔وَقَالَ یٰٓاَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ وَابْیَضَّتْ عَیْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِیْمٌ ۔

یعقوب نے کہا ہائے افسوس یوسف پر اس قدر روئے کہ ان کی آنکھیں اس صدمہ سے جاتی رہیں

Marfat.com

حالانکہ وہ تو بڑے رنج کو ضبط کرنے والے تھے) حضرت یعقوب کے نزدیک حضرت یوسف مردہ ہی تھے اس لئے وہ بلک بلک کر روتے تھے اور اتنا روئے کہ بینائی جاتی رہی پس ذرا غور کریں وہ لوگ جو بکا علی المیت کو ناجائز قرار دیتے ہیں اگر رونا جائز نہ ہوتا تو نبی خدا ایسا کیوں کرتا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ رونا خلاف صبر نہیں۔ کہنے والے کہتے ہیں میت پر رونے سے اس کی روح پر عذاب ہوتا ہے کیسی حماقت کی بات ہے گناہ کسی کا عذاب کسی پر خدا فرماتا ہے۔ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (ایک دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا) اور لوگ کہتے ہیں اٹھائے گا یہ تو کھلی قرآن کی مخالفت ہے۔

ایک لطیف نکتہ یہ ہے کہ اس آیت میں ہے۔ وابیضت عیناہ من الحزن (یعنی رونے سے ان کی آنکھیں اندھی ہو گئیں پس یہاں حزن بمعنی گریہ ہے لہٰذا یہی معنی غار والی آیت میں ہوں گے۔ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا یعنی رو دو مت اللہ ہمارے ساتھ ہے غم سے چاہے کتنا ہی زیادہ ہو اس سے آدمی اندھا نہیں ہوتا مگر رونے سے ضرور ہو جاتا ہے لہٰذا ماننا پڑے گا کہ یعقوب روتے روتے ہی نابینا ہوئے تھے۔

۱۴۷۔ یعقوب نے پیراہن یوسف کی بو سونگھ لی

پ۱۳ یوسف ع ۱۰۔ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ۔

(ان کے باپ نے کہا اگر مجھے سٹھیا ہوا نہ سمجھو تو ایک بات کہوں مجھے یوسف کی بو محسوس ہوتی ہے) حضرت یوسف نے ایک آدمی کے ہاتھ اپنی قمیص بھیجی تھی اور کہہ دیا تھا کہ کنعان جا کر میرے باپ کی آنکھوں پر ڈال دینا وہ بینا ہو جائیں گے۔ یہاں چند سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) یوسف کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ ان کی قمیص کی بو سے ان کے باپ سمجھ جائیں گے کہ یہ قمیص یوسف کی

ہے۔ جواب یہ ہے کہ جس باپ نے بعلمِ نبوت قمیص کا خون سونگھ کر بتا دیا تھا کہ یہ میرے یوسف کا خون نہیں پھر وہ یوسف کے پسینہ کی بو کو کیوں نہیں پہچان سکتا تھا یہ علم ذوالنورین باپ بیٹوں کو قدرت کی طرف سے عطا ہوا تھا۔

(۲) حضرت یوسف نے یہ کیسے سمجھ لیا تھا کہ یہ قمیص آنکھوں سے لگتے ہی بینائی آجائے گی جواب یہ ہے انہوں نے جان لیا تھا کہ بینائی جانے کا سبب میرا فراق ہے تو جب ان کو میری زندگی کا یقین ہو جائے گا تو اس خوشی میں گئی بینائی واپس آجائے گی۔

عام لوگوں کے چہروں پر کسی عزیز سے ملنے کا مژدہ سن کر خوشی کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں چہرہ دمکنے لگتا ہے۔

ان کے دیکھنے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے (غالب)

ایسی صورت میں ایک نبی کی بینائی کا واپس آنا کیا محل تعجب ہے ورنہ نبی یا غیر نبی میں کوئی فرق ہی نہ رہے گا۔

(۳) کنعان مصر سے کافی دور تھا پھر حضرت یعقوب نے کیسے خوشبو سونگھ لی۔ جواب یہ ہے کہ انبیاء کی ظاہری اور باطنی قوتوں کا قیاس اپنی قوتوں پر نہیں کرنا چاہیئے۔ جناب ابراہیم زمین پر سے ملکوت سموات والارض کو دیکھ لیتے ہیں۔ جناب سلیمان چیونٹی کی آواز سن لیتے ہیں جناب داؤد پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح سن لیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم حج کے لئے اذان دیتے ہیں تو جہاں جہاں انسان تھے ان سب کے کانوں میں پہنچ جاتی ہے بلکہ ان بچوں کے کانوں میں بھی جو شکم مادر میں تھے یعقوب کی آواز سن کر بھیڑیا دوڑا ہوا چلا آیا۔

(۱۴۷) باپ کا بیٹے کو سجدہ کرنا

پ ۱۳ یوسف ع ۱۱ وَرَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهٗ سُجَّدًا۔ (اور یوسف نے

اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھایا اور سب کے سب (یوسف کی تعظیم کے لئے سجدہ میں گر پڑے) یہ سجدہ تعبدی نہ تھا بلکہ تعظیمی تھا۔ مصر کا یہ قانون تھا کہ جو بادشاہ کے سامنے جاتا وہ تعظیمی سجدہ کرتا۔ اگر حضرت یوسف اس کے خلاف کرتے تو مصر کی پبلک آئندہ اس قانون پر عمل نہ کرتی اور حضرت یوسف کو ملک کا قانون شکن قرار دیتی۔

یہ بھی تعبیر اس خواب کی جو حضرت یوسف نے کنعان میں دیکھی تھی کہ آفتاب و ماہتاب اور گیارہ ستارے ان کو سجدہ کر رہے ہیں۔ آفتاب و ماہتاب کی تعبیر تھی ماں باپ اور گیارہ ستاروں کی ان کے گیارہ بھائی۔ جہاں تک باپ کی تعظیم کا تعلق ہے۔ حضرت یوسف نے اس میں کوتاہی نہیں کی۔ جب کنعان سے قافلہ آیا تو ماں باپ کی تعظیم کے لئے شہر کے ناکہ تک استقبال کو گئے اور انتہائی تعظیم و تکریم کے ساتھ محل شاہی میں لائے اور تخت پر بٹھایا لیکن جو ملکی قانون تھا۔ اسے توڑنا خلاف مصلحت سمجھا۔ حضرت یوسف کو اپنے خواب کی تعبیر سات آٹھ سال بعد ملی لہٰذا جو خوابیں دیکھی جاتی ہیں ان کی تعبیر کے متعلق جلد ملنے کا خیال چھوڑ دینا چاہیئے۔

---

(۱۴۸) زلیخا کا باقی قصہ

جب زلیخا کا شوہر مر گیا اور مصر میں سخت قحط پڑا تو زلیخا پیسے پیسے کو محتاج ہو گئی یہاں تک کہ بھیک مانگنے لگی۔ لوگوں نے کہا تو حضرت یوسف کے پاس کیوں نہیں جاتی اس نے کہا حیا مانع ہے۔ جب لوگوں نے زیادہ اصرار کیا تو ایک دن سرِ راہ آکھڑی ہوئی۔ جب حضرت یوسف کی سواری ادھر سے گزری تو بیساختہ اس کی زبان سے نکلا پاک و پاکیزہ ہے وہ ذات جس نے بادشاہوں کو نافرمانی کی بدولت غلام بنا دیا اور غلاموں کو فرمانبرداری کی وجہ سے بادشاہ کر دیا جب حضرت یوسف نے ان کلمات کو سنا تو فرمایا کیا تو ہی زلیخا ہے اس نے کہا ہاں!

Marfat.com

آپ نے فرمایا کوئی حاجت ہے تو بیان کر۔ اس نے کہا اب جب کہ میں بوڑھیا ہوگئی تو آپ مجھ سے میری حاجت پوچھتے ہیں۔ حضرت یوسف کو اس کے حال زار پر رحم آیا اور اسے اپنے محل میں لے گئے۔ وہاں فرمایا تو نے میرے ساتھ ایسا ایسا عمل کیوں کیا۔ اس نے کہا آپ مجھے ملامت نہ کریں۔ اس میں کئی وجہ سے ایسا عمل کرنے پر مجبور ہوئی اول یہ کہ آپ جیسا حسین خدا نے پیدا ہی نہیں کیا۔ دوسرے مصر میں مجھ جیسی کوئی خوب صورت عورت نہ تھی تیسرے میرا شوہر نامرد تھا۔ آپ نے فرمایا خیر جو ہوا سو ہوا۔ اب تیرا کیا ارادہ ہے اس نے کہا خدا سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے پھر سے جوان کردے۔ غرض جناب یوسف کی دعا سے وہ جوان ہوگئی اور آپ نے اس سے نکاح کیا تو وہ پاکیزہ تھی اس سے تین اولادیں ہوئیں

واللہ اعلم بالصواب (منقول از حاشیہ مولانا فرمان علی صاحب مرحوم)

---

(۱۴۹) اسلام عقلی دین ہے

پ۱۳ یوسف ع ۱۲۔ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ۔

(اے رسول کہہ دو یہ میرا راستہ ہے کہ میں لوگوں کو خدا کی طرف بلاتا ہوں اور میرا پیرو بھی دونوں مضبوط دلیل پر ہیں)

تمام ادیان عالم کے مقابل اسلام کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ اس کے اصول و فروع مبنی برعقل ہیں جہاں عقل نہ پائی جائے گی وہاں اسلام کی تکلیف ہی نہ ہوگی۔ بچہ جب تک بالغ نہ ہوجائے اور اس کی عقل میں پختگی نہ آجائے اسلام میں وہ مکلف نہیں سمجھا جاتا۔ اس طرح اگر کوئی فاتر العقل ہوجائے تو بھی احکام اسلام کی بجا آوری کا اس سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ الغرض اسلام میں جتنے احکام ہیں اگر ان کو درایت کی کسوٹی پر کسا جائے تو صحیح ثابت ہوتے ہیں۔

اسلام نے اصول دین میں جن پر دین کی بنیاد قدم ہے تقلید کو دخل نہیں دیا بلکہ ایک ایک

Marfat.com

کو مکلف کا فرض قرار دیا ہے کہ وہ اپنی عقل سے سمجھے یہ کہنا باعث نجات نہیں ہو گا کہ ہم اپنے آباد اجداد کے دین پر ہیں جو عقیدہ ان کا تھا وہی ہمارا ہے ایسا ایمان قابل پذیرائی نہیں بلکہ عقل سے کام لینا ہو گا جس کی جتنی عقل ہے اس کے لحاظ سے سمجھے ایک فلسفی اپنی عقل کے مطابق اور ایک کم علم اپنی عقل سے۔ انہی عقلی مراتب کے لحاظ سے ان کے ایمان کے مراتب قائم ہوں گے۔

اس آیت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ میں اور میرا پیرو لوگوں کو بصیرت کی طرف دعوت الی اللہ دیتے ہیں۔ رسول کا سچا پیرو علی کے سوا کون ہو سکتا ہے کیونکہ بچپن سے حضرت علی آنحضرت کی پرورش و تربیت میں رہے۔ سب سے پہلے آپ ہی نے اپنے ایمان کا اظہار کیا۔ یوم بعثت جب دعوت ذوالعشیرہ دی گئی تو سب سے پہلے علی ہی نے اتباع رسول کا اعلان کیا پھر جب عروج اسلام ہوا اور جہاد کا حکم دیا گیا تو ہر موقع پر علی نے مکمل پیروی کی اور ایسی پیروی کی کہ کسی دوسرے سے ممکن نہ ہوئی اس آیت میں من اتبعنی ہے اور اتبع صیغہ واحد ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ سچا پیرو ایک ہی ہے جو بصیرت سے دعوت الی اللہ دینے والا ہے بصیرت کے ساتھ دعوت تو وہی دے گا جو کتاب اللہ کا بھرپور عالم ہو اور معرفت کے تمام مسائل کا تسلی بخش جواب دے سکتا ہو۔

---

(۱۵۰) ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہوتا ہے

پ۱۳ الرعد ع ۱۔ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ۔

(اے رسول اس کے سوا نہیں کہ تم لوگوں کو عذاب سے ڈرانے والا ہو اور ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہے)

ابن مردویہ۔ ابو نعیم اور ابن جریر نے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی

تو رسول اللہ نے اپنا ہاتھ اپنے سینہ پر رکھ کر فرمایا۔ انا منذر پھر اپنے ہاتھ سے
علی علیہ السلام کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: انت الھادی یا علی بک یھتدی
المھتدون بعدی (اے علی تم ہی ہدایت کرنے والے ہو میرے بعد تمہاری ہی ہدایت
سے لوگ ہدایت یافتہ ہوں گے اس روایت کو بہت سے علمائے اہل سنت نے نقل کیا ہے
ہر کام کرنے والے کے لئے خواہ کسی طبقہ کا ہو کوئی نمونہ عمل ضرور پیش نظر ہوتا ہے۔
مسلمان صرف کتاب خدا پڑھ کر ہدایت حاصل نہیں کر سکتے کیونکہ اول تو ہر شخص اسے سمجھ نہیں
سکتا دوسرے عملی صورت کسی کام کی قرآن سے دریافت نہیں ہو سکتی لہذا عقلاً یہ ضرورت محسوس
ہوتی ہے کہ اظہار عمل اور علم کے لئے رسول کی طرح ہر زمانہ میں ایک معصوم ہادی ضرور ہے
تاکہ اس کے عمل کو نمونہ قرار دے کر لوگ امور خیر بجا لائیں ورنہ ان کی گمراہی کا اندیشہ ہے
چنانچہ اسلام میں جو تفرقہ پردازی ہوئی اس کی خاص وجہ یہی ہے کہ رسول کے بعد جو ہادی
امت تھے لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا۔

---

(۱۵۱) کتاب خدا کا علم کس کے پاس ہے

پ ۱۳ الرعد ع ۶ ۔ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتَابِ

اے رسول تم ان سے کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان (میری رسالت کی)
گواہی کے لئے خدا اور وہ شخص کافی ہے جس کے پاس علم کتاب ہے)

اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ من عندہ علم الکتاب سے مراد علی بن ابی طالب ہیں جیسا کہ
عاصمی نے زین الفتی میں اور ثعلبی نے عبد اللہ بن عطا سے روایت کی ہے کہ عبد اللہ بن
سلام کہتے تھے کہ من عندہ علم الکتاب سے مراد علی بن ابی طالب ہیں اور اسی وجہ سے
آپ بر سر منبر فرمایا کرتے تھے:۔ سَلُوْنِیْ قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِیْ (مجھ سے مرنے

پہلے جو چاہو پوچھ لو)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن سلام کی شان میں نازل ہوئی ہے جو عالم توریت تھا اور بعد میں مسلمان ہو گیا تھا لیکن یہ غلط ہے کیونکہ سعید بن منصور، ابن جریر۔ ابن منذر، ابن ابی حاتم نے اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب سعید بن جبیر سے پوچھا گیا کیا من عندہٗ علم الکتاب سے مراد عبداللہ بن سلام ہے تو انہوں نے کہا وہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ یہ سورۃ مکی ہے اور عبداللہ مدینہ میں اسلام لایا تھا۔ ابن منذر نے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن اسلام سے متعلق تو کوئی آیت قرآن میں نازل ہی نہیں ہوئی (تفسیر در منثور جلد ۴ مطبوعہ مصر)

(۱۵۲) شجرہ طیبہ

پ ۱۳ ابراہیم ع ۱۳۔ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا۔

(کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے اچھی بات (مثلاً کلمہ توحید) کی اچھی مثال بیان کی ہے کہ اس کی مثال ایک ایسے پاکیزہ درخت کی ہے جس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں اور اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت پھل دیتا ہے)

قرآن مجید میں دو قسم کے معنی ہیں ایک ظاہری دوسرے باطنی۔ ظاہری معنی تو وہی ہیں جو اوپر لکھے گئے ہیں لیکن باطنی معنی یہ ہیں کہ نبوت کو ایک درخت مانا گیا ہے۔ جس کی جڑ نہایت مضبوط ہے جسے قیامت تک کوئی ہلا نہیں سکتا اس کی شاخیں امامت کے سلسلہ جو ہر زمانہ میں باقی رہنے والی ہیں اور اس کی بلندی آسمان تک ہے ہر زمانہ میں اس

کے پھل ذیوض و برکات علمیہ و عملیہ لوگوں تک باذن الٰہی پہنچتے رہتے ہیں ۔

خدا نے جس درخت طیبہ کی مثال دی ہے اس کا وجود کہیں نہ کہیں ہونا ضرور ہے ورنہ یہ مثال ایک خیالی اور فرضی چیز ہو جائے گی ۔ دنیا کے کسی خطہ پر ایسا درخت ڈھونڈھے نہ ملے گا ۔ جس کی شاخیں آسمان تک بلند ہوں اور ہر زمانہ میں وہ پھل دیتا رہتا ہو ۔ خدا کے گھر میں ایک بار ایسا درخت دکھائی دیا تو تھا ۔

فتح مکہ کے بعد جب حضرت رسول خدا مع حضرت علی خانہ کعبہ کے اندر گئے تو نیچے کے بت تو چھڑی مار مار کر گرا دیئے لیکن ایک بہت بڑا بت جو سقف خانہ کعبہ پر تھا اس کے گرانے کے لیے حضرت علی کو اپنے شانوں پر سوار کیا کہ اوپر جا کر اسے گرا دیں ۔ جب علی دوش رسول پر تھے تو حضرت رسول خدا نے پوچھا یا علی اپنے کو کہاں پا رہے ہو ۔ عرض کی اتنی بلندی پر ہوں کہ اگر چاہوں تو آسمان کو اپنے ہاتھ سے چھو لوں ۔

اس سے ثابت ہوا کہ نبوت بمنزلہ درخت کی جڑ کے ہے اور امامت بمنزلہ فرع کے ۔ چونکہ ہر زمانہ میں ایک نہ ایک امام کا وجود قیامت تک باقی رہے گا اور لوگ ان سے فائدہ پاتے رہیں گے لہٰذا اس طرح یہ مثال صحیح ہو جائے گی ورنہ اس کے مثال میں دوسری عملی صورت کوئی پیش نہیں کی جا سکتی اللہ تعالیٰ تو مثالیں دے دے کر ہی نازک مسئلوں کو سمجھاتا ہے ۔

(۱۵۳) درخت خبیثہ

پ ۱۳ ابراہیم ع ۴ ۔ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۔ اور گندی بات (شرک) کی مثال ایک (ایسے گندے درخت کی سی ہے جس کی جڑ ایسی کمزور ہے کہ زمین کے اوپر ہی سے اکھاڑ پھینکا جائے کیونکہ اس کا جماؤ تو ہے ہی نہیں ۔)

Marfat.com

درخت خبیثہ بنی اُمیہ کی حکومت تھی جس کا زمانہ دو سو برس بعد ختم ہوگیا اب کوئی ان کا نام لیوا دنیا میں باقی نہیں جو ظلم و ستم ان کو کرنے تھے کر گئے۔ بحمد اللہ درخت طیبہ کی شاخیں آج تک باقی ہیں اور قیامت تک رہیں گی۔

---

(۱۵۴) حضرت ابراہیم کی دعائیں

پ۱ ابراہیم ع ۱۶۔ جب حضرت ابراہیم و اسماعیل خانہ کعبہ بنا رہے تھے تو انہوں نے کئی دعائیں مانگیں جو جامع قرآن نے متفرق مقام پر درج کر دی ہیں۔

(۱) وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ میری اولاد کو بھی مجھ ہی جیسا مسلمان بندہ بنائے رکھنا

(۲) وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ الخ اور اس امت مسلمہ میں سے ایک رسول کو بھیجنا جو انہی میں سے ہو

(۳) وَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کرنا چنانچہ خدا نے ذوی القربیٰ رسول کی محبت کو واجب قرار دیا۔

(۴) وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ (ان کو اولاد کا رزق دینا) یعنی مقطوع النسل نہ ہوں قیامت تک ان کی اولاد دنیا میں رہے۔

(۵) وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَن نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ۔ مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچائے رکھنا، خدا نے آیت تطہیر نازل کر کے ہر رجس سے ان کو پاک کر دیا۔

(۶) وَاجْعَل لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ آخر زمانہ میں میرے لئے ایک سچی زبان بنانا یہ دعا بھی قبول ہوئی ۔ وجعلنا لهم لسان صدق عليا۔ ہم نے ان کے لئے علی کو سچی زبان بنایا۔ نازل ہوئی

حفاظت قرآن کا دعویٰ اللہ نے کیا

پ۱۴ الحجر ع ۱۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۔ ہم نے قرآن کو

نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں)

قرآن کی حفاظت کا یہ مطلب ہے کہ ہم اس کو ضائع و برباد نہ ہونے دیں گے اور اسے اصلی حالت پر باقی رکھیں گے پس اگر تمام دنیا میں ایک نسخہ بھی قرآن مجید کا اصلی صورت پر باقی رہے تب بھی یہ کہنا صحیح ہے کہ وہ محفوظ ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ جو قرآن لوگوں کے ہاتھوں میں ہے اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ قرآن میں کچھ تغیرات ہو گئے ہیں کچھ نہیں تو اتنا تو ماننا ہی پڑے گا کہ ترتیب موافق تنزیل نہیں مکی و مدنی سوائے گڈمڈ ہیں اور یہ بھی معنی نہیں کہ قرآن کے ہر ہر ورق کی حفاظت کریں گے کیونکہ اس زمانہ میں چھاپہ کی بدولت قرآنوں کی کثرت ہو جانے سے ان کے بے شمار اوراق ضائع ہو جاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی قانون کی حفاظت اس کی اورجنل (ORIGINAL) یعنی اصلی کاپی سے ہوتی ہے اس کی نقلوں سے نہیں۔ پس قرآن کی اصلی کاپی سینۂ رسول میں تھی جو حضرت کی زبان سے نکلا اور لوگوں کے کانوں تک پہنچا اور کاغذ پر لکھا گیا وہ نقلی کاپی ہے اصلی کاپی نہیں۔ قرآن ہے کتاب اللہ (اللہ کی لکھی ہوئی کیونکہ وہ قلب رسول لکھی گئی تھی) غیر معصوم قرآن کے پڑھنے اور لکھنے میں غلطیاں کر سکتا ہے معصوم سے یہ ممکن نہیں قرآنِ مجید کے الفاظ تو زبانوں سے زبان پر آ گئے اور اس کا اصلی مفہوم جو بصورت کتاب اللہ تھا۔ سینوں سے سینوں میں منتقل ہوا۔ جیسا کہ فرماتا ہے: بَلْ هُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ۔ یہ روشن آیات ہیں ان لوگوں کے سینوں میں جن کو علم دیا گیا ہے۔ قرآن مجید کی اورجنل کاپی سینوں سے سینوں میں چلتی رہی اس لئے ہر زمانہ میں ایک امام معصوم کا ہونا ضروری تھا تاکہ اورجنل کاپی ضائع نہ ہو اور جب آیات قرآنی کے سلسلے میں لوگوں کے درمیان اختلاف ہو تو اورجنل کاپی والے اس کی صحیح صورت بتا دیں۔ یہی ضرورت تھی کہ رسول اللہ نے قرآن کے ساتھ اہلبیت کو کیا ہے جیسا کہ حدیث ثقلین سے ظاہر ہے۔

Marfat.com

اگر قرآن میں اختلافی صورتیں پیدا نہیں ہوئیں تو یہ تہتر فرقے کیسے بن گئے مثلاً ایک کہتا ہے بسم اللہ سورہ حمد کا جزو ہے اور اس کے ساتھ پڑھنا ضروری ہے دوسرا کہتا ہے۔ جزو سورہ نہیں ایک کہتا ہے وما یعلم تاویلہ الا اللہ پر آیت ختم ہو جاتی ہے دوسرا کہتا ہے والراسخون فی العلم بھی شامل کرنا چاہیئے۔ فرمایئے اس کا فیصلہ کون کرے جس کے پاس اور جنبل کا پی ہوگی وہی بتا سکتا ہے یا کون بتائے کہ آیہ وضو میں ارجلکم تفیح لام ہے یا بکسر۔ آیۃ الکرسی ھم فیھا خالدون پر ختم ہے یا ھو العلی العظیم پر۔ ایسی بہت سی اختلافی صورتیں قرآن مجید میں موجود ہیں تو بغیر اتھارٹی یا ذمہ دار کے کسی اور کا فیصلہ کیسے مانا جا سکتا ہے۔ پس اس لئے اور جنبل کاپی کی ذمہ داری خدا کے ذمہ ہے جس کا سلسلہ قیامت تک رہے گا۔ جب حضرت حجت ظہور فرمائیں گے تو یہ اور جنبل کاپی لوگوں کے سامنے آئے گی۔

---

(۱۵۶) آسمانی بروج و شیاطین سے حفاظت

پ۱۴ الحجر ع ۲۔ لَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَاءِ بُرُوْجًا وَّ زَیَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِیْنَ وَ حَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ۔

(ہم نے آسمانوں میں بروج کو بنایا جو دیکھنے والوں کے لئے باعث تفریح ہیں اور ان کو شیاطین سے محفوظ رکھا)

بروج جن کو کہا جاتا ہے اور جن کے حلقہ میں سیارے گردش کرتے ہیں وہ درحقیقت ستاروں کا مجموعہ ہے ان کو سب سے پہلے یونان کے چرواہوں نے معلوم کیا اور ان کے جو نام ہیں وہ بھی ایسے ہی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ صحرائی لوگوں کے رکھے ہوئے ہیں مثلاً ثور (بیل) عقرب (بچھو) میزان (ترازو) اسد (شیر) وغیرہ

صورت یہ ہوئی کہ جب یونانی چرواہے رات کو مویشی چرانے جاتے تو ان کو ڈیوٹی

Marfat.com

بدلنے کی ضرورت پیش آتی اس وقت گھڑی گھنٹہ تو تھا نہیں کہ یہ کہہ دیتے بارہ بجے آجانا لہٰذا انہوں نے ستاروں کے مجموعوں سے کام لیا - انگریزی میں ان کو CONCILATION OF STARS کہتے ہیں) یعنی جب فلاں مجموعہ فلاں پہاڑی یا ٹیلہ پر آجائے تو چلے آنا - یہ مجموعے ایک فرضی صورت میں نامزد کر دیئے گئے ہیں مثلاً ایک جگہ ستارے یوں جمع ہیں

انہوں نے اس کا نام ترازو رکھ دیا - مثلاً ایک جگہ ستارے بچھو کی شکل میں دیکھے تو انہوں نے بچھو نام رکھ لیا - علیٰ ہذا القیاس آج تک وہی نام چلے آرہے ہیں -

ان ستاروں اور سیاروں کی شعاعیں مل جل کر جب زمین پر آتی ہیں تو ان کے مخلوقات ارضی پر مختلف اثرات ہوتے ہیں - نجومی انہی سے قیاسی نتائج نکالتے ہیں جو کبھی سچ ہوتے ہیں اور کبھی جھوٹ "بک آف نالج" میں ہے کہ سب سیاروں کی روشنی یکساں نہیں ہوتی ان کے درمیان نمایاں فرق ہوتا ہے - مختلف برجوں میں جو ستارے ہوتے ہیں وہ بھی اپنی اپنی شعاعوں کی علیحدہ تاثیر رکھتے ہیں - سیاروں کی شعاعیں ان کی کرنوں کو اپنے اندر سمو کر بہت سے نئے اثرات پیدا کر لیتی ہیں -

پہلے شیاطین کی آمد و رفت تمام آسمانوں میں تھی اور وہاں سے خبریں لا کر کاہنوں کو سناتے تھے لیکن آنحضرت کی ولادت کے بعد ان کی آمد و رفت آسمانوں کے درمیان بند ہو گئی اور ان کی رہائش کی جگہ مابین زمین و آسمان قرار دی گئی اور انسانی نگاہوں سے انہیں پوشیدہ کر دیا گیا اگر بعض گستاخ شیاطین آسمان کی طرف جانے کا ارادہ کرتے ہیں تو شہاب ثاقب ان کے پیچھے لگتا ہے اور ان کو کھدیڑتا ہوا نیچے لے جاتا ہے - واللہ اعلم بالصواب - یہ رموز و اسرار قدرت کے ہیں جن تک عقل انسانی کی رسائی نہیں -

(۱۵۷) قالب آدم میں نفخ روح

پ۱۴ الحجر ع ۳ - فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ - دپھر جب میں

اس کو ہر طرح سے درست کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب کے سب اس کے سامنے سجدہ میں گر پڑنا)

جس کی تعظیم کے لئے سجدہ کا حکم دیا گیا تھا وہ آدم کا مادّی قالب نہ تھا بلکہ روح نبوّت تھی جو دار لئے سے کمالات انسانیہ ہوتی ہے ملائکہ اس کی حقیقت کو سمجھ کر سربسجود ہو گئے لیکن شیطان کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی وہ ان کے مادی پیکر کے چکر ہی میں پھنسا رہا اور اپنے کو ان سے افضل جانتا رہا اسے کیا خبر تھی کہ ایک نبی کن کن اوصاف کا مالک ہوتا ہے۔ نفخ روح سے یہ مراد نہیں کہ جب میں اس میں پھونک ماروں بلکہ یہ مطلب ہے کہ جب میں اس میں داخل کر دوں۔ انبیاء میں علاوہ روح حیات ایک روح نبوّتی ہوتی ہے۔ خدا اس کے متعلق کہہ رہا ہے کہ جب وہ روح نبوّتی جسد آدم میں پہنچ جائے تب تم سجدہ کرنا۔ یہ سجدہ نبی کے قالب کے لئے نہ تھا بلکہ روح نبوّتی کے لئے تھا۔ سجدہ تعظیمی۔

---

(۱۵۸) شیطان کو وقت تک کی مہلت کیوں دیگئی

پ۱۴ الحجر ع ۳۔ قَالَ فَانۡظِرۡنِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الۡمُنۡظَرِیۡنَ اِلٰی یَوۡمِ الۡوَقۡتِ الۡمَعۡلُوۡمِ۔ (شیطان نے کہا اچھا مجھے اس دن تک کی مہلت دے جب کہ لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا (قیامت) فرمایا جا وقت معلوم تک کی تجھے مہلت دی گئی)

مفسرین اہل سنت نے قطعاً اس طرف توجہ نہیں کی کہ شیطان کو قیامت تک کی مہلت کیوں نہ دی گئی اور وقت معلوم تک کیوں دی گئی نیز یہ کہ وقت معلوم سے کونسا وقت مراد ہے اور اس میں کیا ہو گا۔ بعض حق پسند مفسرین نے اس سے بحث کی ہے اور خوب امر حق تھا اسے لکھا ہے یہ تو ظاہر ہے کہ انسان کو گمراہ کرنے والا شیطان ہے اگر اس کو قیامت کے دن تک

Marfat.com

مہلت مل جاتی تو ضلالت و گمراہی کا سلسلہ قیامت تک چلتا اور دین اسلام کے تمام ادیان پر غالب ہونے کا کوئی وقت ہی نہ آتا اور یہ پیشگوئی پوری ہی نہ ہوتی۔ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ دوسرے نیکی اور بدی قیامت تک ساتھ ساتھ چلتی رہتیں اور نیکی کو بدی پر کبھی غلبہ حاصل نہ ہوتا کیونکہ شیطان ان کو روز قیامت تک بہکاتا رہتا لہٰذا ضروری ہوا کہ اس ملعون کا خاتمہ قیامت سے پہلے ہی کر دیا جائے۔

اب سوچنا یہ ہے کہ اس کو قتل کون کرے جو لوگ اس کے دام فریب میں آچکے ہیں جن پر وہ بارہا غالب آچکا ہے جن کی آنکھوں سے وہ کبھی نظر ہی نہیں آیا وہ اس کے قاتل کیسے ہو سکتے ہیں اس کا قاتل تو خدا کا ایسا مخلص بندہ ہونا چاہیئے جو کبھی اس کے دام فریب میں آیا ہی نہ ہو اور جو اسے اچھی طرح پہچانتا ہو اور اس کے قتل کا طریقہ جانتا ہو اور جس کی قوت اس کی قوت سے زیادہ ہو۔ ایسا شخص ولی خدا کے سوا دوسرا نہیں ہو سکتا۔

مطابق احادیث رسول قاتل شیطان ولی عصر امام آخر الزمان ہوں گے یہ اسے قتل کر کے بدی کا بیج زمین سے نکال پھینکیں گے۔ جب یہ ملعون قتل ہو جائے گا تو لامحالہ اسلام کے خلاف جو جو ادیان اس کے بنائے ہوئے ہوں گے وہ بھی مٹ جائیں گے اس وقت ہر شخص دین اسلام کی صداقت کا اعتراف کرے گا یہی لم ہے وقت معلوم تک شیطان کو مہلت دیئے جانے کی ورنہ کوئی مفسر بتائے کہ اس کی علت اور کیا ہے۔

---

(۱۵۹) نبی و امام عالم پیدا ہوتے ہیں

پ۱۴ الحجر ع ۴۔ قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ

(فرشتوں نے ابراہیم سے کہا ڈریئے نہیں ہم تم کو ایک بڑے عالم بیٹے کی خوشخبری دیتے ہیں)

اس سے معلوم ہوا کہ ان کو ان کے فرزند اسحاق کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی گئی ہے اور یہ بھی

Marfat.com

بتا دیا گیا کہ وہ بطن مادر ہی سے علیم (دانا) پیدا ہوگا جاہل نہیں۔ عام لوگوں میں اور اولیائے خدا میں یہی فرق ہوتا ہے کہ سب لوگ بطن مادر سے جاہل پیدا ہوتے ہیں اور اس دنیا میں آ کر تدریجی علم حاصل کرتے ہیں لیکن انبیاء و آئمہ خدا کے یہاں سے پڑھے پڑھائے آتے ہیں۔ غلام کے ساتھ علیم کی شرط لگانا ہی یہ بات بتاتا ہے کہ وہ خدا کے یہاں سے علم لئے ہوئے آئے گا ورنہ علیم کی صفت بیان کرنے کا فائدہ کیا ہوا۔ پیدا ہونے کے بعد تحصیل علم کر کے تو سب ہی عالم بن جاتے ہیں۔

کس قدر جاہل ہیں وہ لوگ جو حضرت رسول خدا کو اس معنی میں اُمّی سمجھتے ہیں کہ وہ مبعوث برسالت ہونے سے پہلے جاہل تھے نہ لکھنا جانتے تھے نہ پڑھنا اس صورت میں تو آنحضرت کا مرتبہ حضرت اسحاق سے بھی پست ہو جاتا ہے حالانکہ حضور سرور کائنات سید الانبیاء تھے مصلحت لکھنے پڑھنے کا اظہار نہ کرنا اور بات ہے اور جاہل ہونا اور بات ہے آنحضرت ہی کی طرح ہمارے تمام آئمہ بطن مادر ہی سے عالم پیدا ہوتے تھے یہی وجہ تھی کہ حضرت علی علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی رسول کے سامنے کتب اربعہ کو پڑھ کر سنا دیا اس طرح دیگر آئمہ نے پیدا ہونے کے بعد اپنے علم کا اظہار کر دیا۔ اگر انبیاء علیہم السلام و آئمہ کرام پیدائشی عالم نہ ہوتے تو حضرت عیسےٰ آغوش مادر میں یہ نہ فرماتے اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا۔ (اللہ نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے۔) امام محمد باقر علیہ السلام جب کہ پانچ برس کے تھے تو جابر بن عبداللہ انصاری جیسا بوڑھا صحابی ان سے تحصیل علم کرنے کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔

مجبوری میں کلمہ کفر کہنا جائز ہے

پ۱۴ النحل ع ۱۴، مَنْ کَفَرَ بِاللّٰہِ مِنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِہٖۤ اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ۔

(جو شخص ایمان کے بعد کفر اختیار کرے گا اس کے لئے سخت سزا ہے) مگر جو

Marfat.com

مجبور کیا جائے (کلمہ کفر کہنے پر) اور اس کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہو۔
(تو کلمہ کفر کہنے میں کوئی حرج نہیں)

کفار قریش غریب مسلمانوں کو جو اسلام قبول کر چکے تھے بے حد ستاتے تھے چنانچہ ایک دن حضرت عمار یاسر کو اتنا مارا کہ قریب ہلاکت پہنچ گئے ان سے کہا اگر تم نے لات وعزیٰ کو معبود نہ کہا تو ہم تمہیں ہلاک کر دیں گے عمار نے مجبوراً کہہ دیا تو رہائی ملی۔ وہاں سے روتے ہوئے حضرت رسول خدا کے پاس آئے اور سارا حال بیان کیا۔ حضرت نے اپنے ہاتھ سے عمار رضی اللہ عنہ کے آنسو پونچھے اور فرمایا تم مطمئن رہو۔ ایمان تمہارے گوشت و پوست میں پیوست ہو گیا ہے اگر یہ لوگ تمہیں پھر مجبور کریں تو پھر وہی کلمہ کہہ دینا تو پھر وہی کلمہ کہہ دینا اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ آیت صاف تقیہ کے جواز پر دلالت کرتی ہے مگر حضرات اہل سنت کی ہٹ دھرمی کا کیا علاج کہ وہ تقیہ کو نہیں مانتے اور یہی رٹ لگائے ہوئے ہیں کہ شیعہ جھوٹ بولنا جائز سمجھتے ہیں۔

(۱۶۱) لفظ اُمت شخص واحد پر بھی بولا جاتا ہے

پ۱۴ النحل ع ۱۶: ۔ اِنَّ اِبْرٰھِیْمَ کَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِیْفًا وَلَمْ یَکُ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔

(بیشک ابراہیم خدا کے فرمانبردار بندے اور باطل سے کترا کے چلنے والے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے)

جب اس آیت سے یہ معلوم ہو گیا کہ لفظ امت شخص واحد پر بھی بولا جاتا ہے تو اب غور کرو اس آیت پر جو تعمیر کعبہ کے وقت حضرت ابراہیم کی دعا کے متعلق ہے:۔ وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّکَ وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا
یعنی ابراہیم امت مسلمہ میں سے ایک رسول کے مبعوث ہونے کی دعا کر رہے ہیں جو انہی میں

سے ہو پس اگر ایک شخص بھی بعثت رسول کے وقت ایسا مسلمان نہ ہو جیسے ابراہیم تھے یعنی بلاواسطہ اسلام لائے ہوئے تو گویا دعائے ابراہیم علیہ السلام قبول نہ ہوئی۔ چنانچہ جب رسول نے دعویٰ نبوت کیا تو حضرت علی نے سب سے پہلے تصدیق کی جو امت مسلمہ تھے یعنی بلاواسطہ اسلام لائے ہوئے تھے۔

(۱۶۲) شہد کی مکھی اور اس کی خصوصیات

پ۱۴ النحل ع۹: ۔ وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ثُمَّ کُلِیْ مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُکِیْ سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلًا یَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ۝

(تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ تو پہاڑوں، درختوں میں اور لوگ جو اونچی اونچی ٹٹیاں اور مکانات پاٹ کر بناتے ہیں ان میں اپنے چھتے بنا پھر ہر طرح کے پھولوں کے بور سے دان کا عرق) چوس پھر اپنے پروردگار کی راہوں میں تابعداری کے ساتھ چلی جا۔ ان مکھیوں کے پیٹ سے پینے کی ایک چیز نکلتی ہے (شہد) جس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں اس میں لوگوں کی بیماریوں کی شفا بھی ہے اس بات میں شک نہیں کہ اس میں غور کرنے والوں کے واسطے (قدرت خدا کی) بہت بڑی نشانی ہے)

سب سے پہلے ہم وہ عبارت لکھتے ہیں جو مولانا فرمان علی صاحب مرحوم نے اپنے مترجمہ قرآن کے حاشیہ پر لکھی ہے:۔

منجملہ عجائبات قدرت کے شہد کی مکھی بھی ہے کیونکہ اس میں وہ باتیں پائی جاتی ہیں جسے دیکھ کر بڑے بڑے عقل والے حیران ہو جاتے ہیں اس کے خانوں کو دیکھو کہ ٹھیک مسدس اور تمام زاویے

Marfat.com

اس کے برابر ہوتے ہیں کہیں سے کسی خانہ میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ اسی طرح تمام خانے یکے بعد دیگرے بنتے چلے جاتے ہیں اگر وہ کوئی اور شکل بناتی تو خانوں کا برابر ایک دوسرے سے متصل بننا محال تھا یہ ریاضی خدا کے سوا سے کس نے بتائی اس کے علاوہ اس کے اصول تمدن کو دیکھو کہ ان میں ایک ملکہ ہوتی ہے جسے یعسوب کہتے ہیں اس کے سر پر تاج ہوتا ہے۔ سب مکھیاں اس کے تابع ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ پہاڑی لوگ اپنی بیٹیوں کی شادی میں شہد کی مکھی کا چھتہ بھی دیتے وہ لوگ چھتے میں سے پہچان کر ملکہ کو پکڑ کر بیٹی کے ساتھ کر دیتے ہیں تمام مکھیاں خود بخود اس کے ساتھ ہو جاتی ہیں ملکہ انڈے بچے برابر نہیں دیتی بلکہ صرف ایک مرتبہ اور اس کے بعد مر جاتی ہے اور اس کا بچہ اس کا قائمقام ہوتا ہے اگر یہ مر جائے یا گم ہو جائے تو تمام مکھیاں تباہ و برباد ہو جاتی ہیں ان مکھیوں کی کئی قسمیں ہوتی ہیں کچھ پہرہ دار کچھ محافظ کہ بہار کے موسم میں شہد جمع کرتی ہیں اور موسم خزاں کے واسطے ذخیرہ کرتی ہیں۔ غرض ایک اچھی خاصی سلطنت ہے آخر یہ باتیں انہیں سوائے خدا کے کس نے بتائیں۔

اس آیت میں سب سے زیادہ قابل غور بات یہ ہے کہ پرندوں میں خدا کی بیشمار مخلوق اس زمین پائی جاتی ہیں۔ خدا نے اپنی کسی مخلوق کو گھر بنانے کی ہدایات نہیں کی سوائے شہد کی مکھی کے کہ بذریعہ وحی اس کو کہاں کہاں گھر بنانے کے احکام جاری کئے ہیں۔

(۱) پہاڑوں پر (۲) درختوں پر (۳) ٹہنیوں پر۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے شہد کے ذخیرہ کو خصوصیت سے محفوظ رکھنا چاہتا ہے۔

(۲) پھر یہ بھی ہدایت کی ہے کہ وہ پھلوں اور پھولوں سے بطریق خاص چوس کر شہد حاصل کرے۔

(۳) پھر یہ بھی بتایا کہ وہ آرام کے ساتھ اپنے چھتے میں رہے اور مختلف مقامات پر جا کر اپنی روزی حاصل کرے۔

(۴) اس کے شہد کے متعلق یہ بھی بتا دیا کہ اس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں اور رنگ کے لحاظ سے اس کی تاثیر میں بھی فرق ہوتا ہے۔

Marfat.com

(۵) یہ بھی بتا دیا کہ شہد میں بہت سی بیماریوں کے لئے شفا ہے۔

اب یہ بھی سن لیجیے کہ زولوجی یعنی علم حیوانات کے ماہروں نے اسی شہد کی مکھی کے متعلق کیا کیا تحقیقات کی ہے۔

(۱) باوجود چھوٹا سا جانور ہونے کے یہ اپنا چھتہ کسی جگہ اس مضبوطی سے بناتی ہے کہ سخت سے سخت آندھی یا بارش کا زبردست جھالا اس کو اپنی جگہ سے نہیں ہٹا سکتا اس کے پاس نہ تو کوئی آلہ نہ کوئی سامان تعمیر۔ موم جیسی نرم چیز سے وہ اپنا چھتہ ایسا مضبوط بناتی ہے کہ پختہ عمارتیں گر جائیں مگر اس کا مکان نہیں گرتا۔

(۲) وہ اپنی عقل خداداد سے کام لے کر فصل بہار میں پہلے پھلوں اور پھولوں سے وہ مادہ چوستی ہے جس سے اپنا گھر بنائے۔

(۳) کوئی معمار پیمانہ و پرکار سے ایسے چھوٹے چھوٹے خانے نہیں بنا سکتا جیسے یہ مکھی بناتی ہے آپ پرکار سے ناپ کر دیکھیے کسی خانہ کو کم و بیش نہ پائے گا۔ زاویہ قائمہ بلندی، لمبائی، چوڑائی میں سب کے سب یکساں ہوں گے یہ ایک کاریگر کے نہیں مختلف کاریگروں کے بنائے ہوئے ہوتے ہیں مگر کیا مجال کہ ذرا ان میں فرق ہو جائے۔

(۴) اندر ہی اندر وہ ایسے راستے بناتی ہے کہ ہر مکھی کو اپنے خانہ میں جانے کی آسانی ہو معلوم ہوتا ہے پورا ایک شہر بسا ہوا ہے۔

(۵) ہر مکھی اپنے گھر کو جو اس کا بنایا ہوا ہوتا ہے پہچانتی ہے اور باہر سے جب آتی ہے تو اسی میں چلی جاتی ہے کسی غیر کے گھر پر قبضہ کرنا نہیں چاہتی۔

(۶) چھتہ کے بیچ میں شہد کے لئے ایک ایسا مقام بنایا جاتا ہے جہاں شہد کا ذخیرہ ہو سکے

(۷) ان کا ایک بادشاہ ہوتا ہے جو شہد کے خزانہ کے اوپر اپنے گھر میں رہتا ہے سب مکھیاں اس کے حکم کے تابع ہوتی ہیں اگر کوئی حادثہ پیش آئے تو جب تک بادشاہ چھتہ چھوڑ کر جانے کا حکم نہ دے ایک مکھی نہیں اڑ سکتی۔

Marfat.com

(۸) شہد جمع کرنے کے لیے سب مکھیاں ایک بار چھتہ سے باہر نہیں جاتیں بلکہ تھوڑی تھوڑی باری باری جاتی ہیں تاکہ خطرہ کے وقت وہ شہد کی حفاظت کر سکیں۔

(۹) ایک گروہ پہریداروں کا ہوتا ہے جو لگے خانوں میں رہتا ہے تاکہ اگر کوئی خطرہ سامنے آئے تو وہ سب کو آگاہ کر دے۔

(۱۰) پھولوں پر بیٹھ کر یہ مکھی شیریں مادہ چوستی ہے اس کو وہی جانتی ہے ہم نہیں بتا سکتے۔ اسی طرح پھلوں سے کس طرح رس لیتی ہے کوئی نہیں بتا سکتا۔

(۱۱) مکھی قدرت کی ایک چھوٹی سی مشین شہد بنانے کی ہے پھلوں اور پھولوں سے جو رس لے کر آتی ہے وہ اس کے اندر جا کر شہد بنتا ہے اور اتنے جلد کہ جب وہ چھتہ کی طرف لوٹتی ہے تو اس کے شکم میں شہد ہوتا ہے نہ کہ پھلوں یا پھولوں کا رس۔

(۱۲) چھتہ میں آ کر وہ اس شہد کو اپنے منہ سے تھوڑا تھوڑا نکالتی ہے اور جو خزانہ ہے وہاں ٹپکا دیتی ہے یہ بڑے بڑے خانے ہوتے ہیں جن میں شہد جمع ہوتا رہتا ہے کھلا نہیں رکھا جاتا۔

(۱۳) جب کوئی مکھی چھتہ میں آتی ہے تو پہرہ دار اس کا منہ سونگھتا ہے اگر وہ کسی بدبودار پھول پر بیٹھ کر آئی ہوتی ہے وہ اسی وقت اس کا سر کاٹ دیتا ہے۔ چھتہ کے نیچے جو مکھیاں مری ہوئی ملتی ہیں وہ اس وجہ سے ہوتی ہیں۔

(۱۴) جب خزاں کا موسم آتا ہے اور کہیں پھول ڈھونڈنے سے نہیں ملتا تو یہ مکھیاں اپنے اندوختہ سے کھانے لگتی ہیں۔

(۱۵) اگر کوئی سخت حادثہ پیش آنے والا ہوتا ہے مثلاً جنگل میں آگ لگ جائے اور ان کو اندیشہ ہو کہ وہ آگ ان کے چھتہ تک پہنچ جائے گی تو بادشاہ حکم دیتا ہے کہ ساری مکھیاں خزانہ سے جلد شہد چوس کر اڑ جائیں اس کے بعد خالی چھتہ کے سوا اور کچھ نہیں رہتا۔

(۱۶) اگر کسی درخت یا ٹہنیوں پر بہت سے چھتے لگے ہوں تو ہر مکھی اپنے ہی چھتہ میں جائے گی

Marfat.com

دوسرے چھتہ کے پہرہ دار اس کو گھسنے ہی نہ دیں گے۔

(۱۷) مکھیوں کا بادشاہ جو یعسوب کہلاتا ہے قد و قامت میں سب سے بڑا ہوتا ہے وہ ہر مکھی کو دیکھ کر پہچان لیتا ہے۔

(۱۸) مکھی کا دنبالہ بڑا ہوتا ہے اور پیٹ کا حصہ چھوٹا۔ اسی میں قدرت نے شہد بنانے کی مشین لگا دی ہے اس کے دنبالہ میں ایک ڈنک ہوتا ہے جس کے پیچھے زہر کی پوٹلی ہے جب وہ دشمن کے ڈنک مارتی ہے تو زہر اس کے ساتھ ہی بدن میں پیوست ہو جاتا ہے جیسے بچھو نے کاٹ لیا۔

(۱۹) یہ مکھیاں دو قسم کی ہوتی ہیں وحشی اور اہلی۔ وحشی مکھیاں پہاڑوں اور درختوں پر اپنا چھتہ بناتی ہیں اور اہلی مکھیاں گھروں میں رہتی ہیں۔ سوات وغیرہ مقامات پر جہاں کا شہد مشہور ہے لوگ مکھیاں پالتے ہیں۔ ایک ایک گھر میں کئی کئی مٹکے رکھے رہتے ہیں جن کے نیچے سوراخ ہوتا ہے ہر گھر کے قریب پھولوں کے باغ ہوتے ہیں مکھیاں وہاں جا کر رس چوستی ہیں اور وہاں سے پھر اپنے مٹکے میں جو چھتہ بنا ہوتا ہے آجاتی ہیں۔ شہد نیچے ٹپکتا رہتا ہے جسے مالک مکان جمع کرتا رہتا ہے ایسے کارخانے پاکستان میں کئی جگہ ہیں۔

(۲۰) مکھی کے بچے انڈوں سے پیدا ہوتے ہیں ہر مکھی اپنے خانہ میں انڈے دے کر چھوڑ دیتی ہے وہ چڑیوں کی طرح ان کو سیتی نہیں چار روز بعد بچہ انڈے سے نکل آتا ہے اور ایک ہفتہ بعد پوری مکھی بن جاتا ہے اور اپنا گھر بنانے کی تگ و دو میں لگ جاتا ہے یونہی چھتہ روز بروز بڑھتا چلا جاتا ہے۔

(۲۱) اس مکھی کی عمر طبعی زیادہ نہیں ہوتی۔ بعض ماہرین حیوانات کا خیال ہے کہ دو تین سال سے زیادہ نہیں ہوتی۔

(۲۲) یہ مکھی اپنے چھتے کے مقام کو ایسا یاد رکھتی ہے کہ اگر کسی جگہ سے چھتہ ہٹا دیا جائے تو پھر دہیں آکر از سر نو چھتہ بنانے لگتی ہے۔

(۲۳) پہاڑوں کی چٹانوں پر جہاں یہ چھتہ لگاتی ہے اور پھل پھول وہاں کم ملتے ہیں تو یہ اڑ کر وادیوں میں آجاتی ہے اور وہاں سے رزق لے کر پھر اپنے چھتہ میں چلی آتی ہے راستہ بھولتی نہیں

(۲۴) شہد کی مکھیاں کئی قسم کی ہوتی ہیں۔ چھوٹی بڑی پھر رنگ بھی ان کے مختلف ہوتے ہیں بعض سیاہی مائل بعض زردی مائل اور بعض نیلگوں۔

(۲۵) ان شہدوں کی تاثیر بھی مختلف ہوتی ہے۔ سفید شہد مقوی قلب ہوتا ہے اور یہ بہترین شہد کہلاتا ہے تاثیر میں گرم زیادہ ہوتا ہے۔ سرخی مائل اعصاب کو قوت دیتا ہے اور اس سے قوت باہ زیادہ ہوتی ہے۔

(۲۶) مکھیوں کے شہد بھی مختلف رنگ کے ہوتے ہیں بعض سفید بعض سرخی مائل، بعض ہلکے زردی مائل۔

(۲۷) اطبّا شہد سے بہت سے امراض کا علاج کرتے ہیں۔ بالخصوص لقوے اور فالج زیادہ مفید ثابت ہوتا ہے حافظہ کو بڑھاتا ہے۔

(۲۸) شہد کی مکھی کے چھتہ کا موم بھی اکثر امراض میں بطور دوا استعمال ہوتا ہے۔

(۲۹) یہ مکھیاں اس زور سے ڈنک مارتی ہیں کہ اکثر ان کا دنبالہ بدن سے الگ ہو جاتا ہے

(۳۰) حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہد کو بہت پسند فرماتے تھے۔

غرض شہد کی مکھی صنعت باری تعالیٰ کا ایک شاہکار ہے۔ بظاہر ایک چھوٹا سا جانور ہے لیکن اسرار قدرت کا خزانہ ہے سبحانہ ما اعظم شانہ'

اپنا گھر بنانے میں چند جانور کارخانہ قدرت میں امتیاز خصوصی حاصل کئے ہوئے ہیں

(۱) شہد کی مکھی

(۲) کرم پیلہ یا ریشم کا کیڑا جو ریشم کا کویہ شاندار بناتا ہے اور خود ہی اپنے گھر میں دفن ہو جاتا ہے لیکن قابل دید یہ بات ہے کہ اس کے تار کا سلسلہ ایسا عجیب ہے کہ اس کو چرخہ پر کاتو تو صاف ایک سلسلہ سے نکلتا چلا آتا ہے الجھتا نہیں۔

Marfat.com

(۳) دیمک :۔ جو باوجود چھوٹا سا کیڑا ہونے کے کتنا لمبا چوڑا گھر بناتی ہے اس میں راستہ بناتی دور تک چلی جاتی ہے۔ زمین سے مٹی کے ذرّے لیتی ہے اور ان کو اس طرح جوڑتی ہے کہ کیا معمار اینٹوں کو جوڑے گا۔ پانی کہاں سے لاتی ہے اس کو اس کا خالق ہی جانتا ہے۔

(۴) بیا ایک چھوٹا پرندہ ہے مگر اپنی تو ند کس خوبی سے بناتا ہے کہ عقل حیرت میں آجاتی ہے۔ انسان آلات سے کام لے کر بھی یہ حسن پیدا نہیں کر سکتا۔ تو ند کے کئی کمرے ہوتے ہیں جہاں اس کے بچے پرورش پاتے ہیں۔ مضبوط اور بناوٹ میں ایسا گچھا کہ کتنا ہی پانی برسے اس کے اندر نہیں جا سکتا۔ تیز سے تیز آندھی چلے مگر وہ درخت سے جدا نہیں ہوتا

(۵) مکڑی کس خوبی سے اپنا جالا بنتی ہے کہ صاف شفاف چادر بچھی ہوئی معلوم ہوتی ہے کس کی طاقت ہے کہ خدا کی قدرت کو سمجھ سکے۔

دفتر تمام گشت وبپایاں رسید عمر ہمچناں در اوّل وصفے تو ماندہ ایم

۱۶۳) اگر جان جاتی ہو تو حرام شے کھا سکتے ہیں

پ۱۴ النحل ع ۱۵ :۔ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیۡکُمُ الۡمَیۡتَۃَ وَالدَّمَ وَلَحۡمَ الۡخِنۡزِیۡرِ وَمَاۤ اُہِلَّ لِغَیۡرِ اللّٰہِ بِہٖ فَمَنِ اضۡطُرَّ غَیۡرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۔

(اللہ نے مردار خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جس پر وقت ذبح خدا کے سوا اور کا نام لیا جائے حرام کیا ہے۔ ہاں جو شخص مارے بھوک مجبور ہو اور خدا سے سرتابی کرنے اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو اور حرام کھا لے تو خدا بخشنے والا مہربان ہے)

حرام کھانے کی اجازت صرف ایسے ہی وقت دی گئی ہے جب انسان کی جان جانے کا خطرہ ہو چونکہ خدا ورسول کو مسلمان کی جان عزیز ہے لہٰذا اس بنا پر یہ اجازت دی گئی ہے

لہٰذا جو خدا کا نافرمان اور سرکش بندہ ہو اس کے لئے یہ اجازت بھی نہیں کیونکہ اس کا جانا بھی

(۱۰۴) معراج رسولؐ

پ ۱۵ بنی اسرائیل ع ۱ ۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ہ

پاک ہے وہ اللہ جو اپنے بندہ کو مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا تاکہ ہم اسے قدرت کی نشانیاں دکھائیں بیشک وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے)

اس آیت میں بہت سی باتیں قابل بیان ہیں ۔

(۱) اس بارے میں اختلاف ہے کہ حضرت کو معراج کب ہوئی ہمارے یہاں معتبر روایت یہ ہے کہ سنہ بعثت میں ۲۷ رجب کو ہوئی ۔

(۲) ہمارے یہاں معتبر روایت یہ ہے کہ حضرت علی کی بہن ام ہانی کے گھر سے ہوئی اس رات آنحضرتؐ انہی کے گھر مقیم تھے ۔

(۳) روحانی تھی یا جسمانی ۔ مفسرین کا اس میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں حضرت نے خواب میں دیکھا تھا بعض کہتے ہیں مع جسد انور تشریف لے گئے تھے ۔ ہم شیعوں کا یہی عقیدہ ہے خواب میں دیکھنا کوئی معجزہ ہے نہ کرامت اور نہ کوئی محیر العقول بات جس کا قرآن میں خاص طور سے ذکر کیا جاتا ایسی خوابیں تو عام لوگ بلکہ کافر تک دیکھ لیا کرتے ہیں ۔

روحانی معراج کی سند جناب عائشہ اور امیر معاویہ نے بیان کی جاتی ہے حالانکہ جب عائشہ اس وقت حرم رسول میں بھی داخل نہ ہوئی تھیں انہیں کیا خبر کہ حضور کا جسد اطہر بستر پر رہا تھا نہ رہا تھا ۔ دوسرے معاویہ ہیں ۔ ان بیچارہ کو مکہ کے حالات کی کیا خبر یہ تو مدینہ میں مسلمان ہوئے تھے وہ بھی فتح مکہ کے بعد ۔ بہرحال یہ طے شدہ بات ہے کہ معراج میں حضور مع جسد تشریف لے گئے تھے اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اسریٰ بعبدہٖ میں بجائے لفظ

Marfat.com

بتاتا ہے کہ معراج جسمانی تھی کیونکہ عبد کہتے ہیں جسد مع الروح کو ہی نہ کہ صرف روح کو۔

(۲) رات کو معراج کیوں ہوئی اس لئے کہ مومنوں اور منافقوں میں امتیاز ہو جائے جو مومن تھے انہوں نے تصدیق کر دی اور جو منافق تھے وہ منہ بنا کر چہ میگوئیاں کرنے لگے۔

(۳) کس سواری پر تشریف لے گئے مفسرین نے اس سواری کا نام براق لکھا ہے اور اس کی صورت گھوڑے کی سی ہے جس کے دو پر بھی تھے جو جڑاؤ تھے اس طرح سارا بدن سر سے کھر تک جڑاؤ تھا ایک ایک عضو کی تعریف کی گئی ہے غرض وہ سج دھج دکھائی ہے کہ سننے والے حیرت میں آجاتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے گویا راوی خود وہاں موجود تھا اور خوب غور سے ایک ایک عضو کو دیکھ رہا تھا یہ سب روائتی باتیں ہیں۔ مادیت پرستوں کو ہر جگہ مادی ہی چیزیں نظر آتی ہیں۔ کوئی ان راویوں سے پوچھے کہ جب حضرت عیسےٰ چوتھے آسمان پر گئے تھے تب کونسا براق آیا تھا اور جب اللہ نے ادریس کو اٹھایا تب کونسا براق بھیجا تھا۔ سورج اپنی کرنوں سے لاکھوں من پانی ہوا کے دامن پر پھیلا دیتا ہے اور کسی دیکھنے والے کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ جانے والے قطرے کس طرح جا رہے ہیں۔ انسان کے بنائے ہوئے راکٹ بجلی کی طاقت سے چاند تک پہنچ گئے ان کو وہاں تک لے جانے والا نہ گھوڑا تھا نہ ہاتھی صرف بجلی کی ایک قوت تھی جو کئی من وزنی راکٹ اٹھا کر کہیں سے کہیں لے گئی پس اگر خلاق عالم نے اپنی قدرت کا کرشمہ دکھانے کے لئے اپنے حبیب کو بغیر کسی گھوڑے کے اٹھا لیا تو کونسی تعجب کی بات ہے۔ براق برق ہی سے نکلا ہے اور برقی قوت جس کو نور سے تعبیر کیا جا سکتا ہے خود اٹھ کر جانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ برقی قوت خود نور رسول سے خلق ہوئی ہے پس ایسے وجود کو کسی ایسی سواری کی حاجت تھی جس کو برق کہا جاتا ہے وہ رسول کی قوت نورانیہ کا نام ہے یہی قوت قاب قوسین تک لے گئی جہاں جبریل نہ جا سکے وہاں کوئی گھوڑا کیا جا سکتا ہے تاریخ روضۃ الصفا میں ہے کہ ایک نور کی سیڑھی سے گئے اور ایک روایت ہے کہ جبریل اپنے پروں پر بٹھا کر لے گئے اور سدرہ کے بعد ایک اور سواری آئی جس کا نام رفرف

تھا یہ گدھے کے برابر قد کی تھی اس سے آگے عرش تک گئے۔ واللہ اعلم بالصواب
فرشتے زمین پر آتے جاتے ہیں ان کو براق جیسے گھوڑے کی ضرورت نہیں چونکہ
دنیا والے گھوڑوں پر سفر کرتے ہیں لہٰذا رسول کے لئے اللہ تعالیٰ نے گھوڑا بھیجا کیسی عجیب بات
(۴) لوگ کہتے ہیں حضور کی معراج مسجد اقصیٰ تک ہوئی یعنی بیت المقدس تک۔ لیکن
یہ غلط ہے۔ بیت المقدس تک لے جانا کونسا کمال تھا لوگ برابر مکہ سے بیت المقدس
تک آتے جاتے رہتے ہیں۔ پیدل بھی سواریوں پر بھی اور اب تو ہوائی جہاز میں بات
کہتے پہنچ جاتے ہیں پھر رسول اگر وہاں پہنچ گئے تو کیا نئی بات ہوئی اور یہ کیا فضیلت
قابل ذکر ہوئی۔ حضرت سلیمان اپنے بساط پر صبح و شام ایک ایک ماہ کی راہ نکل جاتے تھے
اگر ہمارے رسول بیت المقدس تک چلے گئے تو یہ کوئی قابل ذکر خصوصیت نہ ہوئی اور
وہاں آیات الٰہی میں سے کیا کیا چیزیں تھیں جن کو دکھلانے کے لئے معراج واقع ہوئی وہاں
اگر کچھ آیات ہوں گی تو سب ہی دیکھتے ہوں گے۔ رسول کو خصوصیت سے دکھانے کی کیا
ضرورت پیش آئی یہ سمجھ کا پھیر ہے۔

مسجد اقصیٰ کے معنی ہوئے سجدہ کرنے کی آخری جگہ یعنی عالم امکاں کی وہ آخری حد جہاں
فرشتے کا قدم بھی نہ جا سکے اس سے بالاتر عالم وجوب ہے۔ جہاں تک ایک ممکن و
حادث جا سکتا تھا وہاں تک رسول کو لے گیا اس سے بڑی آیت خدا کی اور کیا ہو گی
یہ وہ مقام ہے جہاں جبرئیل جیسے فرشتے کا بھی گزر نہیں وہ تو سدرہ پر یہ کہہ کر ٹھٹک
کہ لو دنوت انملۃ لا حترقت۔ (اگر انگلی برابر بھی اب میں آگے بڑھوں گا تو جل جاؤں گا)
اور خدا کا ایک بندہ وہاں سے آگے بڑھتا چلا جاتا ہے تا اینکہ اس مقام تک پہنچ
جس کے آگے عالم امکان ہے ہی نہیں وجود کو اگر ایک دائرہ فرض کیا جائے اور اس کے
درمیان ایک خط کھینچا جائے تو دو کمانیں بن جائیں گی جہاں ان دونوں کمانوں کے نصف
ملتے ہیں وہی حد وجوب و امکان ہے پس معراج میں رسول کو امکان کی آخری حد دکھا دی گئی

اس سے بڑی کوئی اور آیت ہو سکتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بشریت اور ملکیت میں کیا فرق ہے یہ خدا اوسط نہ کسی ملک نے دیکھی نہ کسی نبی یا رسول نے۔ یہ مخصوص فضیلت ہے جناب خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ص کی۔

اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خدا اپنے رسول کو وہاں تک کیوں لے گیا؟

جواب یہ ہے کہ حضور خاتم الانبیاء کی نبوت کا سلسلہ قیامت تک چلنے والا ہے اور آپ کافۃ الناس پر مبعوث ہوئے ہیں خواہ وہ کسی قوم یا کسی ملک کا باشندہ ہو۔ ہر نبی کو خدا نے ایسا ہی معجزہ دیا جیسا اس کی قوم میں کمال تھا۔ آنحضرت کی اُمت میں بہت سے صاحب کمالوں نے ایسے ایسے کمالات سائنس کے دکھائے ہیں کہ عقل انسانی چکر میں آگئی ہے مثلاً رفتار میں وہ کمال دکھایا کہ چاند تک پہنچ گئے اور اس تیزی سے کہ ایک سیکنڈ میں سینکڑوں میل طے کر گئے دوسرے گفتار میں کہ ہزارہا کوس دور کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں تیسرے فوٹو گرافی میں تیسرے نظر میں لہٰذا جب تک اس امت کا نبی ان سے بالاتر کمال نہ دکھائے وہ اس پر ایمان نہیں لا سکتے۔ لہٰذا قدرت نے اس معراج میں حضور کے ذریعے وہ کمالات دکھائے گئے کہ قیامت تک ان سے زیادہ نہیں دکھا سکتا۔ مثلاً:۔

رفتار۔ سائنس کی کتنی ہی ترقی ہو لیکن کسی آلہ کی اتنی رفتار تیز نہیں ہو سکتی کہ جتنی ہمارے رسول نے دکھائی ہے

ابھی بستر خواب تک گرم تھا　　　کہ معراج پاکر پھر آئے محمد

جانے والے کہیں تک جائیں۔ کسی ستارے تک پہنچیں لیکن قاب قوسین آو ادنیٰ تک نہیں جا سکتے عالم امکاں کی حد آخر نہیں معلوم کر سکتے۔

گفتار میں بہت کچھ ترقی ہو چکی ہے ملکوں ملکوں کی بات سنائی دے رہی ہے لیکن ایسی ترقی کبھی نہ ہو سکے گی کہ علی اپنے بستر پر ہوں اور ان کی آواز عرش پر ہو۔ نظر میں سائنس والوں نے کمال حاصل کیا ہے۔ دوربینوں کے ذریعے سے اجرام سماوی سے نگاہیں لڑا دی ہیں لیکن اتنی

Marfat.com

لیکن اتنی ترقی کبھی نہ کر سکیں گے کہ قاب قوسین پر کھڑا ہونے والا فرش زمین پر علی کو دیکھ رہا ہو اور علی اسے دیکھ رہے ہوں اور نگاہوں میں باتیں ہو رہی ہوں۔

نوٹ گرانی کا کمال بھی گردھ ہو گیا جب رسول نے علی کی شبیہ وہاں دیکھی جہاں بشر کی رسائی ممکن نہیں ورنہ اہل انصاف بتائیں کہ معراج کا قصد کیا تھا۔

---

(۱۶۵) ذوی القربیٰ رسول کون ہیں

پ۱۵ بنی اسرائیل ع۳، وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا

(اے رسول) قرابت داروں، مسکینوں اور مسافروں کو ان کا حق دے دو اور فضول خرچی مت کرو)

اس کی تفسیر میں وارد ہے کہ حضرت علی بن الحسین علیہما السلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے ایک شامی سے دمشق میں پوچھا کیا تو نے قرآن پڑھا ہے اس نے کہا پڑھا ہے فرمایا یہ آیت بھی پڑھی ہے وات ذوی القربیٰ حقہ۔ اس نے کہا۔ کیا آپ ہی وہ قرابت داران رسول ہیں جن کے حق ادا کرنے کا خدا نے حکم دیا فرمایا ہاں ہم وہی ہیں۔

ابن مردویہ نے ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ نے حضرت فاطمہ کو بلایا اور فدک عطا فرمایا اور یہی روایت ابن عباس سے بھی منقول ہے۔ (در منثور جلد ۴)

حضرات اہل سنت نے اپنے کنبہ والوں کو اس آیت کا مصداق قرار دے لیا اور اولاد رسول کے حق کو بھلا دیا ہے اور نہ صرف سادات کے حقوق کو بھلایا بلکہ ان پر اتنے مظالم کئے کہ ان کے تصور سے کلیجہ لرزتا ہے۔

اس آیت کے مطابق رسول اللہ نے فدک کا علاقہ جناب فاطمہ کو عطا فرمایا تھا اور

Marfat.com

اس پر ان کو قبضہ بھی دیدیا تھا لیکن آنحضرتؐ کے مرتے ہی حکومت نے بحق سرکار اسے ضبط کر لیا نہ تو سیّدہ عالم کا حق وراثت تسلیم کیا اور نہ جو دستاویز رسول نے لکھی تھی اس کو صحیح مانا اور یوں حکم خدا ورسول کی توہین کی گئی ۔

(۱۶۶) ہر شے تسبیح خدا کرتی ہے

پ ۱۵ بنی اسرائیل ع ۵ : ۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَھُوْنَ تَسْبِیْحَھُمْ اِنَّہٗ کَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ۔

(ہر شے خدا کی حمد کی تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں بیشک خدا حلیم و غفور ہے)

خدا کی بیشمار مخلوق ہے اور ہر ایک کی زبان بیاں جدا گانہ ہے خود انسان سینکڑوں قسم کی بولیاں بولتا ہے اور ایک دوسرے کی زبان کو نہیں سمجھتا ۔ اسی طرح خدا کی ہر مخلوق اپنی جدا گانہ بولی رکھتی ہے اور اسی زبان میں وہ اپنے خالق کی مدح و ثنا کرتی ہے ۔

ایک بار جناب داؤد کو یہ خیال ہوا کہ میں خدا کی تسبیح کسی ایسی جگہ کروں جہاں میرے سوا کوئی حمد کرنے والا نہ ہو ۔ کئی دن کی تلاش کے بعد ایک پہاڑ کے نیچے ایک سنسان جگہ پر ایک تالاب کے کنارے جہاں پرندہ پر نہ مارتا تھا آپ نے اپنا مصلّا بچھا دیا اور تسبیح شروع کر دی تالاب سے ایک مینڈک نے سر نکال کر ٹرانا شروع کیا ۔ حضرت داؤد کو اس کی آواز پسند نہ آئی ۔ فرمایا اے مخلوق خدا خاموش ہو ۔ کہ میں ہر جوع قلب اپنے معبود کی تسبیح کروں اس نے کہا یا نبی اللہ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ ہی خدا کی تسبیح کرنے والے ہیں اس تالاب میں ہزاروں قسم کے جانور موجود ہیں جو تسبیح خدا کرتے ہیں ان میں سے ایک میں بھی ہوں ۔ چنانچہ اس وقت میں بھی تسبیح خدا کر رہا ہوں ؛

(۱۶۷) شجرۂ ملعونہ

پ ۱۵ بنی اسرائیل ع ۶۔ وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ وَنُخَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا ۝

(ہم نے جو خواب تم کو دکھلایا تھا تو اسے لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ ٹھہرایا تھا اور اسی طرح وہ درخت ہے جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے ہم ان کو طرح طرح سے ڈراتے ہیں مگر ہمارا ڈرانا ان کی سرکشی کو بڑھاتا ہی گیا)

ابن جریر نے سہیل بن سعید سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے خواب میں دیکھا کہ بنی اُمیہ آپ کے منبر پر اس طرح کود رہے ہیں جیسے بندر اچکا کرتے ہیں اس خواب کے دیکھنے کے بعد آپ اس قدر غمگین ہوئے کہ عمر بھر آپ نہ ہنسے اور جس درخت پر لعنت کی گئی ہے اس سے مراد مروان بن حکم ہے جو خلیفہ ثالث کا وزیر تھا۔ حضرت رسول خدا نے اس کی شرارت و خباثت کی وجہ سے مدینہ سے نکلوا دیا تھا اور لوگ اس کو طرید رسول کہا کرتے تھے حضرت کے انتقال کے بعد جب عثمان خلیفہ ہوئے تو اس کو پھر بلا لیا اور فدک کی جاگیر اسے بخش دی اور امور سلطنت میں اسے اپنا مشیر بنا لیا۔ اس مروان کی اولاد نے سالہا سال سلطنت اسلامیہ پر حکومت کی اور شیعوں کے قتل و غارت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ؛

---

(۱۶۸) شیطان کا تسلط خاصانِ خدا پر نہیں ہوتا

پ ۱۵ بنی اسرائیل ع ۷۔ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا ۝

(جو میرے خاص بندے ہیں ان پر تیرا زور نہیں چل سکتا اور کارسازی کو تیرا رب کافی ہے)

اس سے پہلی آیات کا ترجمہ یہ ہے :۔ ہم نے ملائکہ سے کہا آدم کو سجدہ کرو

ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کر لیا اس نے کہا میں اسے سجدہ کیوں کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے اور شوخی سے کہنے لگا کیا یہی وہ شخص ہے جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے اگر تو مجھ کو قیامت تک کی مہلت دیدے تو میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ تھوڑے سے لوگوں کے سوا میں اس کی جڑ کاٹتا رہوں گا۔ خدا نے فرمایا (چل دور ہو) ان میں سے جو کوئی تیری پیروی کرے گا تو دیاد رہے) تم سب کی جگہ جہنم ہے اور وہ بھی پوری پوری سزا ہے ان میں سے جس پر تو قابو پا سکے بہکا اور اپنے چیلوں کے سوار اور پیادے سب سے مل کر چڑھائی کر اور مال اور اولاد میں ان کے ساتھ ساجھا کرے اور ان سے خوب جھوٹے وعدے کر اور شیطان تو ان سے جھوٹے وعدے کرتا ہی ہے مگر وہ دھوکے کی ٹٹی کے سوا کچھ بھی نہیں۔

ان آیات میں چند باتیں قابل غور ہیں :۔

(۱) ہر زمانہ میں کچھ لوگ ایسے ہونے چاہئیں جن پر شیطان کا غلبہ نہ ہو ورنہ اعلان الٰہی جھوٹا ہو جائے گا اور ایسے لوگ سوائے معصوم کے اور کون ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ حسب فرمان رسول ہر زمانہ میں ایک امام ضرور رہے گا تاکہ اس کے اقوال و اعمال وساوس شیطانی سے محفوظ رہیں اور لوگ اپنا صحیح راستہ معلوم کریں۔

(۲) شیطان کا یہ قیاس غلط تھا کہ مٹی آگ سے بہتر ہے کیونکہ آگ کا کام جلانا ہے اور مٹی اپنے اندر سے چیزوں کو اگاتی بڑھاتی ہے جس سے باغ عالم میں بہار ہے اگر آگ کو فضیلت ہوتی تو کبھی تو قوم جن سے کوئی نبی یا رسول بنایا جاتا۔

(۳) شیطان کو اس بات کا اقرار کرنا پڑا کہ خدا کے کچھ بندے ایسے ہیں جو اس کے قابو میں نہ آئیں گے اس سے معلوم ہوا اس مکالمہ سے پہلے کچھ ایسے لوگ موجود تھے جن کو شیطان پہچانتا تھا کہ یہ عباد مخلصین میں سے ہے۔ تیسرا یہ کہ خدا نے اس سے فرمایا تھا کہ تو نے تکبر سے ایسا کہا ہے یا تو عالین سے ہو گیا۔ اگر اس وقت عالین کا وجود نہ ہوتا تو خدا ایسا کیوں فرماتا

ضرور ملائکہ اور شیطان کے سوا ایک تیسرا گروہ ایسا بلند مرتبہ والوں کا تھا جن پر نظر رکھ کر شیطان نے کہا تھا کہ تیرے مخلص بندوں کے سوا سب کو بہکا دوں گا۔

(۴) معلوم ہوا کہ اغوا کرنے والا صرف شیطان ہی نہیں بلکہ اس کے بہت سے چیلے چانٹے بھی ہیں جو ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں اور لوگوں کو بہکاتے رہتے ہیں یہ جنات میں سے بھی ہیں اور آدمیوں میں سے بھی:

(۱۶۹) رُوح کیا ہے

پ۱۵ بنی اسرائیل ع ۱۰:۔ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا۔ (اے رسول لوگ تم سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں کہدو روح امر رب سے ہے اور اس کے متعلق تم کو تھوڑا سا علم دیا گیا ہے)

مطلب یہ ہے کہ روح عالم مادی سے نہیں کہ اس کی تخلیق اسباب و وسائط سے ہوتی ہو بلکہ وہ عالم امر سے ہے یعنی کن فیکون سے (اللہ نے کہا ہو جا بس وہ شے ہو گئی) یہ کن بھی ہمارے سمجھانے کو ہے ورنہ وہ صاحب دہن و زبان نہیں کہ کن کہے بلکہ اس کا ارادہ کسی شے کی تخلیق کے لئے کافی ہے لوگوں کو روح کے متعلق بہت کم علم دیا گیا ہے اس لئے وہ اس کی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہیں:

(۱۷۰) نو آیات جو موسیٰ کو دی گئیں

پ۱۵ بنی اسرائیل ع ۱۱:۔ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ۔ (ہم نے موسیٰ کو نو نشانیاں دیں) فرعون نے بنی اسرائیل کو انتہائی پریشان کیا تھا لہٰذا اس پر اور اس کی قوم پر مختلف اوقات میں مختلف عذاب آتے رہے جن کی صورت یہ تھی۔

Marfat.com

(۱) عصا۔ یہ سانپ بن جاتا تھا (۲) ید بیضا۔ حضرت موسیٰ کے داہنے ہاتھ کی ہتھیلی اس قدر روشن تھی کہ جس کے سامنے کر دیتے اسے غش آجاتا (۳) قحط کا آنا (۴) دریائے نیل میں طوفان کا آنا (۵) تمام ملک پر ٹڈیوں کا چھا جانا اور فصلوں کا تباہ کر دینا (۶) سروں میں اس قدر جوئیں پیدا ہونا کہ رات دن کھجاتے پھرتے تھے (۷) مینڈکوں کا کثرت سے پیدا ہونا جو برتن اٹھاتے تھے اس میں مینڈکیں پاتے تھے گھر کے ہر حصہ میں مینڈک بستروں پر مینڈک (۸) خون برسنا۔ تمام کپڑے خون کی بارش سے سرخ ہو جانا۔ پانی کے ظروف میں خون بھر جانا (۹) میووں کی کمی۔ یعنی درختوں میں بہت کم پھل آنے لگے۔

---

(۱۷۱) اطاعت والدین کے احکام

پ ۱۵ بنی اسرائیل ع ۳: وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۔

(اور تمہارے پروردگار نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ سے نیکی کرنا اگر ان میں سے ایک یا دونو تیرے سامنے بوڑھے ہو جائیں اور کسی بات پر خفا ہوں تو خبردار ان کے جواب میں اُف تک نہ کرنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور جو کچھ کہنا سننا ہو تو بہت ادب سے کہا کرو اور ان کے سامنے نیاز سے خاکساری کا پہلو جھکائے ہوئے رکھو اور ان کے حق میں دعا کرو کہ میرے رب جس طرح ان دونو نے میرے بچپن میں میری پرورش کی ہے اسی طرح تو بھی ان پر رحم فرما)

ایک حدیث میں ہے کہ ماں باپ کی طرف تیز نظر سے نہ دیکھو ان کی آواز پر اپنی آواز اور

ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ بلند نہ کرو ان کے آگے نہ چلو ان کے آگے نہ بیٹھو ایسا کام نہ کرو جس سے لوگ تمھارے ماں باپ کو گالی دیں اگر مومن ہوں تو ان کی مغفرت کے لئے دعا کیا کرو اور اگر کافر ہوں تو ان کی ہدایت کے لیئے دعا کرو اگر ماں باپ آجائیں اور تم بیٹھے ہو تو ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاؤ چاہے بار بار ایسا کرنا پڑے ؞

---

(۱۷۲) اصحاب کہف

پ ۱۵ الکہف ع ۱: ۔ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝

(کیا تم خیال کرتے ہو کہ اصحاب کہف درقیم ہماری قدرت کی نشانیوں میں سے ایک عجیب نشانی ہے)

ان کا قصہ یہ ہے کہ دقیانوس بادشاہ کے زمانہ میں چند خدا پرست جوان تھے دقیانوس بہ جبر لوگوں سے اپنی خدائی کا اقرار کراتا تھا اور جو نہ کرتے تھے ان کو سخت اذیتیں دیتا تھا۔ یہ لوگ ان کی سختیوں سے گھبرا کر اور اپنے ایمان کی حفاظت میں اپنی بستی سے نکلے تاکہ اس ملک سے باہر کہیں اپنی زندگی بسر کریں ان کے ساتھ ایک کتا بھی ہولیا۔ ہر چند انہوں نے اسے دھتکارا مگر وہ واپس نہ گیا اور ان کے پیچھے لگا رہا جب چلتے چلتے تھک گئے تو اس خیال سے کہ تھوڑی دیر آرام کرکے پھر چلیں گے ایک پہاڑ کے غار میں جاکر سو رہے اللہ تعالے نے نیند کو ان پر ایسا غالب کیا کہ تین سو نو برس تک سوتے ہی رہے اس کے بعد جاگے بھوک لگی ہوئی تھی آپس میں کہنے لگے تم میں سے کوئی ایک جاکر بازار سے روٹی لے آئے ۔ چنانچہ ملیخا نامی ایک صاحب شہر کی طرف روانہ ہوئے۔ ایک نانبائی کی دکان سے روٹیاں خریدیں۔ جب قیمت میں دقیانوس کے زمانہ کا سکہ دیا تو نانبائی حیران ہوا۔ کہنے لگا یہ کس زمانہ کا سکہ ہے انہوں نے کہا کیا یہ دقیانوس کا سکہ نہیں اس نے کہا دیوانے تو نہیں ہوگئے دقیانوس کو مرے سینکڑوں برس ہو گئے اب اس کے سکہ کا کیا سوال ہے

معلوم ہوتا ہے تو نے کہیں خزانہ پایا ہے۔

الغرض وہ انہیں پکڑ کر بادشاہ کے پاس گیا۔ بادشاہ نے جب حال پوچھا تو اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ حیران تھا کہ یہ لوگ تین سو برس تک زندہ کیسے رہے۔ تحقیق حال کے لئے مع ارکان سلطنت کے اس غار کی طرف چلا۔ ملیخا ساتھ تھے جب غار کے دہانہ پر پہنچے تو ملیخا نے کہا آپ ٹھہرئیے میں اندر جا کر سب کو بلائے لاتا ہوں چنانچہ وہ گئے اور یار لوگوں سے سارا حال بیان کیا۔ قدرت خدا سے غار کا دروازہ بند ہو گیا۔ جب بادشاہ ان کے آنے سے مایوس ہو گیا اور غار کا دروازہ بند ہو گیا۔ جب بادشاہ ان کے آنے سے مایوس ہو گیا اور غار کا دروازہ کھول کر اندر جانے کی ہمت نہ ہوئی تو ان کا حال ایک تختی پر لکھ کر غار کے دہانہ پر لٹکا دیا اس لئے ان کو اصحاب رقیم بھی کہتے ہیں یہ تعداد میں کتنے تھے اس میں لوگوں نے قیاس آرائیاں کی ہیں۔ کوئی کہتا تھا چار تھے پانچواں کتا تھا کوئی کہتا پانچ تھے چھٹا کتا تھا سات تھے آٹھواں کتا تھا یہ سب اٹکل سے کہا جاتا تھا خدا نے بھی ان کی تعداد نہیں بتائی اس میں کوئی بڑی مصلحت ہو گی۔ اس وقت سے یہ لوگ اس غار میں پڑے سو رہے ہیں قدرت کا ہاتھ انہیں کروٹیں بدلواتا رہتا ہے۔ کھانے پینے سے بے نیاز برابر سوئے چلے جا رہے ہیں یہ اس کی قدرت کا بہترین کرشمہ ہے۔

(۱) اصحاب کہف تین سو سال برابر سوتے رہے لیکن حشرات الارض میں سے کسی نے ان کے اجسام کو گزند نہیں پہنچائی اس سے معلوم ہوا کہ خاصان خدا کے اجسام پر مخلوقات ارضی کا تسلط نہیں ہوتا۔

(۲) قرآن کہتا ہے سو رہے ہیں اتنی طولانی نیند ان کے سوا کسی کو نہیں آئی یہ خدا کی قدرت کا حیرت انگیز نمونہ ہے۔

(۳) وہ اب تک زندہ ہیں اور قیامت تک یونہی سوتے رہیں گے کوئی مسلمان ان کی اس طول حیات پر جو ہزاروں برس کی ہو چکی ہے تعجب نہیں کرتا نہ اس سے کوئی انکار کرتا ہے لیکن

Marfat.com

حجت خدا ولی عصر امام مہدی علیہ السّلام کی طولانی حیات کو نہیں مانتے کہتے ہیں اتنی طولانی مدت تک کوئی انسان زندہ نہیں رہ سکتا ۔

(۴) وہ غار جس میں اصحاب کہف ہیں دمشق کا ایک پہاڑ ہے جو اب تک موجود ہے لوگ اس غار تک جاتے ہیں اس کا دروازہ دیکھتے ہیں غار کے پاس جو مسجد بنی ہے اس میں نماز پڑھتے ہیں لیکن کسی کی ہمت نہیں ہوتی کہ غار کے دہانہ کا پتھر ہٹا کر اندر چلا جائے اور اصحاب کہف کو دیکھ لے قرآن کہتا ہے اگر تم ان کو دیکھو گے تو رعب سے بھر جاؤ گے ۔ چودہ سو برس سے معلوم کتنی اسلامی سلطنتیں گزر چکیں مگر کسی بادشاہ کی یہ ہمت نہ ہوئی کہ اس غار کا منہ کھول دیتا اور کچھ لوگوں کو اندر داخل کر کے تحقیق حال کرتا ۔ معلوم ہوا جس کو قدرت غائب رکھنا چاہے اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا پس اگر حضرت حجت اب تک زندہ ہیں اور لوگ ان تک نہیں پہنچ سکتے تو کیا محل تعجب ہے ۔

(۵) اصحاب کہف تو اولیائے خدا ہے ہیں ان کا زندہ رہنا تو تعجب خیز نہیں تعجب تو اس کتے پر ہے جو غار کے دہانہ میں اگلے پاؤں پھیلائے ڈٹا بیٹھا ہے اولیائے خدا کی صحبت کی برکت سے وہ بھی اب تک زندہ ہے ۔ بڑا دلیر اور متحمل کتا ہے کہ نہ بھونکتا ہے نہ شور مچاتا ہے نہ اضطراب ظاہر کرتا ہے بڑے اطمینان سے اس عقیدہ کے ساتھ بیٹھا ہے کہ میرے ساتھ اولیائے خدا ہیں اور ان کے ساتھ خدا ہے پھر مجھ پر کیسے آنچ سکتی ہے

---

(۱۷۳) موسیٰ و خضر کی ملاقات

پ ۱۵ الکہف ع ۹ ۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِفَتٰهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓی اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا

(جب موسیٰ خضر کی ملاقات کو چلے) تو انہوں نے اپنے ساتھی جوان سے کہا جب تک میں دونوں دریاؤں کے ملنے کی جگہ تک پہنچ جاؤں چلنے سے باز نہ آؤں گا چاہے برسوں یونہی چلنا پڑے)

Marfat.com

یہ قصہ بہت طولانی ہے خلاصہ یہ ہے کہ ناشتہ کے لئے حضرت موسیٰ نے ایک بھنی مچھلی وغیرہ ساتھ لے لی تھی جب مجمع البحرین پر پہنچے تو ناشتہ دان کو ایک چٹان پر رکھا چلتے وقت اسے بھول گئے وہ مچھلی پانی کی چھینٹوں سے زندہ ہو کر دریا میں چلی گئی۔ ساتھی نے یہ سب کچھ دیکھا تھا مگر موسیٰ سے ذکر نہ کیا۔ جب راستہ چلتے چلتے تھک گئے تو حضرت موسیٰ نے ساتھی سے کہا کہ اس سفر نے کافی تھکا دیا ہے اور بھوک بھی لگ رہی ہے لاؤ ناشتہ دو تاکہ کھا کر کچھ تھکن دور ہو۔ اس نے کہا آپ نے خیال نہ کیا جب اس پتھر کے پاس ٹھہرے تھے جو دریا کے کنارے پر تھا میں اس جگہ مچھلی بھول آیا آپ سے اس کا ذکر کرنا بھول گیا اس کا ذکر کرنا شیطان ہی نے مجھے بلا دیا اور وہ مچھلی تو زندہ ہو کر دریا میں چلی گئی تھی۔

الغرض دونو پیچھے لوٹے وہاں خدا کے ایک خاص بندے کو دیکھا یعنی خضر کو جسے خدا نے اپنی بارگاہ سے رحمت ولایت کا حصہ عطا کیا تھا اور اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص علم میں سے کچھ سکھایا تھا۔

اس کے بعد خضر و موسیٰ کا وہ واقعہ ہے جو آگے بیان ہو گا یہاں تک جو کچھ ہوا اس پر غور کرنا ہے:۔

(۱) جو جوان موسیٰ کے ساتھ تھا وہ کون تھا مفسرین نے اس کا نام یوشع بن نون لکھا ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ یوشع نبی تھے اور نبی پر شیطان کا غلبہ نہیں ہو سکتا ہمارے عقیدہ میں وہ خطا و نسیان سے پاک ہوتا ہے اور آیت میں ہے:۔

مَا اَنۡسَانِیۡهُ اِلَّا الشَّیۡطٰنُ۔ (نہیں بھلایا اسے مگر شیطان نے)

دو جگہ اس جوان نے نسیان کی نسبت اپنی طرف دی ہے بعض لوگوں نے اس اعتراض سے بچنے کو ترجمہ کیا ہے کہ نہیں ترک کرایا اس کو مگر شیطان نے لیکن اس سے وہ اعتراض تو نہیں ہٹا کیوں نسیان ہو یا ترک دونو کی نسبت ہے تو شیطان ہی کی طرف۔

میں نے بہت سی تفسیروں کو دیکھا کہ اس اعتراض کے دفعیہ کی کوئی صورت نکل آئے آخر

Marfat.com

جو بندہ یا بندہ تفسیر لوامع التنزیل میں مولانا حائری مرحوم نے اس عقدہ کو حل کیا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ یہ جوان یوشع نہ تھے بلکہ ایک راہ نما تھے جسے حضرت موسیٰ نے راستہ بتلانے کے لئے اپنے ساتھ لے لیا تھا چونکہ وہ نبی نہ تھا لہٰذا اس شیطانی نلیہ سے ہمارے عقیدہ کو کوئی ٹھیس نہیں لگتی۔

(۲) یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ جس پانی میں مچھلی زندہ ہو کر چلی گئی وہ یقیناً آب حیات تھا۔ پھر کیا وجہ کہ اس پانی کو نہ موسیٰ نے پیا نہ ان کے ساتھی نے حالانکہ ان کے پینے کی ممانعت قرآن سے ثابت نہیں ہوتی۔ کہتے ہیں خضر نے سکندر کو چشمہ آب حیات تک پہنچایا اور وہ بہت تاریکی کے اندر تھا لیکن یہاں تو ظلمات کا پتہ نہیں چلتا۔ لیکن جب مچھلی کے زندہ ہو کر دریا میں چلے جانے کا واقعہ موسیٰ کے فتیٰ نے بیان کیا تھا تو حضرت موسیٰ نے اسے جھٹلایا بھی نہیں۔ علاوہ بریں یہ بھی مفسرین نے نہیں بتایا کہ ایسا دریا کہاں بہتا تھا۔ بعض مفسرین نے مچھلی کا زندہ ہو کر دریا میں چلا جانا تسلیم نہیں کیا لیکن یہ تو الفاظ قرآن کی سراسر خلاف ورزی ہے قرآن کہتا ہے۔ وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا (اور مچھلی نے عجب طرح سے دریا میں اپنی راہ لی) یہ کہنا بھی غلط ہے کہ فتیٰ نے مچھلی کو خراب ہو جانے کی وجہ سے ناشتہ کے قابل نہ سمجھ کر دریا میں پھینک دیا تھا۔ قرآن کہتا ہے اس نے خود اپنی راہ دریا میں اختیار کر لی۔ ایسی صورت میں کیسے سمجھا جائے کہ اسے پھینکا گیا تھا۔ دوسرے حضرت موسیٰ کا لوٹ کر پھر وہیں آنا ضرور اس مقام کی کسی ایسی خصوصیت کو ظاہر کرتا ہے جس کا علم حضرت موسیٰ کو پہلے سے تھا بہرحال اس عقدہ کے حل کرنے کا اہل علم سے سوال ہے

حضرت موسیٰ اور خضر کی ملاقات کا قصہ قرآن میں یوں مذکور ہے۔

جناب موسیٰ نے حضرت خضر سے کہا اجازت ہے کہ میں کچھ عرصہ آپ کے ساتھ ساتھ رہوں تاکہ رہنمائی کا جو علم خدا کی طرف سے آپ کو سکھایا گیا ہے اس میں سے

کچھ مجھے بھی سکھا دیں خضر نے کہا میں سکھا تو دوں لیکن آپ سے میرے ساتھ صبر نہ ہو سکے گا اور سچ تو یہ ہے جو چیز آپ کے حسی احاطہ سے باہر ہو آپ اس پر کیوں کر صبر کر سکتے ہیں موسٰی نے کہا اگر خدا نے چاہا تو آپ مجھے صبر و ضبط کرنے والا پائیں گے میں آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہ کروں گا اس میں دو تین باتیں قابل غور ہیں۔

خضر نے یہ کیسے جان لیا کہ موسٰی سے صبر نہ ہو سکے گا حالانکہ وہ ایک اجنبی تھے۔ خضر کے ہم صحبت نہ رہے تھے کہ ان کی طبیعت کا پتہ چلتا دوسرے یہ کہ یہ پتہ کیسے چلا کہ وہ حسی احاطہ سے باہر کی بات کو نہ سمجھ سکیں گے معلوم ہوتا ہے حضرت خضر کو علم باطن کی تعلیم خدا نے دی تھی اور اس سے انہوں نے موسٰی کے ظاہری حال کا پتہ چلا لیا۔

اب آگے کا قصہ سنیئے۔

دونوں ایک کشتی پر سوار ہوئے جب وہ کنارہ پر پہنچی تو خضر نے اس میں بڑا سا سوراخ کر دیا موسٰی یہ دیکھ کر بے چین ہو گئے کہنے لگے واہ جناب یہ آپ نے کیا کیا۔ اچھی خاصی کشتی کو بیکار کر دیا کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ جو لوگ اس کشتی پر سوار ہوں وہ ڈوب جائیں یہ تو آپ نے بڑی عجیب بات کی۔

خضر نے کہا میں نے تو آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکیں گے۔ موسٰی نے کہا آپ میری اس فروگذاشت کی گرفت نہ کیجئے اور اس معاملہ میں مجھ سے زیادہ سختی نہ کیجئے۔ اب ایسا نہ ہو گا۔

آگے چلے تو ایک لڑکا ملا خضر نے آگے بڑھ کر اسے قتل کر دیا۔ اب تو موسٰی کو تاب ضبط نہ رہی خشمناک لہجے میں کہنے لگے واہ جناب واہ آپ نے ایک بےگناہ نوجوان کو قتل کر دیا۔ یہ تو بہت برا عمل آپ سے ہوا۔ حضرت خضر نے جھنجلا کر کہا میں نے تو پہلے ہی آپ سے کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکیں گے۔ موسٰی نے کہا اچھا جی اگر اب میں کسی چیز کے بارے میں پوچھ گچھ کروں تو آپ مجھے ساتھ نہ رکھیں۔

الغرض وہاں سے دونوں ایک بستی میں آئے وہاں کے باشندوں سے کھانا مانگا انہوں نے

دینے سے صاف انکار کر دیا وہاں ایک دیوار گرنا چاہتی تھی۔ خضر نے اسے سیدھا کر دیا۔ موسیٰ نے کہا سبحان اللہ یہ آپ نے کیا کیا۔ چونکہ ان لوگوں نے ہم کو کھانا تک نہیں دیا لہٰذا آپ اس دیوار کے سیدھا کرنے کی ان سے اجرت مانگتے یوں ہی مفت میں کیوں سیدھا کر دیا۔ گرتی تھی تو گر جانے دی ہوتی۔

خضر نے کہا بس حضرت آپ ہمارے ساتھ رہ چکے اب میرے آپ کے درمیان جدائی ہو گی۔ جن باتوں پر آپ صبر نہ کر سکے اب ان کی وجہ بتاتا ہوں سنو۔ یہ کشتی غریبوں اور محتاجوں کی ملکیت تھی۔ یہاں کا ظالم بادشاہ چاہتا تھا کہ اس کشتی کو اپنے قبضہ میں کر لے میں نے اس لئے سوراخ کر دیا کہ وہ عیب دار سمجھ کر چھوڑ دے۔ اپنی ٹوٹی پھوٹی چیز اپنے پاس رہے تو اس سے بہتر ہے کہ اچھی حالت میں دشمن کے پاس چلی جائے۔

متاع شکستہ کہ در دست تست

ازاں بہ کہ در دست دشمن درست

اور اس لڑکے کو اس لئے قتل کیا کہ وہ کٹر کافر تھا اور اس کے ماں باپ مومن تھے وہ ان کو قتل کرنے کی نیت سے جا رہا تھا میں نے دو مومنوں کی جان بچانے کے لئے اس کافر کو قتل کر دیا۔ دیوار کو اس لئے سیدھا کیا کہ اس کے نیچے دو یتیم بچوں کے باپ کا خزانہ دبا ہوا تھا اگر وہ گر جاتی تو لوگ لوٹ کر لے جاتے اور چھوٹے بچے اپنے باپ کے ترکہ سے محروم رہ جاتے۔

ان آیات میں حسب ذیل سوالات پر غور کرنا ہے۔

(۱) حضرت موسیٰ نبی تھے کلیم اللہ تھے وہ خضر سے کیا حاصل کرنے گئے تھے اور وہاں سے کیا لے کر آئے۔ مذکورہ بالا تین واقعات نے ان کے اوپر علم کے کون سے چشمے کھولے زیادہ سے زیادہ تین ہی تو سبق ملے جواب یہ ہے کہ جناب موسیٰ کو ایک بار یہ خیال ہوا تھا کہ دنیا میں مجھ سے کوئی بڑا عالم نہیں خدا نے صرف اس خیال کو دور کرنے کے لئے بھیجا تھا

Marfat.com

تاکہ وہ جان لیں ۔ فوق کل ذی علم علیم ۔ (ہر علم والے سے بالا تر ایک اور عالم ہوتا ہے) کوئی خاص علم سکھانا مقصود تھا یا یہ کہا جائے کہ موسیٰ کو علم ظاہر تھا اور خضر کو علم باطن ۔ خضر سے مل کر موسیٰ سمجھ لیں علم ظاہر اور ہے علم باطن اور ۔

(۲) ۔ موسیٰ نبی تھے اور جھوٹ کا تعلق نبی سے نہیں ہوتا لیکن حضرت موسےٰ نے بار بار جھوٹ بولا اور بار بار خلاف عہد کیا ۔ ایک بار کہا اب میں ایسا نہ کروں گا اور پھر وہی کیا ۔ دوسری بار یہی عہد کیا اور پھر توڑ دیا تیسری بار بھی ایسا ہی کیا یہ ان کی شان نبوت کے بالکل خلاف تھا

جواب یہ ہے کہ جو صورتیں حضرت موسیٰ کو پیش آئیں وہ کچھ ایسی عجیب و غریب تھیں کہ فطرت انسانی بغیر چونکے اور اعتراض کئے نہیں رہ سکتی اور عالم بیخودی میں زبان سے ایسی باتیں نکل ہی جاتی ہیں ۔ دوسری بات یہ ہے کہ موسیٰ کا تعلق شریعت ظاہری سے تھا اور خضر کا تعلق شریعت باطنی سے تھا دونوں کا عمل درست تھا ۔ شریعت ظاہری کے لحاظ سے خضر نے جو کچھ کیا ۔ موسیٰ کو اس پر ٹوکنا لازم تھا اور خضر نے جو عمل کیا وہ بلحاظ شریعت باطنی درست تھا کیونکہ وہ عمل کے نتائج سے واقف تھے لہٰذا ان کو ایسا کرنا ضروری تھا ۔

(۳) ان آیات سے معلوم ہوا کہ صبر کے معنی یہ ہیں کہ فعل فاعل پر اعتراض نہ کیا جائے جیسا کہ حضرت موسیٰ بار بار اعتراض کرتے تھے تو حضرت فرماتے تھے تم میرے ساتھ صبر کی طاقت نہیں رکھتے یعنی بغیر اعتراض کئے نہیں رہ سکتے ۔ جو لوگ میت پر رونے یا سینہ زنی کرنے کو بے صبری کہتے ہیں وہ صبر کے معنی سمجھے ہی نہیں ۔ بے صبر آدمی وہ ہے جو فعل خدا پر اعتراض کرتا ہے اگر کوئی یہ کہے کہ یا اللہ تو نے میرے فلاں عزیز کو کیوں بیمار کیا یا اسے کیوں مار ڈالا تو بیشک یہ شخص فضیلت صبر سے محروم کہا جائے گا ۔

---

(۱۷۳) یاجوج و ماجوج کا قصہ

پ۱۶ الکہف ع ۱۱ ۔ حَتّٰی اِذَا بَلَغَ بَیْنَ السَّدَّیْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا لَّا یَکَادُوْنَ

يَفْقَهُونَ قَوْلًا ه قَالُوا يَا ذَا الْقَرْنَيْنِ إِنَّ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مُفْسِدُونَ

فِي الْأَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلَىٰ أَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا

(سکندر جب چلتے چلتے ایک (پہاڑ کے کنگروں کے) دیواروں کے بیچوں بیچ میں گئے تو ان دیواروں کے اس طرف ایک قوم کو آباد پایا جو سکندر کی بات چیت نہیں سمجھ سکتے تھے ان لوگوں نے (مترجم کے ذریعہ سے) عرض کی ۔ اے ذوالقرنین (اس گھاٹی کے ادھر) یاجوج و ماجوج کی قوم ہے جو ملک میں فساد پھیلایا کرتے ہیں اگر آپ کی اجازت ہو تو ہم لوگ اس غرض سے آپ کے پاس چندہ جمع کریں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی دیوار بنادیں)

ذوالقرنین نے کہا میرے پروردگار نے خرچ کی جو قدرت نے مجھے دی ہے وہ تمہارے چندہ سے کہیں بہتر ہے (مال کی ضرورت نہیں) تم مجھے کہیں سے) لوہے کی سلیں لادو وہ لوگ لے آئے اور پھر ایک بڑی دیوار بناڈالی یہاں تک کہ دونوں کنگروں کے درمیان دیوار کو بلند کر کے ہموار کر دیا پھر ذوالقرنین نے حکم دیا کہ (اس کے گرد آگ لگاکر) دھونکو یہاں تک کہ اس کو دھونکتے دھونکتے) لال انگارہ بنادیا پھر کہا اب تم تانبا لاؤ کہ اسے پگھلاکر اس دیوار کے دنگاؤں کے اوپر انڈیل دیں غرض وہ ایسی مضبوط اور اونچی دیوار بنی کہ نہ تو یاجوج و ماجوج اس پر چڑھ سکتے تھے اور نہ اس میں نقب لگا سکتے تھے ۔)

آیات مذکورہ کے ذیل میں مولانا فرمان علی صاحب مرحوم نے اپنے مترجمہ قرآن پر یہ حاشیہ لکھا ہے :-

سکندر ذوالقرنین کا نام عداس یا عبداللہ تھا اور ضحاک کے بیٹے تھے ان کو سکندر بھی کہتے ہیں ملک روم (اٹلی) کے شہنشاہ تھے اس میں اختلاف ہے کہ یہ پیغمبر تھے یا نہیں لیکن ان کے مقرب ایزدی ہونے میں کوئی شک نہیں ہوسکتا ۔ انہوں نے ایک بار ظاہر ہو کر اپنی قوم کو ملامت کی قوم کے شر پسندوں نے آپ کے سر پر داہنی طرف کسی وجہ سے ایسا

وار کیا کہ آپ شہید ہو گئے اور پانسو برس تک مردہ رہے خدا نے پھر ان کو زندہ کیا اور پھر ہدایت میں مشغول ہو گئے۔ اب کی بار ان کے سر کے بائیں طرف ضرب لگی اور پھر پانسو برس مردہ رہے دونوں زخموں کی جگہ سینگوں کے سے نشان ہو گئے تھے اس لئے ذوالقرنین کہتے ہیں

اس کے بعد مشرق و مغرب عالم کے بادشاہ ہوئے روئے زمین کے بادشاہ دو مومن ہوئے ہیں سکندر ذوالقرنین اور سلیمان اور کافروں میں بھی دو ہوئے نمرود اور بخت النصر۔

مولانا مرحوم نے یہ حوالہ نہیں دیا کہ یہ روایت انہوں نے شیعوں کی کس تفسیر سے لی ہے خدا کی قدرت سے تو کچھ بھی بعید نہیں لیکن کسی معصوم سے ایسی روایت نہیں ملتی اور اگر ملتی ہے تو درایتاً اس کی جانچ پڑتال کی جائے تاکہ اس کی صحت پر یقین حاصل ہو جائے یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ذوالقرنین کو دوبار پانچ پانچسو برس تک مردہ بنائے رکھنے میں کیا مصلحت تھی اور یہ پانچ سو برس کی قید ہر مرتبہ کیوں ہوئی۔ یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ لاش پانچ سو برس تک بے دفن کے رہی یا دفن کر دی گئی اگر بے دفن رہی تو ایک نبی یا کم ازکم ایک برگزیدہ باری کی توہین ہے اور اگر دفن ہوئی تو لوگوں نے پانچسو برس بعد ان کی قبر کا پتہ چلا کر کیسے نکالا یا وہ خود ہی قبر سے باہر نکل آئے۔ بہر حال کچھ عجیب سی باتیں ہیں کاش مفسرین مترجمین ان پر کچھ تو روشنی ڈالتے ورنہ صرف روایت درج کرنے سے کیا فائدہ۔ قرآن مجید میں ان دونو موتوں کا ذکر نہ اجمالاً ہے نہ تفصیلاً اگر اس روایت کی تائید میں حضرت عزیر کا واقعہ پیش کیا جائے تو صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ اول تو قرآن مجید میں ان کے سو برس مردہ رہنے کا واقعہ درج ہے جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا اور وہاں مارنے کی وجہ بھی قرآن مجید میں پائی جاتی ہے کہ حضرت عزیر کو تعجب ہوا تھا کہ وہ قوم جس کی ہڈیوں کے ڈھانچے رہ گئے ہیں گوشت پوست کا نام نہیں پھر کیسے زندہ ہوگی لہٰذا قدرت نے سو سال کے لئے انہیں مردہ بنا دیا اور پھر زندہ کر کے بتا دیا کہ تم سو سال مردہ رہے اور میں نے تمہیں پھر زندہ کر دیا تو میرے لئے ان چند سال کے مرے ہوؤں کی ہڈیاں کو از سر نو انسان بنا کھڑا کرنا کونسی مشکل بات ہے۔ سو سال میں تو کسی مردہ

کا کوئی حصہ بھی باقی نہیں رہتا۔ اس کے بعد مولانا نے دوسرا حاشیہ یاجوج وماجوج پر لکھا ہے

"یاجوج وماجوج حضرت یافث بن نوح کی اولاد سے تھے ان کے دو گروہ تھے جن کو بعض ترک اور بعض پہاڑی کہتے ہیں۔ بہرحال یہ لوگ تین قسم کے تھے ایک ایسے لمبے تڑنگے کہ جن کا قد تاڑ برابر تھا اور دوسرے ایسے چوڑے کہ ان کی لمبائی اور چوڑائی برابر تھی تیسرے بڑے کنے کہ ان کا ایک کان اوڑھنا تھا اور ایک بچھونا ان کی تعداد چار لاکھ تھی اور ان میں سے کوئی نہ مرتا جب تک اپنے نطفہ سے ایک ہزار جوان لڑنے والے نہ دیکھ لیتا تھا وہ اس قدر قوی تھے کہ پتھر اور لوہے کی ان کے سامنے کوئی حقیقت نہ تھی۔ گھاس پتے آدمی جانور حرام وحلال ہر چیز کھا جاتے تھے وہ لوگ جب کسی پر حملہ کرتے تو اس کا ستیاناس کر دیتے تھے۔"

(یہ روایت روضۃ الصفا میں ہے جس کی بہت سی روایتیں ساقط الاعتقاد ہیں)

اس روایت میں عجیب بات یہ ہے کہ مولانا اس قوم کو حضرت نوح کے بیٹے یافث بن نوح کی اولاد سے ذکر فرماتے ہیں اگر کوئی جداگانہ مخلوق خدا بیان کرتے تو کوئی محل تعجب نہ تھا لیکن ایک نبی زادہ کی اولاد میں ان صفات کا ذکر کرنا جو انسانی خصوصیات سے بالکل الگ ہیں۔ ضرور تعجب میں ڈالنے والی بات ہے کوئی ایک بات بھی تو ان میں انسانوں کی سی نہیں پائی جاتی۔ جناب یافث ہم ہی جیسے انسان تھے ان کی اولاد میں یہ تغیر کیسے پیدا ہوگیا کہ بشریت کا روپ ہی بدل گیا اور وہ بالکل ایک جداگانہ مخلوق نظر آنے لگے۔ دنیا کے دور میں اس کے سوا کوئی دوسری مثال تاریخ عالم میں ملتی ہی نہیں نہ ان کا ڈیل ڈول انسانوں کا رہا نہ شکل وصورت نہ غذا نہ طاقت نہ طریق ماند وبود پھر ایک عجیب بات ہے کہ ان میں سے کوئی اس وقت تک مرتا تھا جب تک ایک ہزار لڑکے نہ پیدا کر لیتا۔ انسانی نسل میں تو کوئی ایک انسان بھی ایسا نہیں پایا گیا جس کے ایک ہزار اولاد ہوئی ہو۔ شاباش اس ماں کو جو ایک ہزار بچہ جنے اور مرحبا اس باپ کو جو ایک ہزار فوج اولاد سے تیار کر کے مرے۔ مولانا اگر یہ لکھ دیتے کہ یاجوج ماجوج خدا کی ایک مخلوق تھی جس کی یہ صفات تھیں تو کسی کو اعتراض نہ ہوتا۔

مولانا مرحوم نے کئی جگہ حواشی میں ایسی ہی بے سروپا روائتیں درج فرما دی ہیں۔ قصہ کہانیوں ١
کی کتابوں میں تو ایسی چیزیں لوگوں کو دلچسپ معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن قرآن جیسی مقدس کتاب پر ایسے حواشی
اچھے نہیں معلوم ہوتے انہوں نے جیسا بے نظیر ترجمہ کیا ہے ایسے ہی وہ روایات درج کرتے
جو معتبر و موثق ہوتیں اور حضرات معصومین علیہم السلام سے منقول ہوتیں۔ مفسرین اہل سنت نے
تو توریت وغیرہ کے بہت سے لایعنی قصے درج کر دیئے ہیں ہم ان کی پیروی کیوں کریں۔

مسلمان بھائیوں سے ایک سوال ہے کہ یاجوج و ماجوج ایک قوم تھی جو ہزارہا سال سے غائب ہے دنیا کے کسی سیاح کو کہیں نظر نہیں آئی۔ قرآن کہتا ہے کہ قرب قیامت میں وہ ہر طرف سے نکل پڑیں گے ذرا کوئی بتائے وہ قوم کہاں روپوش ہے اس کے وجود سے اور زندہ رہنے سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا پھر وہ نظر کیوں نہیں آتی۔ یہ بھی مسلّم ہے کہ وہ ہے اور اسی سرزمین پر لیکن پھر بھی غائب ہے پہاڑوں کا گوشہ گوشہ سیاحوں نے چھان مارا مگر اس قوم کا ایک فرد بھی آج تک ڈھونڈے نہ ملی آخر یہ کیا ماجرا ہے اس پر کوئی مسلمان نہ تعجب کرتا ہے نہ انکار لیکن حضرت حجت کے غائب ہونے پر سو اعتراض۔ اگر تمام لوگ ان کو نہیں دیکھ سکتے تو ان کے وجود سے کیوں انکار کیا جاتا ہے اگر یاجوج و ماجوج ہزارہا سال غائبانہ زندگی بسر کر سکتے ہیں تو ایک نائب رسول ولی خدا امام عصر کیوں نہیں کر سکتا۔

کسی تفسیر سے یہ نہیں پتہ چلتا کہ جس دیوار کا ذکر قرآن مجید میں ہے وہ کہاں ہے اکثر لوگوں نے دیوار چین (CHIANA . WALL) قرار دیا ہے لیکن یہ غلط ہے وہ لوہے کی سلوں سے بنی ہوئی نہیں ہے اور نہ دو پہاڑوں کے درمیان ان کے کنگروں تک پہنچی ہوئی ہے قرآن مجید کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں فن حدادی نے اس حد تک ترقی کی تھی کہ یہ لوہے کی اس کثرت سے سلیں بنا ڈالی تھیں کہ ایک لمبی دیوار کافی اونچی ان سے

بنائی گئی اور ایسی بھٹیاں بھی تھیں کہ ان میں تانبا پگھلایا جاتا تھا اور ایسے آلات بھی تھے کہ وہ گرم تانبا سلوں کے جوڑ پر ڈالا جاتا تھا اب جو کام برقی بھٹیاں کر رہی ہیں وہ اس زمانہ آگ کو دھونک کر انجام دیے لیے جاتے تھے اس عجیب وغریب صنعت انسان کا اب کوئی ذکر بھی نہیں کرتا۔

حضرت یحیٰی علیہ السلام

پ۱۶ مریم ع ۱: یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ ۣاسْمُہٗ یَحْیٰی لَمْ نَجْعَلْ لَّہٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا

اے زکریا ہم تم کو ایک لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحیٰی ہوگا ہم نے اس سے پہلے کسی کو اس کا ہم نام پیدا نہیں کیا)

حضرت زکریا کی عمر ۹۹ سال کی تھی اور ان کی بی بی کی عمر ۸۸ سال کی ہوگئی تھی اولاد سے مایوس ہو چکے تھے ایسی حالت میں خدا سے اولاد کے لئے دعا کی۔ خدا نے ان کی دعا قبول کی یحیٰی کے پیدا ہونے کی بشارت دی یہ نام حضرت یحیٰی کی پیدائش سے پہلے کسی کا نہ تھا یہ اللہ خدا کی انتہائی مہربانی تھی کہ نام بھی خود ہی رکھا۔

اگلی آیات میں ہے کہ جب یحیٰی پیدا ہوئے تو خدا نے ان سے کہا اے یحیٰی کتاب دین کو مضبوطی کے ساتھ لو (یعنی اس پر پوری طرح عمل کرو) اور ہم نے تمہیں بچپن ہی میں اپنی بارگاہ سے نبوت، رحمدلی اور پاکیزگی عطا فرمائی وہ خود بھی پرہیزگار اور اپنے ماں باپ کے حق میں سعادتمند تھے سرکش و نافرمان نہ تھے (ہماری طرف سے) ان پر سلام ہے جس دن پیدا ہوئے اور جس دن مریں گے اور جس دن زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔

حضرت یحیٰی برگزیدگان باری میں ایک خاص امتیازی حالت رکھتے تھے چار برس کے سن میں توریت کو حفظ کر لیا تھا دس برس سے پہلے تمام احکام الٰہی سے واقف ہو گئے خوف خدا کی یہ حالت تھی کہ سوکھی روٹی کا ایک ٹکڑا کبھی کبھی کھا لیتے تھے ٹاٹ کے کپڑے

پہنتے تھے یاد خدا میں اتنا روتے تھے کہ رخساروں کا گوشت گل کر دانت دکھائی دینے لگے تھے۔ ان کی والدہ نے نمدے کے دو ٹکڑے رخساروں پر رکھ دیئے تھے کہ آنسوان پر گریں حضرت زکریا نے وعظ میں عذاب جہنم کا ذکر کرنا چھوڑ دیا تھا۔ ایک دفعہ ذکر کر رہے تھے حضرت یحیٰی نے سن لیا تو روتے پیٹتے صحرا کی طرف نکل گئے۔ ماں باپ تلاش میں نکلے تین روز کی تلاش کے بعد ایک پہاڑ پر سجدہ میں بیہوش پایا۔ وہاں کی مٹی آنسوؤں سے تر ہو گئی تھی۔ ماں نے ان کے چہرہ سے مٹی صاف کی تو سمجھے ملک الموت آ گئے فرمایا میرے ماں باپ بوڑھے ہیں ٹھہر جا کہ میں ان سے ملاقات کر لوں۔ جب ماں نے کہا بیٹا میں تیری ماں ہوں یہ سن کر آنکھ کھولی اور پھر صحرا کی طرف بھاگنا چاہا مگر ماں باپ پکڑ کر گھر لے آئے۔ عمر بھر آپ نے شادی نہیں کی۔

ان کی شہادت کا سبب یہ ہوا کہ اس زمانہ کے بادشاہ کے پاس ایک عورت تھی جس کی پہلے شوہر سے ایک لڑکی تھی۔ جب وہ بوڑھی ہو گئی اور بادشاہ کی توجہ اپنی طرف کم پائی تو اس لڑکی کے ذریعہ سے بادشاہ کی توجہ اپنی طرف بڑھانا چاہی۔ لڑکی بڑی حسین تھی بادشاہ اس کی طرف مائل ہو گیا۔ حضرت یحیٰی سے اس نے فتویٰ پوچھا آپ نے فرمایا وہ تجھ پر حرام ہے۔

ایک دن جب کہ بادشاہ نشہ میں مست تھا اس عورت نے لڑکی کو خوب سجا بنا کر بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ بادشاہ اس سے خلوت کرنا چاہتا تھا کہ اس عورت نے کہا کہ پہلے اس کا مہر تو دیجئے۔ پوچھا وہ کیا ہے اس نے کہا یحیٰی کا سر۔ بادشاہ نے اسی وقت ان کے قتل کا حکم دے دیا۔

جب علمائے بنی اسرائیل نے سنا تو بادشاہ سے کہا کہ اگر ان کا خون زمین پر گرے گا تو اس سے کوئی دانہ روئیدہ نہ ہو گا اس نے کہا ان کا خون ایک طشت میں لو اور اسے ایک گہرے کنوئیں میں گرا دو اور اس کو مٹی سے بھر دو۔ چنانچہ حضرت کو شہید کر دیا گیا اور آپ کا سر بادشاہ کے سامنے لایا گیا۔ آپ کے خون نے ایسا جوش مارا کہ برابر اس پر مٹی ڈالی جا رہی تھی مگر وہ اُبلتا ہی چلا آ رہا تھا۔ یہاں تک کہ ایک اونچا ٹیلہ بن گیا مگر خون پھر بھی بند نہ ہوا۔ اس زمانہ میں بخت النصر

Marfat.com

بادشاہ ہوا۔ اس نے بادشاہ اس کے ارکان سلطنت اور ان تمام لوگوں کو جنہوں نے قتل کا فتویٰ دیا تھا یا سامنے ان کے قتل ہوئے تھے بیدریغ قتل کرایا۔ جب تک ستر ہزار آدمی بنی اسرائیل کے قتل نہ ہوئے اس کا جوش کم نہ ہوا۔ حضرت یحییٰ کی قبر دمشق کی مسجد بنی امیہ میں ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کا واقعہ شہادت حضرت یحییٰ کے واقعہ سے کتنا ملتا جلتا ہے امام کا خون ناحق بھی ابھی تک جوش مار رہا ہے جو ہر سال عاشورہ کے دن تسبیح کے دانوں پر ظاہر ہوتا ہے چونکہ ابھی تک اس خون ناحق کا انتقام نہیں لیا گیا لہٰذا وہ جوش زن ہے جب امام زمانہ ظہور فرمائیں گے تب اس خون ناحق کا بدلہ لیا جائے گا بےشمار لوگ قتل کئے جائیں گے تب یہ جوش ختم ہوگا۔

(۱۷۶) حضرت مریم کا قصہ

پ۱۶ مریم ع ۲ ؛ ۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ہ

(اے رسول اس کتاب میں مریم کا بھی ذکر کرو جب وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر پورب والے مکان میں (غسل کے واسطے) جا بیٹھی پھر اس نے لوگوں کے سامنے سے پردہ کر لیا تو ہم نے روح (جبرئیل) کو ان کے پاس بھیجا تو وہ اچھے خاصے آدمی کی صورت میں ان کے سامنے جا کھڑا ہوا) آگے کی آیات کا ترجمہ یہ ہے :۔

مریم نے کہا اگر تو پرہیزگار ہے تو میں تجھ سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں (میرے پاس سے ہٹ جا) جبرئیل نے کہا میں تمہارے رب کا پیغام بر ہو کر آیا ہوں تاکہ تم کو ایک پاک (و پاکیزہ) لڑکا عطا کروں۔ مریم نے کہا مجھ سے لڑکا کیسے پیدا ہو سکتا ہے جب کہ مرد نے مجھے مس نہیں کیا اور نہ میں بدکار ہوں۔ جبرئیل نے کہا تم نے ٹھیک کہا لیکن تمہارے پروردگار نے کہا کہ یہ بات (بغیر باپ کے بچہ پیدا کرنا) میرے لئے آسان ہے تاکہ اس کو پیدا کر

لوگوں کے واسطے اپنی قدرت کی نشانی قرار دوں اور اس کو اپنی رحمت کا ذریعہ بناؤں اور یہ بات تو فیصل شدہ ہے یعنی ایسا تو ہو کر رہے گا) غرض کہ وہ آپ ہی آپ حاملہ ہو گئیں پھر جب جننے کا وقت قریب آیا تو دردِ زہ انہیں ایک درخت کی جڑ میں لے آیا۔ تب وہ اس وقت بیکسی میں شرم سے کہنے لگیں کاش میں اس سے پہلے مرجاتی اور ناپید ہو کر بھولی بسری بن جاتی تب جبریل نے مریم کے بائیں طرف سے آواز دی کہ تم کڑھو نہیں دیکھو تمہارے پروردگار نے تمہارے قریب ہی نیچے کی طرف ایک چشمہ جاری کر دیا ہے اور اس درخت خرما کی جڑ پکڑ کر اپنی طرف کو لاؤ تو تم پر پکے پکے تازہ خرمے جھڑ پڑیں گے انہیں شوق سے کھاؤ اور چشمہ کا پانی پیو اور اپنی آنکھیں (دیدار فرزند سے) ٹھنڈی کرو۔ اگر تم کسی آدمی کو دیکھو اور وہ تم سے کچھ پوچھے تو (اشارہ سے) کہہ دینا کہ میں نے خدا کے لئے روزہ کی نظر کی ہے اس لئے میں آج کسی سے بات نہیں کر سکتی۔

الغرض وہ لڑکے کو گود میں لئے اپنی قوم کے پاس آئیں جب یہودی رہبانوں نے کنواری لڑکی کی گود میں بچہ دیکھا تو ان کو بڑا غصہ آیا کہنے لگے یہ تم نے کیا کیا۔ تم تو بدکاری میں ہارون (بنی اسرائیل کا ایک بدکار آدمی) جیسے کی بہن بن گئیں نہ تو تمہاری ماں بدکار تھی نہ تمہارا باپ پھر ایسی بدچلن کیسے بن گئیں۔ وحی الٰہی کے مطابق مریم نے کوئی جواب ان کو نہ دیا اور یہ ظاہر کیا آج میں روزہ سے ہوں کسی سے کلام نہ کروں گی (یہ روزہ صوم صمت کہلاتا ہے) بنی اسرائیل میں بعض لوگ صوم صمت یعنی خاموشی کا روزہ بھی رکھا کرتے تھے جس کا ثواب عام روزوں سے زیادہ جانتے تھے۔ جب انہوں نے زیادہ پیچھا لیا تو مریم نے اپنے بچہ کی طرف جسے گود میں لئے ہوئے تھیں اشارہ کیا کہ اس سے پوچھ لو کہ میں بدکار ہوں یا نہیں۔ یہ سن کر انہیں اور زیادہ غصہ آیا کہنے لگے کہ ہم ایسے بچہ سے کیونکر کلام کریں جو آغوش مادر میں ہے اس سے بولنے کی کیا امید الغرض حضرت عیسیٰ نے ان کی افترا پردازی کا رد یوں کیا کہ فرمایا۔ "میں اللہ کا بندہ ہوں شیطانی عمل کا میری ولادت سے کوئی تعلق نہیں یعنی میں زنازادہ نہیں ہوں) خدا نے مجھے کتاب دی

ہے یعنی آئندہ میں صاحب کتاب بنوں گا اور اللہ نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے۔

اس واقعہ میں چند باتوں پر غور کرو۔

اول جناب مریم کی عظمت اور قدوسیت پر۔ خدا کے یہاں سے ان کے لیے کھانا آیا دوسرے خدا نے ان کو بے شوہر کے بچہ جننے کے لیے مخصوص کیا تیسرے سوکھے درخت کو ان کے لیے ہرا کیا اور اس سے پکے خرمے گرائے۔ چوتھے پانی کا چشمہ ان کے لیے جاری کیا پانچویں ان کی عظمت کی گواہی ایسے بچہ سے دلوائی جو آغوش مادر تھا بس اگر یہودیوں کی تہمت صحیح ہوتی تو اللہ تعالیٰ کی یہ رحمتیں ان پر نازل نہ ہوتیں اور وہ معاذ اللہ ایک زنا زادہ کو ہرگز اپنا رسول نہ بناتا اور ان پر اپنی کتاب نازل نہ کرتا۔

" سر سید احمد خاں صاحب آنجہانی اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ حضرت عیسیٰ بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ وہ کہتے ہیں واقعہ یہ ہے کہ حضرت مریم کی منگنی یوسف نجار سے ہوئی تھی اور یہودیوں میں قاعدہ تھا جیسا کہ ہمارے یہاں بھی ہے کہ جب تک باقاعدہ رخصتی نہ ہو عورت اپنی منگیتر کے پاس نہ جا سکتی تھی۔ چونکہ مریم اور یوسف قبل شادی کے ہم بستر ہو گئے لہذا انہوں نے رسم شکنی کی اور یہودیوں نے اس فعل کو حرام قرار دیکر یہ طعنہ زنی کی لیکن یہ کہنا قرآنی بیان کے قطعاً خلاف ہے قرآن حضرت مریم کی شان میں کہہ رہا ہے :-

پکا الانبیاء ع ۶):- وَالَّتِیْ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَاۤ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔

(اے رسول اس بی بی کو یاد کرو جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تو ہم نے اس کے پیٹ میں اپنی طرف سے روح پھونک دی اور ان کو اور ان کے بیٹے عیسیٰ کو سارے جہان کے واسطے اپنی قدرت کی نشانی بنائی)

اگر یوسف سے وہ مل گئی ہوتیں تو اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا کہ انہوں نے اپنی شرم گاہ کی حفاظت اور پھر معاذ اللہ ایک بدکار عورت کو اپنی قدرت کی نشانی کیوں بیان کرتا پھر معاذ اللہ ایک زنا زادہ آغوش مادر میں کلام کیسے کرتا ان کو نبی کیوں بناتا۔ اگر یوسف سے ملنا بالفرض جائز تھا

تو یہودیوں نے طعنہ زنی کیوں کی۔ ناجائز تھا تو قدرت نے کیوں کہا کہ انہوں نے اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی اور ہم نے ان کے بطن میں اپنی روح پھونکی۔ اگر یوسف سے ہم بستر ہوئی ہیں تو پھر سب بچے جیسے پیدا ہوتے ہیں وہ بھی ہوئے پھر نفخ روح کا ذکر کیوں ہوتا۔ غرض بہت سے دلائل ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسٰے بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔

سرسید احمد خان صاحب نے اپنی تفسیر میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عیسٰی نو مہینہ بحالت حمل شکم مادر میں رہے لیکن یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ نو مہینے تو وہ بچے رحم مادر میں رہتے ہیں جن کا تعلق عالم خلق سے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ تو ان کی خلقت عالم امر سے بتاتا ہے۔ جہاں کی صورت یہ ہے کہ جب اللہ کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے کُن۔ پس وہ اسی وقت وجود میں آجاتی ہے۔ اس کے لئے وسائط و اسباب کے فراہم ہونے کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ جیسے ہی فرشتے نے ولادت فرزند کی بشارت دی حضرت مریم حاملہ ہوگئیں اور کچھ دیر بعد دردزہ عارضی ہوا۔ عالم خلق میں تو کبھی ایسا ہوتا ہی نہیں۔

جب دردِ زہ عارضی ہوا تو مریم بہت گھبرائیں چاہا کہ بیت المقدس کے کسی گوشہ میں ولادت ہو جائے لیکن ان کو آواز آئی کہ تم اس گھر سے نکل جاؤ یہ عبادت خانہ ہے زچہ خانہ نہیں (کس قدر فرق ہے حضرت عیسٰے و امیر المومنین میں کہ حضرت عیسٰی کی والدہ کو خانہ خدا سے باہر جانے کا حکم ہوا اور حضرت فاطمہ بنت اسد مادر امیر المومنین کے لئے دیوار کعبہ شق ہوئی اور حکم ہوا اُدخلی فی البیت (اندر داخل ہو جاؤ)

سوال یہ ہے کیا حضرت عیسٰی کے بیت المقدس میں پیدا ہو جانے سے کیا خانہ خدا نجس ہو جاتا؟ اگر ایسا نہیں تھا تو پھر کیوں ان کی ولادت خانہ خدا میں نہ ہوئی۔ جواب یہ ہے کہ خدا کے علم میں تھا کہ ایک قوم عیسٰی کو خدا کا بیٹا کہے گی لہٰذا اگر یہ خانہ خدا میں پیدا ہوتے تو ان کے عقیدہ میں اور پختگی پیدا ہو جائے گی لیکن علی کے متعلق ایسا عقیدہ کسی کا نہ ہوگا۔ کتنا فرق ہے حضرت عیسٰے اور علی میں کہ حضرت عیسٰے کی سب سے پہلی غذا دودھ تھا جو ان کی ماں کے پستان

Marfat.com

میں خرمہ کی غذا کھانے سے پیدا ہوا تھا اور علی کی غذا سب سے پہلے لعاب دہن رسولؐ تھی جس سے علوم کے چشمے آپ پر کھل گئے۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ خدا نے عصمت جناب مریم کی گواہی اپنے پیغمبر حضرت زکریا سے کیوں نہ دلوائی جو حضرت مریم کے حالات سے پوری طرح باخبر تھے۔ غالباً اس کی وجہ تو یہ تھی کہ چونکہ حضرت زکریا جناب مریم کے خالو تھے لہٰذا افترا کرنے والے ان پر طرف داری کا الزام عائد کر دیتے اور حضرت عیسیٰ کی گواہی پر ایسا کوئی شبہ پیدا ہی نہ ہو سکتا تھا کیونکہ وہ آغوش مادر میں تھے۔ دوسرے جس کی پیدائش کی وجہ سے یہ افترا کیا گیا تھا اس نے خود ہی اس الزام کو اپنی ماں سے رفع کرا دیا۔ یہ قانون قدرت ہے کہ جب کسی معصوم کی عصمت پر دھبہ آتا دکھتا ہے تو بچوں ہی سے گواہی دلواتا ہے بوڑھوں کو گواہی میں پیش نہیں کرتا۔ چنانچہ جب عصمت یوسف پر دھبہ لگا تو بچہ ہی نے گواہی دی۔ جب اصحاب اخدود نے سموئیل نبی کے نبوت کو جھٹلایا تو بچہ ہی نے گواہی دی۔ مباہلہ میں رسول بچوں ہی کو اپنا گواہ بنا کر لے چلے اور سب سے آگے انہی کو رکھا۔

---

(۱۷۷) ادریس نبی

پ۱۶ مریم ع ۴۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِدْرِيسَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا

(اس کتاب میں ادریس کا بھی ذکر کرو بیشک وہ بڑے سچے بندے اور نبی تھے)

حضرت ادریس حضرت آدم کی پانچویں پشت میں تھے۔ علم نجوم، علم حساب، علم ہیئت اور فن خیاطت، علم میزان و پیمانہ اور اوزار کے موجد ہیں توریت میں آپ کا نام اخنوخ ہے آپ کی قوم نے جب زیادہ شرارت کی تو آپ کی بددعا سے بیس برس پانی نہ برسا قوم بلبلا اٹھی توبہ کی تب آپ کی دعا سے پانی برسا اور قحط دور ہوا۔

حضرت ادریس سال کے آخری ایام میں روزہ رکھتے تھے اور اس کثرت سے عبادت کرتے

تھے کہ ملائکہ کو تعجب ہوتا تھا لقائے الٰہی کے اس قدر مشتاق ہوئے کہ ایک رات کو اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان پر اٹھا لیا۔

سرسید احمد خاں مرحوم رفعناہ مکاناً علیاً۔ کا یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے درجات بلند کئے وہ چونکہ معجزات کے قطعاً قائل نہیں لہٰذا ہر نبی کے معجزہ کے سلسلے میں وہ اس کو خلاف فطرت و عادت قرار دے کر کوئی ایسی وجہ بیان کرتے ہیں جس کو اعجاز سے تعلق نہ ہو لیکن احادیث کے مقابل ان کے کلام کی کیا وقعت ہے۔

---

(۱۷۸) فاخلع نعلیک کا مطلب

پ ۱۶ ع ۱۱۔ فَلَمَّا اَتٰهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى۔ (جب موسیٰ آگ کے پاس آئے تو انہیں آواز آئی اے موسیٰ بیشک میں ہی تمہارا پروردگار ہوں تم اپنی دونوں جوتیاں اتار ڈالو کیونکہ تم اس وقت طویٰ نامی میدان میں ہو)

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اخلع نعلیک سے مراد یہ ہے کہ زن و فرزند کی محبت دل سے نکال دو لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ زن و فرزند کی محبت نہ تو ناجائز ہے نہ حرام بلکہ ایک فطری چیز ہے جو انسان کے دل سے نہیں نکل سکتی اور شریعت میں ان کی محبت کی تاکید بھی ہے پس خدا ایسا حکم کیوں دیتا جو خلاف فطرت ہو۔

بعض نے لکھا ہے کہ چونکہ حضرت موسیٰ کے جوتے مردہ جانور کی کھال کے تھے اس لئے ناپاک تھے خدا نے ان کو اتارنے کا حکم دیا یہ عجیب و غریب منطق ہے موسیٰ نبی ہو کر نجس کھال کا جوتا کیسے پہنے ہوئے تھے۔

پھر یہ بھی قابل غور بات ہے کہ وادی طویٰ کوئی ایسا متبرک خطہ زمین نہ تھا جہاں لوگ ہوتا

Marfat.com

جوتا پہن کر چلتے پھرتے نہ ہوں۔ رات دن لوگ وہاں سے گزرتے تھے۔ پھر موسیٰ سے ہی ان کے جوتے کیوں اتروائے گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ جوتے اتارنے کا حکم محض تعظیماً تھا کیونکہ اس وقت جلال ایزدی کا پرتو وہاں پڑ رہا تھا اور موسیٰ کلام خدا سننے کے لئے وہاں جا رہے تھے موسیٰ ہی پر کیا موقوف ہے جب ہم حج کو جاتے ہیں اور خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں تو ذات باری تعالیٰ کی عظمت و جلالت کی بنا پر پا برہنہ ہو جاتے ہیں۔

(۱۷۹) عصائے موسیٰ کا سانپ بننا

پ ۱۶ طہٰ ع ۱۔ وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ قَالَ أَلْقِهَا يَا مُوسَىٰ فَأَلْقَاهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىٰ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ۔

(اے موسیٰ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے عرض کی یہ میری لاٹھی ہے جس پر میں تکیہ کرلیتا ہوں اور اپنی بکریوں کے لیے (درختوں سے) پتے جھاڑتا ہوں اور دوسری ضرورتیں بھی پوری کرتا ہوں فرمایا اے موسیٰ اسے زمین پر ڈال دو جونہی اسے ڈالا وہ سانپ بن کر دوڑنے لگا فرمایا موسےٰ اسے پکڑلو ہم اسے پھر پہلی حالت پر لوٹا دیں گے)

جب حضرت موسیٰ کو نبی بنا لیا گیا تو اب ضرورت تھی کہ ان کو کچھ معجزات بھی دیئے جائیں۔ جو ان کے نبی ہونے کا ثبوت ہوں لہٰذا ایک معجزہ تو عصا کا دیا گیا اور دوسرا ید بیضا کا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ لاٹھی جیسی چیز کے متعلق جو موسیٰ کے ہاتھ میں تھی اس پاک ذات نے جو علام الغیوب ہے یہ سوال کیوں کیا کہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے۔ جواب یہ ہے کہ چونکہ اس عصا کو سانپ بنانا تھا لہٰذا پہلے موسیٰ کی زبان سے یہ کہلوا لیا کہ یہ لاٹھی ہے تاکہ سانپ بننے کے بعد وہ اس شک میں نہ پڑ جائیں کہ کہیں بھول کر میں نے بجائے لاٹھی کے سانپ تو نہیں پکڑ لیا تھا۔

Marfat.com

دوسرا سوال یہ ہے کہ جب فرعون مقابلہ کے لئے صرف عصا کا معجزہ کافی تھا اور فرعون اور اس کے ساحروں کے مقابلے میں صرف عصا ہی سے کام لیا گیا تو ید بیضا کا معجزہ دینے کی ضرورت کیا تھی۔ جواب یہ ہے کہ جب پہلی بار دربار فرعون میں موسیٰ کا داخلہ ہوا تو فرعون کے بہت سے درباری اس کے پاس بیٹھے تھے موسیٰ علیہ السلام سے انہوں نے بہت گستاخانہ کلام کیا اس پر موسیٰ کو بہت غصہ آیا۔ عصا کا سانپ تو فرعون کی طرف بڑھا اور ید بیضا دکھا کر درباریوں کو بیہوش کیا ورنہ وہ سب بھاگ جاتے۔ مرعوب دونوں کو کرنا تھا اس لئے دو معجزے دیئے گئے ورنہ ممکن تھا وہ سب مل کر موسیٰ پر حملہ کر دیتے۔

(۱۰۰) موسیٰ کی درخواست وزارت کے لئے

پ ۱۶ طہٰ ۲: ۔ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِسَانِي يَفْقَهُوا قَوْلِي وَاجْعَلْ لِي وَزِيرًا مِنْ أَهْلِي هَارُونَ أَخِي اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا إِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيرًا۔

(موسیٰ نے کہا اے میرے پروردگار تو میرے سینے کو کشادہ کر دے میرے امر کو آسان کر دے اور میری زبان کی بستگی کو کھول دے اور میرے اہل سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دے اور میری اشیت کو اس سے مضبوط کر دے اور میرے امر میں اسے شریک بنا دے تاکہ ہم تیری تسبیح زیادہ کریں اور تیرا ذکر زیادہ کیا کریں)

جب موسیٰ کو نبوت مل گئی اور خدا کا حکم ہوا اب تم فرعون کے پاس جاؤ وہ ہم سے باغی ہو گیا ہے اور خدائی کا دعویٰ کر رہا ہے اسے جا کر سمجھاؤ چونکہ فرعون بادشاہ تھا اور بادشاہ بھی سخت ظالم جس نے بنی اسرائیل کے ہزاروں بچوں کو ذبح کرا دیا تھا اندیشہ ہوا کہ اس کے مقابل اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکوں گا یا نہیں اس لئے اس موقع پر انہوں نے خدا سے حسب ذیل درخواستیں کیں

Marfat.com

(۱) میرے سینہ کو کشادہ کر دے یعنی مجھے دلیر بنا دے تاکہ میں پوری ہمت سے اس کا مقابلہ کر سکوں۔ مفسرین اہلسنت نے آیہ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ کی تفسیر میں لکھا کہ بعثت کے بعد جبریل نے آنحضرت کا سینہ چاک کیا اور آپ کا دل نکال کر وہ سیہ نقطہ جو گناہوں کا مرکز کہلاتا ہے دل کے اندر سے نوچ کر پھینک کر دیا اور اس اپریشن کے بعد دل کو سینہ میں رکھ کر گوشت کو برابر کر دیا۔ غور کیجئے کیسی مضحکہ خیز تفسیر ہے اگر شرح صدر کی یہی صورت ہے تو موسیٰ کے ساتھ یہ عملدرآمد کیوں نہ کیا گیا۔ شرح صدر کے تو یہ معنی ہیں کہ کسی امر اہم میں جو دل تنگی پیدا ہوتی ہے اور ہمت پست ہونے لگتی ہے اس کو دور کر دیا جائے اور دشمن سے مقابلہ پوری قوت دل میں آجائے کسی موقع پر ذرا سی بھی جھجک پیدا نہ ہو۔

(۲) يَسِّرْ لِي أَمْرِي۔ میں امر سے مراد نبوت ہے مطلب یہ ہے کہ جب میں تبلیغ کے لئے دشمن کے سامنے جاؤں تو کوئی ایسی شکل پیدا نہ ہو جس سے کار نبوت انجام دینے سے رک جاؤں۔

(۳) وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي۔ بچپن میں حضرت موسیٰ فرعون کے گھر پہنچے اس کی بی بی آسیہ نے کہا ہم اس کو اپنا لے پالک بیٹا بنا لیتے ہیں چونکہ نہایت قبول صورت تھے فرعون کو پیار آیا اس نے گود میں لے لیا جناب موسیٰ نے اس کی داڑھی پکڑ کر دائیں ہاتھ سے ایک طمانچہ رسید کیا۔ فرعون بلبلا گیا اور موسیٰ کو گود سے نیچے ڈال دیا اور کہا معلوم ہے کہ یہ بنی اسرائیل کا وہی بچہ ہے جو مجھے قتل کرے گا۔ میں نجومیوں سے سن چکا ہوں آسیہ نے کہا کیا بچوں کی سی باتیں کرتے ہو نادان بچہ اسے کیا خبر کہ تم خدا ہو ملکے سے تمہارے گال پر ہاتھ مار دیا ہے فرعون نے کہا ملکے سے نہیں ایسا مارا ہے جیسے لوہے کا آلہ کوئی مارے دانتوں کی جڑیں تک ہل گئیں آسیہ نے کہا اچھا امتحان کر لو۔ چنانچہ ایک طشت میں دہکتے ہوئے کوئلے لائے گئے دوسرے طشت میں چمکتے ہوئے لعل شب چراغ رکھے گئے اور یہ طے پایا کہ اگر اس نے جواہرات اٹھائے تو یہ وہی بچہ ہے اگر جلتا کوئلہ اٹھا لیا

Marfat.com

بیشک وہ نہیں۔ موسیٰ نے بالہام ربانی جلتا ہوا کوئلہ اٹھا کر منہ میں رکھ لیا جس سے زبان جل گئی اور اس میں لکنت پیدا ہو گئی چونکہ ایک مبلغ کے لیے طلیق اللسان اور شائستہ بیان ہونا ضروری ہے لہٰذا یہ دعا کی میری زبان کی بستگی کو کھول دے۔

(۴) وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَھْلِیْ ھٰرُوْنَ اَخِیْ - یہاں سے معلوم ہوا کہ کسی نبی کو اپنا وزیر باختیار خود بنانے کا حق نہیں بلکہ جس کو خدا منظور کرے اس کو بنا سکتا ہے دوسرے یہ کہ وزیر اس کے خاندان سے کوئی ہو امت میں سے نہ ہو۔ نہ امت کو یہ حق ہے کہ وہ بطور خود کسی نبی کا وزیر یا جانشین بنائے۔ ہارون جناب موسیٰ کے بھائی تھے لہٰذا خدا نے انہی کو وزیر بنایا جس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حق وراثت قرابت قریبہ رکھنے والا کا ہوتا ہے نہ کہ دور کے قرابت داروں کا اور وہ بھی جو سببی رشتہ رکھتے ہوں نہ کہ نسبی۔

(۵) وَاَشْرِكْهُ فِیْٓ اَمْرِیْ (میرے امر نبوت میں شریک کر) اس سے معلوم ہوا نبی کا وزیر شریک کار نبوت ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ سقیفہ میں جو خلافت بنی تھی وہ خلاف سنت خدا اور رسول تھی ؛

---

(۱۸۱) سحر و معجزہ میں فرق

پ ۱۶ طرع ۲ : ۔ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ یٰمُوْسٰی۔

(فرعون نے کہا اے موسیٰ کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم کو ہمارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے نکال باہر کرو)

فرعون نے حضرت موسیٰ سے اپنے مقابلے کے لئے اپنے ملک کے بڑے بڑے کامل الفن جادوگروں کو بلا لیا تھا۔ مقابلے کے وقت انہوں نے رسیوں کے ٹکڑے اوپر کی طرف پھینکے جو فضا میں سانپ بن کر لہرانے لگے۔ حضرت موسےٰ نے اپنے عصا کو پھینکا

Marfat.com

اس نے ان سب ... پوں کو نگل لیا۔

معجزہ اور ... جادو میں یہ فرق ہے کہ ایک جادو پر دوسرے کا جادو غالب آسکتا ہے معجزہ پر کسی کا غلبہ نہیں ہو سکتا۔ مسٹر اے بی چارلس نے اپنی سوانحعمری میں لکھا ہے کہ جس میں ممباسہ میں ریل کی پٹڑی پڑ رہی تھی میں بحیثیت انجنیر کے وہاں متعین تھا ایک افریقی میرا اردلی تھا ایک روز ہم دونو ایک سڑک سے گزر رہے تھے کہ ایک شخص ایک پنجرہ میں دو تین مردہ پرندے ڈالے ہوئے لوگوں کو تماشا دکھا رہا تھا ایک مردہ چڑیا کو وہ پنجرہ سے باہر نکالتا اس پر کچھ دم کرتا وہ زندہ ہو جاتی پھر اس کا گلا گھونٹ کر پنجرہ میں ڈال لیتا سب لوگ اس کے عمل سے حیران تھے۔

میں نے اپنے اردلی سے کہا تم بھی کچھ جانتے ہو اس نے کہا ہاں اگر میں اپنا جادو دکھاؤں تو یہ زندہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اس جادوگر نے ایک مری ہوئی چڑیا پنجرہ سے نکالی اور منتر پڑھنا شروع کیا میرے اردلی نے کنکریوں پر کچھ پڑھ کر اس پر پھینکیں نتیجہ یہ ہوا کہ پھر وہ مری ہوئی چڑیا زندہ نہ ہو سکی۔

لیکن معجزہ پر کسی جادوگر کا جادو نہیں چلتا جیسا کہ فرعون کے تمام ساحروں نے اپنے چلّے دکھائے مگر عصائے موسیٰ پر کوئی غالب نہ آسکا۔ دوسرے جادوگروں کو جادو حاصل کرنے کے لئے کچھ شیطانی عمل کرنے پڑتے ہیں لیکن صاحب معجزہ کو کسی عمل کی ضرورت پیش نہیں آتی معجزہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے اور جادو شیطان کی طرف سے ہے۔

---

(۱۴۲) سامری اور اس کے گئوسالہ کا حشر

سورہ طٰہٰ ع۵۔ قَالَ فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيَاةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَنْ تُخْلَفَهُ وَانْظُرْ إِلَىٰ إِلَٰهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَنُحَرِّقَنَّهُ

ثُمَّ لَنَنسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا (موسیٰ نے کہا چل دور ہو تیرے لیے دو اس دنیا کی) زندگی میں تو یہ سزا ہے کہ تو کہتا پھرے گا کہ مجھے چھونا مت ورنہ بخار چڑھ آئے گا اور آخرت میں بھی تیرے لئے یقیناً عذاب کا وعدہ ہے کہ ہرگز تجھ سے اس کے خلاف نہ کیا جائے گا اور تو اپنے معبود کو تو دیکھ جس کی عبادت پر تو ڈٹا بیٹھا تھا ہم اسے یقیناً جلا کر راکھ کر ڈالیں گے پھر ہم نے اسے تتر بتر کر کے ہوا میں اڑا دیں گے)

سامری نے اپنے جادو کے زور سے سونے کے بچھڑے میں آواز پیدا کی اور بنی اسرائیل سے کہا اس کے اندر تمہارا خدا بول رہا ہے تم اسے سجدہ کرو۔ وہ احمق اس کے کہنے میں آ گئے۔ جب حضرت موسیٰ طور سے توریت لے کر واپس آئے تو دیکھا چند ایمان والوں کے سوا سب بت پرست بن چکے ہیں آپ نے سامری کو ڈانٹا اور فرمایا اے بدبخت تو نے میری ساری قوم کو گمراہ کیا۔ میرے سامنے اس بچھڑے کو توڑ ڈال تاکہ قوم پر تیرا فریب کھل جائے مگر وہ راضی نہ ہوا۔ آخر حضرت موسیٰ نے اس کے لئے بددعا کی جس سے اسے سخت بخار آیا کہ بدن تونے کی طرح جلنے لگا وہ دیوانہ وار یہ کہتا پھرتا تھا کوئی مجھے چھونا مت۔ جو کوئی چھو لیتا تھا۔ وہ بھی بخار میں مبتلا ہو جاتا تھا آخر اسی حالت میں وہ مر گیا۔ بچھڑے کو توڑ پھوڑ کر آگ میں ڈالا گیا اور جب وہ جل کر راکھ ہو گیا۔ تو اس کی خاک دریا میں بہا دی گئی۔

(۱۸۳) آدم کونسی جنت میں تھے

پ ۱۶ طرح ۱۷۔ قَالَ يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَىٰ شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلَىٰ

(شیطان نے کہا اے آدم کیا میں تمہیں ہمیشگی کی زندگی کا درخت اور وہ سلطنت جو کبھی زائل نہ ہو بتا دوں)

اگر آدم جنت خلد میں رہتے تو شیطان ان سے جنت الخلد کے اوصاف بیان نہ کرتا اس کے قول سے معلوم ہوا کہ جس جنت میں آدم تھے اس کے علاوہ کوئی اور بھی جنت تھی جس کے اوصاف

Marfat.com

آدم کی جنت سے جدا تھے اور اس میں زندگی کو دوام تھا۔

(۱۸۴) آدم کا عصیان

پ ۱۶ ط ع ۷:- وَعَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی۔ (آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی (تو راہ صواب سے) بے راہ ہو گئے۔)

جو لوگ عصمت انبیاء کے قائل نہیں ان کو خواہ مخواہ حضرات انبیاء کو گنہگار قرار دینے میں مزہ آتا ہے حالانکہ عقلاً و نقلاً کسی طرح وہ گنہگار ثابت نہیں ہوتے۔ آیئے ذرا آدم کے عصیان پر غور کریں۔

یہ تو ظاہر ہے کہ آدم خلیفہ روئے زمین بنائے گئے تھے یعنی ان کی خلافت یا نبوت کا تعلق اس وقت ان سے ہوتا جب کہ وہ زمین پر آجاتے اور اپنی خلافت کا کام شروع کرتے اس سے پہلے عالم قدس میں جو کچھ ہوا اس کا بار ان کی خلافت پر نہیں ڈالا جاسکتا یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر ملک کا قانون جداگانہ ہوتا ہے اس دنیا کا قانون یہ ہے کہ خلیفہ خدا کے لئے معصوم ہونا ضروری ہے یعنی خلیفہ کے لئے جو قانون بنایا گیا ہے وہ اس کے خلاف کوئی عمل نہ کرے اس قانون کو عالم بالا کے قانون پر قیاس نہ کیجئے۔ مثال کے طور پر آپ ایک دن چوبیس گھنٹہ کا ہوتا ہے لیکن قرآن کہتا ہے خدا کے نزدیک ایک دن تمہارے شمار کے لحاظ سے ایک ہزار سال کا ہوتا ہے۔

اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔

پھر اس پر بھی غور کیجئے کہ آدم نے جو گیہوں کھایا اس کا کھانا شریعت اسلامی میں حرام نہ تھا اگر حرام ہوتا تو تمام اولاد آدم پر بھی حرام ہوتا کیونکہ جو چیز نبی پر حرام ہوتی ہے اس کی امت پر بھی حرام ہوتی ہے۔ امت کو چھوڑو خود آدم نے روئے زمین پر آکر جب کبھی

باڑی کاڈول ڈالا تو گیہوں کی کاشت بھی کی اور اس گیہوں کو انہوں نے بھی کھایا اور ان کی اولاد نے بھی خدا نے ان کو منع نہیں کیا پس معلوم ہوا کہ گیہوں حرام نہ تھا بلکہ جب آدم جنت میں تھے تو بنا بر مصلحت ان کو روکا گیا تھا جیسے کوئی طبیب اپنے مریض کی حالت دیکھ کر بہت سی حلال غذائیں کھانے سے روک دیئے۔

پس معلوم ہوا کہ جو نہی آدم کو کی گئی تھی وہ تحریمی نہ تھی بلکہ تنزیہی تھی یعنی انہی کی بہتری کے لیے منع کیا گیا تھا انہیں تو جنت سے نکل کر ایک دن زمین پر آنا ہی تھا لیکن اگر گندم نہ کھاتے تو اس صورت سے نہ نکلتے کہ جنت کا لباس آدم و حوا دونوں کے بدن پر سے اتر پڑا اور انہوں نے درختوں کے پتوں سے ستر پوشی کی یا شیطانی اغوا کا الزام ان پر عائد نہ ہوتا۔ شیطانی اغوا کا تعلق بس وہیں تک تھا لیکن جب خلیفہ ارض بن کر زمین پر آ گئے پھر شیطان کا تسلط ختم ہو گیا۔

آدم علیہ السلام سے جو نافرمانی ہوئی وہ باغوائے شیطانی ہوئی چونکہ اس نے خدا کی قسم کھا کر اغوا کیا تھا اور اس وقت تک کسی نے جھوٹی قسم نہ کھائی تھی لہذا آدم نے اس قسم کا احترام کرتے ہوئے درخت کا پھل کھا لیا کوتاہی ضرور ہوئی لیکن نیت میں سرکشی و نافرمانی نہ تھی۔

اگر کہا جائے کہ جب گناہ نہ تھا تو جنت سے کیوں نکالے گئے اس کا جواب یہ ہے کہ اس غذا کا اثر ہی یہ تھا کہ جنت میں نہیں رہ سکتے تھے رہا توبہ کا معاملہ تو بارگاہ ایزدی میں مقربان خاص کا ترک اولی بھی عصیاں میں شمار ہوتا ہے۔ حسنات الابرار سیئات المقربین (نیکوں کی نیکیاں مقربین خاص کے لئے گناہ سمجھی جاتی ہیں)

تاریخ میں ہے کہ نادر شاہ کا ایک مقرب اس کے سامنے ایک روز اس حالت میں آیا کہ اس کی وردی کے دو تین بٹن اوپر سے کھلے ہوئے تھے اس پر بادشاہ کا عتاب نازل ہوا اور اسے دربار سے نکلوا دیا حالانکہ وہ کوئی گناہ نہ تھا مگر شاہی دربار کے قوانین کی رو سے وہ گنہگار قرار پایا اور اسے معافی مانگنی پڑی۔

اگر آدم کا یہ عمل گناہ میں شامل ہوتا تو پھر خدا ان کا اجتبا نہ کرتا اور اپنا خلیفہ نہ بناتا

Marfat.com

چونکہ معمولی فروگذاشت بھی لہذا اس کو نظر انداز کر دیا گیا سب سے زیادہ لطیف نکتہ اس سلسلہ میں یہ ہے کہ گندم کھانے میں ہی آدم و حوا دونوں شریک تھے اگر گناہ تھا تو دونوں کا تھا لیکن عصیان کی نسبت صرف آدم کے لئے ہے نعصی اٰدم ربہ کہا گیا ہے حوا کا ذکر نہیں اس کے معنی یہی ہیں کہ بلحاظ تقرب بارگاہ ایزدی۔ وہ ترک اولیٰ بھی آدم کا گناہ سمجھا گیا حوا سے اس کا تعلق نہ رکھا گیا۔ ترک اولیٰ سے آئندہ زندگی میں بچانے کے لئے یہ انتہائی احتیاطی صورت بھی اگر اس وقت روک ٹوک نہ کی جاتی تو آئندہ ترک اولیٰ پر اور زیادہ جرأت ہوتی ؛

(۱۸۵) اہل ذکر کون ہیں۔

پ الانبیاء فَسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ ر اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھو

مفسرین اہل سنت کی یہ عادت ہے کہ جب کسی آیت کو اہل بیت کے متعلق دیکھتے ہیں تو کوئی ایسی تاویل کرتے ہیں کہ وہ فضیلت ان سے متعلق نہ رہے۔ چنانچہ اہل الذکر کا مصداق بعض نے تو علمائے اہل کتاب کو قرار دیا ہے کوئی ان سے پوچھے کہ توریت و انجیل کے علما آیات قرانی کا مطلب کیا سمجھا سکتے ہیں اگر وہ خود سمجھے ہوئے ہوتے تو اسلام میں داخل کیوں نہ ہو جاتے۔

بعض کہتے ہیں اہل الذکر سے مراد خود قرآن ہے۔ سبحان اللہ۔ اس عقل و فہم کے صدقے اگر قرآن اپنے مطالب کو خود سمجھا دیتا تو رسول کی ضرورت ہی نہ رہتی بعض کہتے ہیں کہ اہل الذکر سے مراد علمائے اسلام ہیں لیکن اگر ایسا ہوتا تو اسلام کے تہتر فرقے ہی کیوں ہوتے کیونکہ اختلاف تو اس لئے ہوا ہے کہ ہر عالم نے آیات کا مطلب اپنی اپنی رائے کے مطابق لیا ہے اگر ہر فرقہ کے عالم ایک ہی بات سمجھتے تو اختلاف پیدا ہی کیوں ہوتا ایسی صورت میں کس کی بات مانی جائے اگر علما ہدایت کے لئے کافی ہوتے تو نہ تفسیروں میں اختلاف ہوتا نہ ایک دین تہتر فرقوں میں تقسیم ہوتا۔ حقیقت یہ ہے

کہ اہل الذکر سوائے آئمہ معصومین کے اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا جیسا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے ہم اہل الذکر ہیں اس کے چند ثبوت :۔

(۱) اہل الذکر وہی ہو سکتے ہیں جن کے سینوں میں کل قرآن محفوظ ہو اور جو مصداق من عندہٗ علم الکتاب ہوں۔

(۲) اہل الذکر وہی ہو سکتے ہیں جن کو حدیث ثقلین میں رسول اللہ نے قرآن کے ساتھ کیا ہے

(۳) قرآن میں جو اس رسول کے بہت سے نام ہیں ان میں ایک ذکر بھی ہے ذکراً رسولاً لہٰذا آپ کے گھر والے اہل ذکر ہوئے۔

(۴) اہل الذکر وہی ہیں جو ہر مسئلہ کا جواب قرآن سے دے سکتے ہوں۔

(۵) اہل الذکر وہی ہو سکتے ہیں جو ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہے ہوں۔

---

(۱۸۹) اگر چند خدا ہوتے تو عالم تباہ ہو جاتا

پ۱۷ الانبیاء ع ۲۔ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا ۔

اگر آسمان و زمین میں خدا کے سوا چند خدا ہوتے تو دونوں تباہ و برباد ہو جاتے۔ مدبر عالم عقلاً ایک ہی ہونا چاہیئے اگر کئی ہوں گے تو حسب ذیل صورتیں پیدا ہوں گی

(۱) یا تو سب مل جل کر کارخانہ عالم کو چلائیں گے اور ان کے درمیان کوئی اختلاف نہ ہوگا تو اس صورت میں سب کی ضرورت ہی کیا ہے ایک ہی کافی ہوگا۔

(۲) اگر باہمی مشورہ سے چلائیں گے تو یہ ناممکن ہے کہ کبھی ان کے درمیان اختلاف نہ ہو اور درصورت اختلاف ایک کچھ چاہے گا دوسرا کچھ اس طرح نظام عالم میں ابتری ہو گی۔ مثلاً ایک چاہے گا سورج مشرق سے نکلے دوسرا چاہے گا مغرب سے لامحالہ ان میں ضرور ایک کو دوسرے پر غلبہ ہوگا پس جس کو غلبہ ہوگا وہی کارساز عالم کہلائے گا نہ کہ مغلوب اور اگر دونو

Marfat.com

قوتیں برابر ہوں گی اور ان میں تصادم ہوگا تو سورج نہ مشرق سے نکل سکے گا نہ مغرب سے۔ نتیجہ میں نظام زمین و آسمان دونوں تباہ ہو کر رہ جائیں گے لہٰذا عقل یہی فیصلہ کرتی ہے کہ خدا ایک ہونا چاہیے۔

(۱۸۷) حضرت ابراہیم کی بُت شکنی

پ۱۷ الانبیاء ۷:- اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ

جب ابراہیم نے اپنے (منہ بولے) باپ اور اس کی قوم سے کہا یہ مورتیاں جن کو تم گھیرے بیٹھے ہو آخر ہیں کیا بلا) حضرت ابراہیم کو خدا نے بچپن ہی میں عقل کامل عطا فرمائی تھی جیسا کہ فرماتا ہے:- لَقَدْ اٰتَیْنَآ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَ۔

حضرت ابراہیمؑ کو تین محاذوں پر دشمنان خدا سے مناظرہ کرنا تھا۔

۱ بت پرست ۲ ستارہ پرست ۳ شخصیت پرست جو نمرود کو خدا مانتے تھے۔

یہاں ہم بت پرستوں کے ایک مناظرہ کا ذکر کرتے ہیں۔ دیکھنا جو دلیلیں پیش کی ہیں کس قدر مضبوط ہیں کسی کی طاقت ہے کہ ان کا رد کر سکے نہ اس وقت کوئی ان کی تردید کر سکا نہ تاقیامت کر سکے گا۔

جب دیکھا کہ لوگ بتوں کے آس پاس بیٹھے ان کی پوجا پاٹ کر رہے ہیں تو فرمایا آخر یہ ہیں کون جن کو تم گھیرے بیٹھے ہو انہوں نے کہا یہ ہمارے معبود ہیں ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی عبادت کرتے دیکھا ہے لہٰذا ہم بھی ان کی عبادت کر رہے ہیں۔ فرمایا۔ احمقو! یہ تمھارے معبود نہیں بلکہ تمہارا معبود وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا مالک ہے جس نے انہیں پیدا کیا ہے میں اس کی گواہی دیتا ہوا، خدا کی قسم تمہارے یہاں سے چلے جانے کے بعد میں ان بتوں کی خبر لوں گا۔ چنانچہ جب وہ چلے گئے تو حضرت ابراہیم نے مندر میں جا کر ان کے بتوں پر پل پڑے اور کلہاڑا مار مار کر سب کو توڑ پھوڑ ڈالا۔ سب سے بڑا بت جو وہاں تھا صرف

اسے اس لئے باقی رکھا کہ جب وہ لوگ عید گاہ سے واپس آئیں تو اس سے پوچھ گچھ کریں۔

جب ان لوگوں نے واپس آکر اپنے بتوں کی یہ گت دیکھی کہ ہڈی پسلی چور چور پڑی ہے تو آپس میں کہنے لگے جس نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ گستاخی کی ہے یقیناً وہ بڑا ظالم ہے کچھ لوگ کہنے لگے کرتا کون وہی ابراہیم کا جسے ہم نے اکثر اپنے بتوں کا ذکر برائی سے کرتے سنا ہے لوگوں نے کہا اچھا اگر وہ ہے تو اسے گرفتار کر کے سب کے سامنے لے آؤ تاکہ وہ جو کچھ جواب دہی کرے سب اس کو سن لیں۔

چنانچہ کچھ لوگ دوڑے گئے اور حضرت ابراہیم کو گرفتار کر کے لے آئے لوگوں نے کہا کیوں جی یہ حرکت ہمارے بتوں کے ساتھ تم نے کی ہے فرمایا ان بتوں (خداؤں) کے بڑے (خدا) نے کی ہے اگر یہ بت بول سکتے ہوں تو ان سے پوچھ لو (یہ سن کر انہوں نے سر جھکائے اور دل میں سوچنے لگے کہ بیشک ہمیں ناحق پر ہیں معقول جواب تو کیا دیتے اپنی جھینپ مٹانے کو کہنے لگے۔ تم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ بت بولا نہیں کرتے پھر ان سے کیا پوچھیں۔ فرمایا بیوقوفو تو کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہو جو تمہیں نہ تو نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ تمہارا نقصان ہی کر سکتی ہیں تف ہے تم پر اور اس چیز پر جسے تم خدا کے سوا پوجتے ہو کیا تم اتنی سی بات بھی نہیں سمجھ سکتے یہ سن کر انہیں غصہ آگیا اور آپس میں کہنے لگے اگر تم کچھ کر سکتے ہو تو ابراہیم کو آگ میں جلا کر اپنے خداؤں کی مدد کرو۔ الغرض انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ کے بھڑکتے شعلوں میں ڈال دیا مگر خدا نے ان کو بچا لیا اور آگ کو حکم دیا کہ ابراہیم پر سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو جا۔

ان آیات میں چند باتوں پر غور کیجیے:

(۱) بت پرستوں کا مذہب عقلی نہیں بلکہ تقلیدی ہے جیسا باپ دادا کو کرتے دیکھا ویسا ہی کرنے لگے جیسا کہ حضرت ابراہیم کو بت پرستوں نے جواب دیا۔

(۲) مسلمان مفسرین کو انبیا کے دامن عصمت پر داغ لگانے میں مزہ آتا ہے۔ چنانچہ

Marfat.com

[illegible]

(۱۰۰) حضرت داؤد کا فیصلہ

وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ ۝ فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ

(اور داؤد اور سلیمان کا قصہ یاد کرو) جب دونوں ایک کھیت کے بارے میں فیصلہ کر رہے تھے جس میں رات کے وقت ایک شخص کی بکریاں دوسرے کے کھیت میں گھس کر چر گئی تھیں اور ہم ان لوگوں کے فیصلے کو دیکھ رہے تھے (جب ہم اختلاف ہوا) تو ہم نے سلیمان کو اس کا فیصلہ سمجھا دیا۔)

قصہ یہ تھا کہ یوحنا جب رات کو سو رہا تھا اس کی بکریوں نے ایلیا کے کھیت کو روندا اور چر کھایا۔ صبح کو ایلیا نے حضرت داؤد کی عدالت میں نالش کر دی۔ یوحنا طلب ہوا اور اپنی نیند کا عذر کیا آپ نے ایلیا کے کھیت کے نقصان کا اندازہ کیا تو یوحنا کی بکریوں کی قیمت کے برابر تھا۔ چنانچہ آپ نے فیصلہ کیا کہ یوحنا اپنی بکریاں ایلیا کو دے دے۔ جب یہ دونوں باہر نکلے تو حضرت سلیمان سے ملاقات ہوئی آپ نے فیصلہ سنا تو آپ نے

کو لئے ہوئے حضرت داؤد کے پاس آئے اور عرض کی کہ اگر فیصلہ دوسرا ہوتا تو اچھا ہوتا انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے۔ حضرت سلیمان نے کہا جب تک یوحنا ایلیا کے کھیت کی خدمت کر کے اسی حد تک نہ لے آئے اس کی بکریاں ایلیاں کے پاس رہیں اور اور ایلیاں ان کے دودھ اور ان سے فائدہ اٹھائے اس کے بعد جب کھیت ویسا ہی ہو جائے جیسا برباد ہوا تھا تو بکریاں واپس کر دے۔

یہ فیصلہ حضرت داؤد کو پسند آیا اور اپنا حکم واپس لے کر یہی حکم دیدیا۔

سوال یہ ہے کہ حضرت داؤد نبی تھے جو وہبی علم رکھتے تھے فیصلہ میں ان سے غلطی کیوں ہوئی اس سے ثابت ہوا کہ جو لوگ انبیاء کو معصوم نہیں مانتے ان کا عقیدہ صحیح ہے اس کا جواب یہ ہے کہ بلحاظ نقصان کی تلافی کے حضرت داؤد کا فیصلہ صحیح تھا لیکن چونکہ حضرت سلیمان کا فیصلہ بہتر تھا لہٰذا حضرت داؤد نے اسے مان لیا اور اپنے فیصلہ کا پیچ نہ کیا۔ اس واقعہ سے یہ سبق ملا کہ اگر کسی معاملہ میں بڑے کی رائے سے چھوٹے کی رائے بہتر ہو تو اسے مان لینا چاہیے۔

---

(۱۸۹) حضرت سلیمان کی سلطنت

پ۱۷ الانبیاء ع ۶ ۔ وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِهِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا وَكُنَّا بِهِ عَالِمِينَ ۔

(ہم نے بڑے زور کی ہوا کو سلیمان کا تابع کر دیا کہ وہ ان کے حکم سے اس سرزمین پر چلا کرتی تھی جس میں ہم نے طرح طرح کی برکتیں عطا کی تھیں اور ہم تو ہر چیز کی حقیقت سے واقف ہیں)

مولانا فرمان علی صاحب مرحوم نے اپنے مترجمہ قرآن کے حاشیہ پر لکھا ہے:۔

حضرت سلیمان جیسی سلطنت نہ دنیا میں کسی نے کی ہے نہ کرے گا۔ سات سو برس اور چھ مہینے سلطنت کی اور آدمی جنات۔ چرپائے۔ پرندے، درخت اور ہوا غرض دنیا کی

ہر چیز پر آپ کی حکومت تھی۔ آپ نے لکڑیوں پر شیشے کے ایک ہزار عالیشان محل بنوائے تھے آپ کا لشکر سو کوس تک طول میں اور سو کوس تک عرض میں پھیل جاتا تھا۔ آپ نے ایک تخت بنوایا تھا جو بہت لمبا چوڑا تھا اس کے بیچ میں آپ کا منبر ہوتا تھا اور اس کے گرد چھ سو کرسیاں سونے چاندی کی رکھی جاتی تھیں جن پر آپ کے مخصوصین بیٹھتے تھے ان کے پیچھے اور لوگ کھڑے ہوتے تھے ان کے پیچھے جنات ہوتے تھے ان سب پر پرندے صف باندھ کر اپنے پروں کا سایہ کرتے تھے اور ان سب کو ہوا ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچاتی تھی۔ اس پر پہلے زمانہ کے لوگوں کو تعجب ہوتا تھا لیکن اب کہ ہوائی جہاز نکل آیا ہے جو بہت سے آدمیوں کو لے جاتا ہے یہ امر محل تعجب نہیں رہا۔

مولانا نے یہ حوالہ نہیں دیا کہ یہ کس تفسیر یا تاریخ سے نقل فرمایا ہے۔ شیشہ کے ایک ہزار عالیشان محل اور سونے چاندی کی چھ سو کرسیاں ایک نبی کی شان نبوت کے خلاف معلوم ہوتی ہیں۔ یہ معلوم نہ ہوا کہ ان شیشہ کے ایک ہزار محلوں میں کون لوگ رہتے تھے اور ان کے لئے یہ اہتمام کیوں کیا گیا تھا کہ قرآن میں تو صرف ایک ہی محل کا ذکر ہے جن کا فرش شیشہ کا تھا اور اس کے نیچے پانی بہتا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ قرآن میں انسان و جن و پرندوں کا ذکر ہے جو چوپاؤں کا نہیں۔ مولانا نے لشکر میں چوپائے بھی داخل کئے ہیں مسخر ہونا اور بات ہے اور لشکر جو ساتھ چلتا تھا وہ اور ہے۔

(۱۹۰) قیامت کا ایک دن ہزار برس کا ہوگا

پ ۱۷ الحج ع ۱۰۔ اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ

(بیشک (قیامت کا ایک دن) تمہارے پروردگار کے نزدیک تمہاری گنتی کے حساب سے ایک ہزار برس کے برابر ہے) اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر شخص کو ایک ہزار برس تک عرصہ قیامت میں کھڑے رہ کر اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ غور

کردیہ کیسا سخت دن ہوگا۔ سر پر آفتاب ہوگا اور زمین توّے کی طرح جلتی ہوگی اور ہر بُن لو سے پسینہ کی دھاریں نکلتی ہوں گی۔ نامۂ اعمال گلے میں پڑا ہوگا ہر ایک عمل کی جا ہے کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو جواب دہی کرنا ہوگی۔ خدا ہر بندہ مومن کو اس دن کی سختی سے بچائے جو لوگ صاحب ایمان ہوں گے اس کی رحمت ان کے سروں پر سایہ فگن ہوگی ؛

(۱۹۱) مکھّی خدا کی خاص صنعت ہے

پ ۱۷ الحج ع ۱۰ : ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَہٗ وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْہُ مِنْہُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۔

(اے کفار جن لوگوں کو تم پکارتے ہو وہ اگرچہ سب کے سب اس کام کے لئے جمع ہو جائیں تو بھی ایک مکھی پیدا نہیں کر سکتے اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے تو اس سے اس کو چھڑا نہیں سکتے (عجیب بات ہے) مانگنے والا (پجاری) اور جس سے مانگا جاتا ہے (بت) دونوں کمزور ہیں)

مروی ہے کہ خانہ کعبہ کے دروازہ کے سامنے تو یغوث نامی بت تھا اور داہنی جانب یعوق اور بائیں جانب نسر۔ جب کفار اندر جاتے تو پہلے یعوق کے سامنے سجدہ کرتے اس کے بعد اور بتوں کو سجدہ کرتے پھر تلبیہ (لبیک کہنا) کرتے اور بتوں پر مشک و عنبر مل دیتے تھے۔ یہ سب چیزیں مکھیاں چاٹ جاتی تھیں اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی جس میں کفار کی حماقت کا اظہار ہے ۔

مکھی بظاہر خدا کی ایک چھوٹی سی مخلوق ہے لیکن اس کی صنعت کاملہ اور قدرت بالغہ کا بہترین نمونہ ہے اس کے متعلق چند خصوصیات قابل ذکر ہیں ۔

(۱) یہ زیادہ تر اڑتی ہی رہتی ہے ایک جگہ قیام کرنا نہیں جانتی ۔

Marfat.com

(۲) یہ انسان کے جب چہرہ پر یا کسی حصہ بدن پر آکر بیٹھتی ہے تو بار بار اڑائے جاؤ مگر وہ وہیں آکر بیٹھتی ہے آدمی کی طاقت نہیں کہ اسے پکڑ سکے یا اپنے سے دور کر سکے اس لئے اسے مگس بے حیا کہا جاتا ہے۔ ایک بار متوکل عباسی کی ناک پر ایک مکھی بار بار آکر بیٹھتی تھی وہ بار بار اسے اڑاتا مگر وہ رکتی نہ تھی اس نے جھنجلا کر امام جعفر صادق سے پوچھا خدا نے اسے کیوں پیدا کیا ہے۔ فرمایا تاکہ بادشاہوں کے غرور و تکبر کی ناک رگڑے۔

(۳) اس کا شامہ اس قدر قوی ہوتا ہے کہ اپنی غذا کو دور سے سونگھ لیتی ہے اور اڑ کر وہیں پہنچ جاتی ہے۔

(۴) اس کی قوت ہاضمہ اس قدر قوی اور تیز ہے کہ جو غذا کھاتی ہے فوراً ہضم ہو جاتی ہے اس لئے وہ بار بار تلاش غذا میں اڑتی رہتی ہے۔

(۵) انسان کی یہ طاقت نہیں کہ کسی شے پر آنے سے اسے روک سکے یا اسے پکڑ سکے سوائے پنکھے وغیرہ یا کسی شیرہ جیسی چیز میں پھنس کر۔

(۶) اس کے منہ سے لعاب نکلتا ہے جو بہت زہریلا ہوتا ہے یہ اسے اپنے پروں پر مل لیتی ہے اس لئے اس چیز سے پرہیز کرنا چاہیئے جس میں مکھی گر جائے۔

(۷) اس کے بچے اس کے فضلہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

(۸) قدرت نے اس لئے پیدا کیا ہے کہ گندی چیزوں کا زہر چوس لے۔

(۹) کہتے ہیں اس کی زندگی ایک ہفتہ سے زیادہ نہیں ہوتی جو چیز اس کی غذا ہوتی ہے وہی زہر بن کر اس کی موت کا سبب بن جاتی ہے۔

---

(۱۹۲) خلقت انسانی کے چھ درجے

پ ۱۸ المومنون ع ۱ : وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ

Marfat.com

مَكِيْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۔

(ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا پھر ہم نے اسے محفوظ جگہ (رحم مادر) میں نطفہ بنا کر رکھا پھر ہم نے نطفہ کو جما ہوا خون بنایا پھر ہم نے جمے ہوئے خون کو گوشت کا لوتھڑا بنایا پھر ہم نے لوتھڑے کو ہڈیاں بنایا پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت چڑھایا پھر ہم نے اس میں روح ڈال کر ایک دوسری صورت میں پیدا کیا تو سبحان اللہ خدا بابرکت ہے جو سب بنانے والوں سے بہتر ہے)

اللہ تعالیٰ نے بے شمار مخلوق پیدا کی ہے لیکن کسی مخلوق کو پیدا کرنے کے بعد نہیں کہا ۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین سوائے انسان کے جو اشرف المخلوقات ہے اور جس کے متعلق امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے :-

" اے انسان کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ تو ایک چھوٹا سا جثہ ہے حالانکہ تیرے اندر ایک بہت بڑا عالم چھپا ہوا ہے کس کی طاقت ہے کہ اس کی قدرت کی کارگری کو سمجھ سکے یا اس کی تعریف کر سکے ۔ "

امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا :- اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَا یَبْلُغُ مِدْحَتَهُ الْقَائِلُوْنَ وَلَا یُحْصِیْ نَعْمَاءَهُ الْعَادُّوْنَ وَلَا یُؤَدِّیْ حَقَّهُ الْمُجْتَهِدُوْنَ ۔

(حمد ہے اس خدا کے لئے جس کی تعریف کو بیان کرنے والے نہیں پہنچتے اور جس کی نعمتوں کو شمار کرنے والے شمار نہیں کر سکتے اور کوشش کرنے والے اس کے حق کو ادا نہیں کر سکتے)

اس کی قدرت نے پہلے مٹی کا جوہر نکالا پھر انسانی خون سے نطفہ بنایا پھر اس جوہر کو اس میں چھپایا پھر اس نطفہ کو رحم مادر میں جگہ دی اور اس شان سے جگہ دی کہ انسانی طاقت سے باہر ہے کہ اپنے نطفہ کو اپنی بی بی کے رحم میں جگہ دے سکے ۔ یہ پہلی منزل تھی ۔

Marfat.com

(۲) ۴۰ دن کے بعد اس نطفہ نے جو منی کی صورت میں سفیدی مائل تھا رفتہ رفتہ علقہ یعنی جمے ہوئے خون کی صورت اختیار کی (۳) ۴۰ دن کے بعد وہ گوشت کا لوتھڑا بن گیا اب اس میں رگیں اور نسیں پیدا ہوگئیں (۴) اب اس کی قدرت نے اس میں ہڈیاں پیدا کیں (۵) پھر ان ہڈیوں پر گوشت لپیٹا اور ایک جسم انسانی کی صورت بنائی (۶) جب جسم تیار ہوگیا تو اس میں جان ڈال کر بشکل انسان ماں کے پیٹ سے نکالا ذرا غور کرو ابتدا کیا تھی انتہا پر پہنچ کر کیا سے کیا ہوگیا۔ سعدی نے کہا ہے۔

دہد نطفہ را صورتے چوں پری ۔۔۔ کہ کردست بر آب صورت گری

اس کی قدرت کاملہ کو دیکھو کہ جسم خاکی کے اندر ایک عالم اکبر کو سمو دیا کیسی کیسی قوتیں کیسی کیسی صلاحیتیں کیسے کیسے ارادے کیسے کیسے عزم اس کے اندر ودیعت فرمائے کس کی زبان میں طاقت ہے کہ ان میں سے کسی ایک چیز کی تعریف کر سکے۔ عمر ختم ہوجائے گی مگر حق تعریف ادا نہ ہوگا۔

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر ۔۔۔ ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

(۱۹۳) برزخ

پ ۱۸ المومنون ع ۶ ۔ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۔

(اور ان کے مرنے کے بعد عالم برزخ ہے جہاں اس دن تک کہ قبروں سے اٹھائے جائینگے رہنا ہوگا) انسان مرنے کے بعد فنا نہیں ہوجاتا بلکہ اس کا جسم مادی تو یہاں رہ جاتا ہے اور نفس اور روح عالم برزخ کی طرف چلے جاتے ہیں جہاں قیامت تک ان کو رہنا ہوگا۔ برزخ کہاں ہے یہ امر الٰہی میں ہے وہ بھی اس دنیا جیسی دنیا ہے لیکن وہاں کے اجسام خاکی نہیں بلکہ برزخی مادہ سے بنے ہوئے ہیں برزخی جسم ہمارا ہی سا جسم ہے لیکن وہ ایک مثالی اور لطیف جسم ہوتا ہے۔

Marfat.com

آدمی تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے جسم ۔ نفس ۔ روح جسم عناصری مادہ سے بنا ہوا ہوتا
مرنے کے بعد یہیں رہ جاتا ہے نفس برزخی مادہ کا ہوتا ہے جس کی شکل نیز بھی بالعموم جسم مادی
کی سی ہوتی ہے ۔ روح صاحب اعضاو جوارح نہیں اس کی حالت جسم نفسی سے جداگانہ ہے
انسان کو تین ہی عالم سے گزرنا ہے اول یہ کہ مادی دنیا دوسرے برزخی دنیا تیسرے عالم
حیات محضہ جہاں انسان ہمیشہ رہے گا ۔

ان تینوں جسموں کی غذائیں بھی جدا ہیں امراض بھی جدا ہیں اوران کے علاج بھی جدا ہیں
بدن مادی کی غذا وہ چیزیں ہیں جو زمین سے اگتی ہیں ۔ یہ کھانے کے بعد چار چیزیں بنتی ہیں ۔
سودا ۔ صفراء ۔ خون ۔ بلغم ۔ جب نفس کو تقویٰ کی غذا دی جاتی ہے تو چار چیزیں بنتی ہیں ۔
حکمت ۔ عفت ۔ عدالت ، شجاعت اور جب روح کو معرفت کی غذا دی جاتی ہے تو چار
چیزیں بنتی ہیں ۔ یقین ۔ وجدان ۔ جذب اور فنا ۔ خواب میں ہم جس چیز کو دیکھتے ہیں وہ برزخی
جسم ہوتا ہے ۔ عالم برزخ میں لوگ اس جسم مثالی یا برزخی کے ساتھ لوگوں سے ملتے جلتے ہیں
وہاں کچھ لوگ آرام سے رہتے ہیں اور کچھ لوگ تکلیف سے بسر کرتے ہیں کچھ آزاد
رہتے ہیں کچھ مقید ؎

---

(۱۹۴) پردہ

۱۸ النور ع ۴ ۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ
اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ
اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ
بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ
اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ
اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ

لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَاءِ وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْا اِلَی اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔

(اے رسول ایمان والوں سے کہہ دو کہ اپنی نظروں کو نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں یہی ان کے لئے زیادہ صفائی کی بات ہے اور جو کچھ یہ لوگ کرتے ہیں خدا اس سے خوب واقف ہے اور مومنات سے کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنے بناؤ سنگھار کے مقاموں کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں مگر جو خود بخود ظاہر ہو جاتے ہیں (چھپ نہ سکتے ہوں) اس کا گناہ نہیں اور اپنی اوڑھنیوں کو (گھونگٹ مار کے) اپنے گریبانوں (سینوں) پر ڈالے رہیں اور اپنے بناؤ سنگھار کو کسی پر ظاہر نہ کریں سوائے اپنے شوہروں، باپوں یا اپنے شوہر کے باپ یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے یا اپنے بھائیوں یا بھتیجوں یا بھانجوں یا اپنی قسم کی عورتوں یا اپنی لونڈیوں (گھر کے) وہ نوکر چاکر جو مرد صورت ہیں مگر بوڑھے ہونے کی وجہ سے عورتوں سے کچھ مطلب نہیں رکھتے یا وہ کم سن لڑکے جو عورتوں کے پردہ کی بات سے آگاہ نہیں ان کے سوا کسی اور پر اپنے بناؤ سنگھار کو ظاہر ہونے دیا کریں اور اپنے پیر زمین پر اس طرح نہ رکھیں کہ لوگوں کو ان کے پوشیدہ بناؤ سنگھار (جھنکار وغیرہ) کی خبر ہو جائے اے ایمان والو تم سب اللہ سے توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ)

مغربی تہذیب کے سایہ میں پرورش پانے والے مردوں اور عورتوں کے سامنے اب پردہ کرنا ایک ناقابل معافی جرم بنے یا اپنے دقیانوسی پن پر ہنسوانا ہے۔ مولوی ملا کچھ کہتے رہیں ان کے کان پر جوں نہیں رینگتی۔ ع طوطی کی کون سنتا ہے نقار خانہ میں۔

اسلامی حکومت اگر کسی تحریک کی معاون بن جائے تو پھر کس کی طاقت کہ اسے روک سکے۔ بہرحال ہمارا فرض ہے کہ آیات قرآنیہ میں جو کچھ کہا گیا اسے وضاحت کے ساتھ نمبر وار یہاں کر دیں کوئی عمل کرے یا نہ کرے ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہے۔

(۱) مردوں کو یہ حکم ہے کہ اپنی آنکھیں نیچی کر کے چلیں تاکہ کسی اجنبی یا نامحرم عورت کے چہرہ پر ان

نظر نہ پڑے۔ دنیا جانتی ہے کہ زن و مرد کی نگاہ میں کیسے سخت فتنہ کا زہر گھلا ہوا ہے نگاہوں
لڑ نا ہی تو قیامت برپا کر دیتا ہے اس لیے بطور حفظ ماتقدم کہا گیا ہے کہ نہ آنکھ لڑے گی
دل کی دنیا میں انقلاب آئے گا۔ شرمگاہوں کی حفاظت کا یہ نہایت ہی مناسب بندوبست ہے۔
(۲) جو مومنوں سے کہا جا رہا ہے وہی مومنات سے بھی ہے کہ وہ بھی اپنی آنکھیں جھکا کر چلیں
نا محرموں سے آنکھیں نہ لڑائیں ان کی شرمگاہ کی حفاظت اور عصمت کے برقرار رہنے کا یہ
رین طریقہ ہے کیا اس زمانہ کی خواتین اس پر عامل ہیں آزادانہ رفتار جو اس زمانہ میں پائی جاتی
سب کی نظر کے سامنے ہے اغوا کے واقعات جو آئے دن سنتے ہیں وہ اسی ہی جادو کے
ات ہیں اب کوئی مرد کسی عورت کا نا محرم نہیں۔
(۳) اپنی زینت کو جہاں تک ممکن ہو چھپائیں ہاں جس کا چھپانا ممکن ہی نہ ہو جیسے پائجامہ کے
نچوں کی گوٹ یا جوتے کی سجاوٹ یا چادر کے کنارے تو مجبوری ہے اس کو چھپانے کی
رورت نہیں۔ کیا مسلمان عورتوں کا اس پر عمل ہے۔ توبہ توبہ اب تو قصداً پارٹیوں، شادیوں
تقریبوں میں جانے کے لیے عورتیں اپنے کو خاص طور سے اس لیے سجاتی ہیں کہ نامحرم مرد
ایں دیکھ کر مسحور ہو جائیں اور ان کے دلوں میں گدگدیاں پیدا ہوں کیا یہ حکم الٰہی کی کھلی خلاف ورزی نہیں
(۴) حکم ہے کہ اپنی اوڑھنی سر پر ڈالے رہیں اور گھونگٹ نکالے رہیں تاکہ نامحرم صورت نہ دیکھ پائے
اس حکم کو کون کان لگا کر سنتا ہے۔ اب تو اوڑھنی مفلر بن کر سینہ پر کراس کرتی ہوئی چلی جاتی ہے
ن کا کوئی مقصد سمجھ میں نہیں آیا۔ دوپٹہ چھاتیوں کے چھپانے کے لیے ہوتا ہے لیکن اس مفلرنما
دوپٹہ سے یہ مقصد پورا نہیں ہوتا۔ اب چہروں کے چھپانے کا کیا ذکر اب تو ساڑھی والے بلاوز
ن کر پیٹ اور پیٹھ دونوں کی نمائش کرا دی جاتی ہے یہ تہذیب کا اعلیٰ نمونہ سمجھا جاتا ہے
س کی طاقت ہے کہ اس نیم عریانی سے روک سکے۔
(۵) اللہ تعالیٰ چند قسم کے مردوں کو جن کے رشتے آیت میں آئے ہیں عورت کے لیے
رم قرار دیا ہے۔ عورتوں کو صرف انہی سے اپنی زینت نہ چھپانے کا حکم ہے لیکن انقلاب زمانہ

Marfat.com

نے تو سب ہی کو مجرم بنا دیا ہے۔ پس اللہ ہم پر رحم کرے۔

(۶) اگر عورت کے پیر میں زیور ہو تو آہستہ پیر زمین پر رکھے تاکہ اس کی جھنکار نامحرم کان تک نہ پہنچے۔ یہ سب پیش بندیاں صرف اس لئے ہیں کہ بدکاری کا رواج امت رسو[...] نہ ہو۔ اس احتیاط کو ترک کر کے جو نتائج سامنے آرہے ہیں اور لو میرج E MARRIAGE کا جو سسٹم چل پڑا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی داغ بیل انہی احتیاطوں کے [...] سے پڑتی ہے۔

(۷) اگر سوسائٹی کے اخلاق پر بھروسہ کر کے یہ آزادی دی جاتی ہے تو یہ اعتماد مالی معاملا[ت] کیوں نہیں ہوتا۔ ہمیں تو کوئی ایک شخص بھی اس دنیا میں ایسا نظر نہیں آتا جو اپنا مال اپنے گھر کھلا ہوا رکھ دے۔ نوٹوں کی گڈیاں اور زیورات میز پر ڈال دے اس خیال سے کہ ا[...] رشتہ داروں اور آنے جانے والوں کے اخلاق پر پورا بھروسہ ہے۔ افسوس ہے کہ مال جو[...] ہو کر دوبارہ پھر جمع ہو سکتا ہے اور چور کے پکڑے جانے پر مل سکتا ہے اس کے متعلق تو کسی پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن عصمت جو لٹ کر اور آبرو جا کر کبھی واپس نہیں آ[...] ہر شخص پر بھروسہ کر لیا جاتا ہے اور آپس میں ملنے جلنے سے کسی خطرہ کا خیال بھی د[...] نہیں آتا کیسی عجیب بات ہے۔

گھر میں دروازہ اسی لئے تو لگایا جاتا ہے کہ بد باطن لوگوں چوروں اور اچکوں کی دا[...] درازی سے محفوظ رہیں اگر سب پر اعتماد ہے تو پھر دروازہ کی ضرورت ہی کیا ہے اگر دروا[زہ] کے ہوتے ہوئے بھی چوری کا امکان ہے مگر کم۔ ہاں اگر دروازہ کھلا رہے یا دروا[زہ] لگایا ہی نہ جائے تو ہر عقلمند آدمی صاحب مکان کی بے عقلی پر افسوس کرے گا اور اگر یہاں چوری ہو گی تو ہر شخص یہی کہے گا۔ "کردنی خویش آمدنی پیش"

مختصراً جو کچھ لکھا گیا اس امید پر نہیں کہ اس زمانہ کے آزاد خیال مرد و عورت [...] گے بلکہ صرف اس خیال سے کہ احکام الٰہیہ کا ذکر کر کے اپنا فرض ادا کر دیں۔ ہم یہ سمجھتے ہیں

آزادی کی آگ جو ہر گھر میں لگی ہوئی ہے اب مواعظ و نصائح کی چھینٹوں سے بجھنے والی نہیں اب تو جب زمانہ خود ہی سمجھائے گا تب سمجھیں گے اللہ و رسول کے کہنے سے تو سمجھنے والے نہیں۔

(۱۹۵) نکاح کرنا حکم خدا و سنت رسول ہے

النور ع ۲، وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔

(اپنی قوم کی) بے شوہر عورتوں اور نیک بخت غلاموں اور لونڈیوں کا بھی نکاح کرو اگر وہ محتاج ہوں گے تو خدا اپنے فضل و کرم سے مالدار بنا دے گا اور اللہ بڑی گنجائش والا دانشمند کار ہے)

نکاح پر اس لئے زور دیا گیا ہے تاکہ پوشیدہ طور پر زنا کاری سے مرد و عورت محفوظ رہیں۔ قوت شہوی کا بھوت جب کسی جوان کے سر پر سوار ہوتا ہے تو اگر بن بیاہا ہے تو ناجائز طریقوں سے وہ اپنی خواہش کو پورا کرنا چاہتا ہے اور اس طرح زانی اور زانیہ دونوں حکم الہی کی خلاف ورزی کر کے گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں اور جو اولاد اس طریقہ سے پیدا ہوتی ہے وہ حرامی قرار پاتی ہے اور اس دولت سے محروم ہو جاتی ہے جو صحیح النسب ہونے کی حالت میں اس کو اپنے باپ کے ترکہ سے ملتی۔ اور عورت بھی اس ترکہ سے محروم ہو جاتی ہے جو صحیح شوہر کے مرنے کے بعد ملتا۔

اگر زن و مرد کے تعلقات کی وابستگی شرعی طریقہ سے ہو۔ نکاح یا متعہ سے تو ان کا معاشرہ بیشمار نقصانات سے محفوظ رہتا ہے اور امور خانہ داری میں اطمینان بخش صورت پیدا ہو جاتی ہے زن و مرد اور ان کی اولاد اپنے گھر میں سکون و اطمینان سے اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ بدنصیبی سے ہم مسلمانوں میں یہ تعلقات احکام شرع کی خلاف ورزی کر کے

Marfat.com

نہایت بے شرمی و بیباکی سے قائم کئے جارہے ہیں جو ہمارے اسلامی معاشرے میں گندگی پھیلا رہے ہیں اوران کے مضر جراثیم نئی نسلوں کے لئے زہر ثابت ہو رہے ہیں۔

(۱) مثلاً فاحشہ عورتوں کو گھر میں ڈال لینا یا فاحشہ عورتوں کے اڈے قائم کرنا۔ یا غیر مسلم اقوام کی عورتوں سے بصورت معاشقہ ازدواجی تعلقات پیدا کرنا اور پھر ان کی معاشرتی بے احتیاطیوں سے مردوں کا اکتا جانا اور بعد میں سر پکڑ کے رونا اور گلو خلاصی کی کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آنا۔

(۲) اپنی ہم مذہب اور ہم قوم لڑکیوں کو نظر انداز کر کے دوسری قوم کے سفید چمڑے اور آزادانہ اڑان پر فریفتہ ہو جانا ان پر ایک نہ ایک دن عذاب لائے بغیر نہیں رہتا۔

(۳) نکاح میں بڑے بڑے وزنی مہروں پر ناحق کا راضی ہو جانا اور پھر کبھی بھول کر بھی اس فرض کے ادا کرنے کا قصد نہ کرنا بلکہ ایک رسمی بات سمجھ کر منظور کر لینا شرع محمدی کا گویا مذاق اڑانا ہے۔

(۴) چند سال جوانی کے مزہ لے کر عورت کو طلاق دیدینا اور اس کا مہر ادا نہ کرنا کھلا ہوا ظلم ہے جس کی پرسش روز حشر ہونا ضروری ہے رسول اللہ نے فرمایا ہے:۔ اَبْغَضُ الْاَشْیَاءِ عِنْدِی الطَّلَاقِ۔ (میرے نزدیک سب سے بری چیز طلاق ہے) کسی عورت کو صرف اس بنا پر طلاق دینا کہ وہ اپنی جوانی کا جوبن کھو بیٹھی ہے اور مرد اپنی ہوس کا شکار کسی دوسری جوان عورت کو بنانا چاہتا ہے اور اپنی بی بی کی زندگی کو تباہ کرنے پر تلا ہوا ہے اس کا سارا مظلمہ مرد کی گردن پر ہوگا اگرچہ طلاق کی اجازت دی گئی ہے مگر نہ اس بھونڈے طریقے سے جو انسانیت کے لئے بد نما ہے۔

(۵) شادی کرنے کے بعد عورت کے حقوق کا لحاظ نہ رکھنا یا عورت کا مرد کے حقوق بجا نہ لانا اور اس کی نافرمانی پر کمر باندھنا فریقین کے اوپر انسانی ظلم ہے۔ دونوں کو ایک دوسرے کے حقوق کی نگہداشت کرنا انسانی فریضہ ہے جس کا ترک اسلام کے دامن پر دھبہ ہے کیونکہ ایسا نہ کرنے والے درجہ انسانیت سے گر جاتے ہیں اور معاشرہ میں ایک نہایت مذموم مثال پیش کرتے ہیں۔

(۶) نکاح سے اسلام کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ نسل بڑھے اور دنیا میں مسلمانوں کی کثرت

ہو۔ جیسا کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے:۔ تناکحوا وتناسلوا تکثروا فانی اُباھی بکم الامم یوم القیامۃ ولو بالسقط۔ (نکاح کرو اپنی نسل بڑھاؤ کثرت میں ہو جاؤ میں روز قیامت ایک ساقط شدہ بچہ پر بھی فخر کروں گا) حضرت رسول خدا کا یہ بڑا حکیمانہ ارشاد ہے کیونکہ ہر قوم اپنی اکثریت کی بنا پر ہر زمانہ میں اپنی برتری کا جھنڈا بلند کرتی رہی ہے اور اقلیت پر اس کی حکومت قائم رہی ہے پس رسول چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کی کثرت ہو تاکہ وہ کسی قوم سے مغلوب نہ ہوں۔

لیکن انتہائی بدبختی ہے کہ مسلمان نسل کی روک تھام کے لئے ایسے منصوبے بنا رہے ہیں جن سے توالد و تناسل کا سلسلہ ہی ختم ہو جائے اور اس کی ضرورت یوں ظاہر کی جا رہی ہے کہ رزق کم ہے تعداد بڑھ جانے سے ان کے کھانے کے لئے کہاں سے لایا جائے لیکن یہ خدا کے اس قول کو سراسر نظر انداز کر دیتا ہے۔ وَمَا مِنْ دَابَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا۔ (کوئی زمین پر چلنے والا ایسا نہیں جس کا رزق اللہ پر نہ ہو) وہ تو ہر جاندار کے پیدا ہونے سے پہلے اس کے رزق کا بندوبست کرتا ہے) لیکن اس کا کیا علاج ہے کہ کاشت کاری کو فروغ نہ دیا جائے اور زراعت پیشہ لوگوں کو صناع بنایا جائے یا جو غلہ ملک میں پیدا ہو وہ مشینری خریدنے کے لئے دوسرے ملکوں کو بھیج دیا جائے۔ گرانی کی یہی دو وجوہ ہوتی ہیں۔

(۱۹۶) خدا کے نور کی مثل

پ۱۸ النور ع ۵ - اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ یَّکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ نُوْرٌ

Marfat.com

عَلٰی نُورٍ یَھْدِی اللّٰہُ لِنُورِہٖ مَنْ یَّشَآءُ وَیَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ٭ فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْھَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ رِجَالٌ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوۃِ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْہِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ لِیَجْزِیَھُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَیَزِیْدَھُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ وَاللّٰہُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۔

(اللہ تمام آسمان و زمین کا روشن کرنے والا ہے اس کے نور کی مثل ایسی ہے جیسے ایک طاق (سینہ رسول) ہو جس میں ایک روشن چراغ (علم نبوت) ہو اور وہ چراغ ایک شیشہ میں ہو اور شیشہ اپنی چمک میں روشن ستارہ کی مانند ہو اور وہ چراغ زیتون کے مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا جائے جو نہ تو رب کی طرف ہو نہ پچھم کی طرف (بیچوں بیچ میدان میں) اس کا تیل ایسا شفاف ہو کہ اگرچہ آگ اسے چھوئے بھی نہیں تاہم ایسا معلوم ہو کہ آپ ہی آپ روشن ہو جائے گا (غرض ایک نور نہیں بلکہ) نور علیٰ نور ہے (نور پر نور کی جوت پڑ رہی ہے) خدا اپنے نور کی طرف جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے خدا لوگوں کو سمجھانے کے لئے ایسی مثالیں بیان کیا کرتا ہے اور خدا تو ہر چیز سے خوب واقف ہے یہ قندیل ان گھروں میں روشن ہے جن کی نسبت خدا نے حکم دیا ہے کہ ان کی تعظیم کی جائے اور ان میں اس کا نام لیا جائے ۔ صبح و شام وہ لوگ ان کی تسبیح کیا کرتے ہیں یہ ایسے لوگ ہیں جن کو خدا کا ذکر کرنے اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے نہ تو تجارت ہی غافل کر سکتی ہے نہ خرید و فروخت وہ لوگ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں خوف کے مارے دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی (اس لئے خدا کی عبادت کرتے ہیں) تاکہ خدا انہیں ان کے اعمال کا بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمائے اور اپنے فضل و کرم سے کچھ اور زیادہ بھی دے اور خدا تو جسے چاہے بے حساب رزق دیتا ہے ۔)

مذکورہ بالا آیات بہت غور طلب ہیں مفسّرین نے ان کا مفہوم بیان کرنے میں بہت سی کروٹیں بدلی ہیں لیکن اصلی مفہوم ان کے پلے نہیں پڑا۔

یہ تمام آیات اہلبیت علیہم السلام کے بہترین فضائل کے بیان میں ہیں جن کو مختصراً سپرد قلم کیا جاتا ہے۔

(۱) اللہ آسمان و زمین کا نور نہیں کیونکہ وہ مکان و مکانیات سے مبرا ہے اس لئے اس کے معنی ہوں گے: منوّر السموات والارض (یعنی آسمان و زمین کا روشن کرنیوالا ہے)

(۲) مَثَل کہا ہے مثل نہیں کہا کیونکہ لیس کمثلہ شئی (اس کی مثل کوئی شے نہیں) مثل میں شرکت فی الذات ہوتی ہے اور مَثَل میں فی الصفات۔ چنانچہ اس نے خود فرمایا ہے: لَہُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (اس کے لئے مثل اعلیٰ ہے) یعنی کچھ لوگ ایسے ہیں جو مظہر صفات باری تعالیٰ ہیں یعنی ان میں صفات باری تعالیٰ کی جھلک ہے۔

(۳) مشکوٰۃ سے مراد سینہ مبارک رسول ہے اور بعض نے قلب اقدس مراد لیا ہے۔

(۴) مصباح سے مراد نور نبوّت ہے جو قلب اقدس کے اندر روشن ہے۔

(۵) یہ چراغ ایک شیشہ کے اندر ہے شیشہ اس لئے لگایا جاتا ہے کہ چراغ کی ہوا سے حفاظت کرے پس نبی اور نبوّت کی حفاظت کرنے والا علی علیہ السلام سے زیادہ کون ہوگا پس شیشہ سے وہی مراد ہیں۔

(۶) اور شیشہ ایسا چمکدار ہے جیسے روشن ستارہ یعنی بے داغ دھبہ والا معصوم جن کے دامن پر گناہ کا چھوٹا یا بڑا داغ نہیں ہے۔

(۷) اس چراغ میں جو تیل ہے وہ زیتون کے مبارک درخت کا ہے جو سب سے زیادہ شفاف ہوتا ہے اس سے مراد نبوت ابراہیمی ہے جو شجرۃ الانبیاء کہلاتے ہیں یعنی نبی و علی نسل ابراہیم سے ہیں

(۸) یہ درخت نہ مشرقی ہے نہ مغربی یعنی ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ خالص مسلمان بندے تھے

(۹) اس چراغ کی روشنی کرنے کا تعلق آگ سے نہیں وہ تو نورانی بندے ہیں خود اپنی ذات میں روشنی

لئے ہوئے ہیں یعنی بالواسطہ مسلمان نہیں بلکہ حضرت ابراہیم کی طرح بلاواسطہ مسلمان ہیں۔

(۱۰) روشنی کا یہ عالم ہے کہ نور پر نور چڑھا ہوا معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس چراغ کی حفاظت کرنے والے بارہ شیشے ہیں۔ شیشہ چراغ کی روشنی کو دوبالا کر دیتا ہے پس جس چراغ کے بارہ تابندہ شیشے ہوں اس کی روشنی دامن قیامت تک کیوں نہ پہنچے گی۔

(۱۱) یہ چراغ ایسے گھروں میں روشن ہیں یعنی نبوت و امامت ان گھروں میں ہے جن کا مرتبہ خدا نے بلند کیا ہے اور ان میں خدا کے نام کی تسبیح بکثرت ہوتی ہے۔ سوائے اہل بیت علیہم السلام کوئی گھر ایسا نہ ملے گا جس میں شب و روز تسبیح الٰہی ہوا کرتی ہو۔

(۱۲) اب اس مثال کی وضاحت یوں کی جاتی ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جن کو ذکر خدا کرنے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ تجارتی کاروبار روک سکتے ہیں نہ دنیوی کام کاج۔ رسول کے بعض اصحاب ایسے لوگ بھی تھے کہ جب نماز پڑھتے ہوتے اور رکوع میں جاتے اور تاجروں کی آمد کا نقارہ بجتا تو نماز کو چھوڑ بھاگ جاتے تھے تاکہ سودا چکائیں۔ سورہ جمعہ میں ہے:۔ اِذَا رَاَوْ تِجَارَۃً اَوْ لَھْوَا انْفَضُّوْا اِلَیْھَا وَتَرَکُوْکَ قَآئِمًا جب تاجروں کی آمد کی خبر سنتے یا کوئی کھیل تماشہ ہوتا تو اے رسول نماز میں تمہیں اکیلا چھوڑ کر اس کی طرف بھاگ کھڑے ہوتے۔

(۱۹۷) لا شے کیا ہے

پ۱۸ النور ع ۵:۔ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَعْمَالُھُمْ کَسَرَابٍ بِقِیْعَۃٍ یَّحْسَبُہُ الظَّمْاٰنُ مَآءً حَتّٰٓی اِذَا جَآءَہٗ لَمْ یَجِدْہُ شَیْئًا۔

(کافروں کی مثال ایسی ہے جیسے چٹیل میدان کا چمکتا ہوا ریت جسے پیاسا پانی خیال کرتا ہے لیکن جب اس کے پاس جاتا ہے تو لا شے پاتا ہے)

جب معاویہ نے امیر المومنین علیہ السلام سے بغاوت کر کے اپنے کو خود مختار خلیفہ بنا لیا تو بادشاہ روم کو لکھا کہ جو خراج آپ مدینہ بھیجا کرتے تھے وہ اب دمشق بھیجے کیونکہ آنحضرت کا جانشین

خلیفہ میں ہوں ۔ ایسا ہی ایک خط کوفہ سے امیر المومنین علیہ السلام نے لکھا کہ اب خراج کوفہ بھیجو ۔ بادشاہ روم حیران ہوا کہ کہاں بھیجے اپنے وزیر سے مشورہ کیا اس نے کہا کوئی علمی مسئلہ لکھ کر دمشق کے خلیفہ کے پاس بھیجو اور قرآن سے اس کا جواب مانگو ۔ اگر صحیح جواب دیدے تو سمجھو کہ رسول اللہ کا جانشین ہے چنانچہ وزیر نے بتایا کہ یہ دریافت کیجئے کہ "لاشئے" کیا ہے ۔ بادشاہ روم کا قاصد جب دمشق پہنچا اور یہ سوال سامنے رکھا تو امیر صاحب چکرا گئے وہاں علمی روشنی دل و دماغ میں اتنی کہاں تھی کہ یہ مسئلہ حل کرتے اپنے وزیر عمرو عاص سے کہنے لگے بتاؤ اب کیا ہو ۔ وزیر صاحب بڑے چالاک تھے کہنے لگے آج کل جنگ صفین کے لیے علی کو گھوڑوں کی تلاش ہے آپ اپنے اصطبل کا ایک اچھا قیمتی گھوڑا کسی کے ساتھ عراق بھیجئے علی گھوڑے کو دیکھ کر پوچھیں گے ۔ کیا اسے فروخت کرنا ہے وہ کہہ دے جی ہاں ۔ جب اس سے قیمت پوچھیں تو کہہ دے لاشئے ۔ بس جو جواب وہ دیں وہی لکھ کر بادشاہ روم کے پاس بھیج دیجئے ۔ روم کے قاصد کو اپنا قاصد واپس آنے تک روکے رہتے ، بادشاہ کو یہ ہدایت بہت پسند آئی اور اسی وقت گھوڑا روانہ کر دیا گیا ۔ جب قاصد کوفہ پہنچا تو امیر المومنین مع امام حسن نماز ظہر کے لئے جا رہے تھے کہ یہ گھوڑا نظر پڑا آپ نے امام حسن سے فرمایا اس سے پوچھو کیا یہ گھوڑا فروخت کرتا ہے امام حسن نے اس کے قریب جاکر پوچھا امام حسن نے اس کے قریب جاکر پوچھا ۔ اس نے کہا پہلے یہ بتائیے آپ کا نام کیا ہے فرمایا حسن ۔ اس نے کہا میں آپ کے ہاتھ فروخت نہیں کر سکتا میں تو صرف حضرت علی کے ہاتھ فروخت کروں گا ۔ امام حسن نے اس کا یہ قول حضرت علی علیہ السلام سے نقل کیا ۔ آپ مسکرائے اور اس کے پاس جاکر کہا میں علی ہوں اس نے کہا کیا آپ خرید نا چاہتے ہیں فرمایا ہاں ۔ بتا قیمت کیا ہے اس نے کہا " لاشئے " فرمایا سوچ سمجھ کر بتا اس نے کہا یہاں سے دمشق تک سوچی ہوئی بات ہے میں لاشئے سے کم ایک کوڑی نہ لوں گا ۔ آپ نے امام حسن سے فرمایا اس کے دامن میں ایک مٹھی ریت ڈال دو اور گھوڑے کی باگ اس کے ہاتھ سے لے لو اس نے کہا کیا خوب ۔ آپ یہ کیا دے رہے ہیں ایسا ڈیل ڈول کا شاندار گھوڑا اور اس کی قیمت ایک مٹھی ریت

Marfat.com

فرمایا جس نے تجھے بھیجا ہے اس سے کہنا ور لاتے "یہی ہے اس نے کہا قرآن سے ثبوت دیجیے آپ نے مذکورہ بالا آیت لکھ کر اسے دے دی۔ جب وہ دمشق پہنچا تو ان نے امیر صاحب کے سامنے اپنا دامن جھاڑ دیا انہوں نے غصہ ہو کر کہا تیرے منہ پر خاک یہ کیا گستاخی ہے۔ وہ بولا حضور میں کیا کروں انہوں نے یہی چیز دی ہے اور ثبوت میں یہ آیت لکھ دی ہے۔

عمر وعاص نے کہا بس یہی چیز ہمیں چاہیئے تھی۔ روم کے قاصد کو بلا کر کہا۔ جواب تو ہم اسی وقت دیدیتے لیکن تاخیر اس لیئے کی کہ تم دمشق کی خوب سیر کر لو۔ یہ خاک لے جاؤ اور یہ آیت سنا دینا۔ جب قاصد روم پہنچا تو بادشاہ نے کہا تو نے اتنی دیر کیوں لگائی اس نے کہا حضور یہ جواب عراق سے اونٹ پر لد کر آیا ہے وزیر نے کہا معلوم ہو گیا کہ یہ جواب علی کا بتایا ہوا ہے لہٰذا خراج کی بجائے دمشق علی کے پاس جانا چاہیئے۔ ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

(۱۹۸) ہر شے تسبیح خدا کرتی ہے

پ۱۸ النور ع ۱۶۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ۔

(کیا تو نے اتنا بھی نہیں دیکھا کہ جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں ہے اور پرندے پر پھیلائے ہوئے (یہ سب) اس کی تسبیح کیا کرتے ہیں سب کے سب اپنی نماز اور اپنی تسبیح کا طریقہ خوب جانتے ہیں اور جو کچھ یہ کیا کرتے ہیں خدا اس سے خوب واقف ہے)

خدا کی تمام مخلوق سماوی ہو یا ارضی خدا کی حمد کی تسبیح کرنا جانتی ہے اور نماز بھی پڑھتے ہیں ہر ایک کی زبان جداگانہ ہے جس کو ہم سمجھ نہیں سکتے ان کی نماز بھی ہم سے الگ ہے کیونکہ وہ ہماری طرح کسی شریعت کے تحت نماز نہیں پڑھتے۔ فرشتے بھی رکوع و سجود کرتے ہیں ان کی عبادات

Marfat.com

کا طریقہ اور ہے۔ چرندوں، پرندوں اور درندوں کی عبادت کا طریقہ اور ہے غرض یہ ہے کہ سب اپنے خالق کو پہچانتے ہیں اور اس کی تسبیح کرتے ہیں۔ نماز کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہوں بالہام ربانی جو طریقہ ان کو بتایا گیا ہے وہ اس کے پابند ہیں۔

اس آیت میں قابل غور بات یہ ہے کہ پرندوں کا ذکر علیحدہ کیوں کیا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ بہت سے پرندے ایسے ہیں کہ ان کی آواز سے صاف ذکر خدا کا پتہ چلتا ہے مثلاً تیتر کی آواز ہے سبحان ربی کبوتر کہتا ہے یا غفور۔ طوطے کو سکھایا جاتا ہے تو وہ صاف وہی الفاظ ادا کرنے لگتا ہے اسی طرح مینا ہے وغیرہ وغیرہ۔

(۱۹۹) ہر شے کی خلقت پانی سے ہے

پ۱۸ النور ع ۲۔ وَاللّٰہُ خَلَقَ کُلَّ دَآبَّۃٍ مِّنْ مَّآءٍ فَمِنْھُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی بَطْنِہٖ وَمِنْھُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی رِجْلَیْنِ وَمِنْھُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰٓی اَرْبَعٍ یَخْلُقُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

(خدا ہی نے تمام روئے زمین پر چلنے والے جانداروں کو پانی سے پیدا کیا ہے ان میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں اور بعض دو قدموں پر چلتے ہیں اور بعض ان میں چار قدموں پر چلتے ہیں خدا جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے وہ ہر شے پر قادر ہے)

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ پانی سے پیدا کرنے کا کیا مطلب ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ اس سے مراد نطفہ ہے لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ بہت سے جانور ایسے ہیں جو بغیر ماں باپ کے مٹی سے پیدا ہوتے ہیں جیسے کیڑے مکوڑے۔ بعض نے لکھا ہے کہ اس سے مراد تمام ارضی مخلوق ہے کیونکہ بغیر پانی کے نباتات ارضی سے کوئی چیز پیدا نہیں ہو سکتی نہ حشرات الارض سے کوئی چیز پیدا ہو سکتی ہے نہ کوئی دانہ روئیدہ ہو سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام عالم ارضی کی بقا ہی پانی سے ہے۔ امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنے ایک خطبہ میں اسی کا اظہار کیا ہے خواہ

Marfat.com

کوئی جانور نطفہ سے پیدا ہو یا بغیر نطفہ سے اگر پانی نہ ہو تو کوئی چیز پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔ کیسے پیدا کرتا ہے اس کو بس وہی جانتا ہے۔

(۲۰۰) اللہ کا وعدہ استخلاف

پ ۱۸ النور ع ۷، وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْــًٔا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔

(جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے اچھے کام کئے ان سے خدا نے وعدہ کیا ہے کہ ان کو (ایک نہ ایک دن) روئے زمین پر ضرور اپنا خلیفہ مقرر کرے گا جس طرح ان لوگوں کو اپنا خلیفہ بنایا تھا جو ان سے پہلے گزر چکے اور جس دین کو اس نے ان کے لئے پسند فرمایا ہے (اسلام) اس پر انہیں ضرور بالضرور پوری قدرت دے گا ان کے خائف ہونے کے بعد (ان کے ہراس کو) امن سے بدل دے گا کہ وہ (اطمینان سے) میری عبادت کریں گے اور کسی کو میرا شریک نہ بنائیں گے اور جو کوئی اس کے بعد بھی ناشکری کرے گا تو ایسے لوگ بدکار ہیں)

اس آیت میں بہت سی باتیں قابل غور ہیں۔

(۱) خدا کا وعدہ ایمان والوں اور اعمال صالحہ کرنے والوں سے ہے اس صورت میں یہ وعدہ صرف انہی ایمان والوں سے متعلق ہوگا جنہوں نے ایک آن واحد کے لئے بھی کفر نہ کیا ہو اور اعمال صالحہ سے کوئی عمل ایسا نہ رہا ہے وہ بجا نہ لائے ہوں۔ جو لوگ کفر کے بعد اسلام میں داخل ہوئے ان سے یہ وعدہ متعلق نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کا بہت سا زمانہ ایمان و عمل صالحہ سے خالی رہا ہے پس جو ان سے بالاتر ہیں وہی اس وعدہ کے اہل ہوں گے نہ کہ کمتر طبقہ۔

Marfat.com

(۲) ان کو خلیفہ اسی معیّن طریقہ سے بنایا جائے گا جیسے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے تمام انبیاء کے جانشین خدا کے تعین کئے ہوئے تھے نہ کہ امت کے بنائے ہوئے۔ پس سقیفہ میں بنائے ہوئے خلیفہ یا ان کے بعد ان کے جانشینوں سے یہ وعدہ متعلق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خلافت کا یہ طریقہ سنت الٰہیہ اور سنت انبیاء کے خلاف ہے

(۳) جن کو اللہ تعالیٰ اپنے معینہ قاعدہ کے مطابق خلیفہ بنائے گا ان کو دین اسلام پر پوری قدرت دے گا۔ آنحضرتؐ کے بعد جو خلفاء رہے ان کو کسی وقت بھی دین اسلام پر پوری پوری قدرت حاصل نہیں ہوئی کیونکہ ان کے زمانوں میں اسلام کے مخالف اور بھی دین موجود رہے۔ ایسے معمولی تمکن سے یہ وعدہ متعلق نہیں ہو سکتا۔ پورا تمکن تو اس وقت ہو گا جب دین اسلام کے سوا کوئی اور دین دنیا میں باقی ہی نہ رہے اور یہ ہو گا اس وقت جب کہ حضرت حجت امام مہدی آخر الزمان ظہور فرمائیں گے۔

(۴) خوف کے بعد امن سے بدل دے گا۔ اہلبیت علیہم السلام کو ہر زمانہ میں دشمنوں سے خوف رہا اور امن و امان سے کسی وقت وہ اپنی نصی خلافت کا زمانہ نہ دیکھ سکے۔ پس ظہور امام آخر الزمان کے وقت ہر قسم کا خوف ان سے دور ہو جائے گا اور وہ اطمینان و سکون کے ساتھ سلطنت کریں گے ان کے تمام دشمن تہ تیغ کر دیئے جائیں گے۔

(۵) اس وقت وہ پورے اطمینان سے خدا کی عبادت کریں گے اور خدا کا شریک کسی کو نہ بنائیں گے۔ بغور طلب بات یہ ہے کہ جو لوگ اسلام لانے سے پہلے خدا کا شریک بتوں کو بنا چکے تھے اور سالہا سال بتوں کے سامنے سجدے کر چکے تھے یہ وعدہ ان سے کیسے متعلق ہو سکتا ہے۔

---

(۲۰۱) اوقات خلوت

پ۱۸ النور ع ۸۔ یاایھا الذین امنوا لیستاذنکم الذین ملکت ایمانکم والذین لم یبلغوا الحلم منکم ثلث مرات من قبل صلوۃ الفجر وحین تضعون

Marfat.com

ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ ثَلٰثُ عَوْرَاتٍ لَّكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ طَوَّافُونَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۔

(اے ایمان والو تمہارے لونڈی غلام اور وہ لڑکے جو ابھی بالغ نہیں ہوئے ان کو چاہیے کہ دن رات میں تین مرتبہ تمہارے پاس آنے کی اجازت لے لیا کریں (تب آئیں) صبح سے پہلے اور جب تم (گرمی سے) دوپہر کو (سونے کے لئے معمول کے) کپڑے اتار دیا کرتے ہو۔ تیسرے نماز عشا کے بعد۔ یہ تین وقت تمہارے پردہ کے ہیں ان اوقات کے علاوہ (بلے اذن آنے میں) نہ تم پر کوئی الزام نہ ان پر کیونکہ مذکورہ اوقات کے علاوہ (باضرورت یا بے ضرورت) لوگ ایک دوسرے کے پاس آیا جایا ہی کرتے ہیں۔ خدا اپنے احکام سے یوں صاف صاف آگاہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو بڑا واقف کار حکیم ہے۔)

صبح، دوپہر اور رات تین وقت ایسے ہیں کہ انسان ایسے کپڑے پہنے ہوتا ہے جس سے تمام بدن کی پوشش نہیں ہوتی بلکہ ادھورا لباس پہن لیتا ہے کیونکہ وہ وقت کسی سے ملنے جلنے کا نہیں ہوتا دوسرے اکثر ایسے اوقات میں لوگ مشغول مباشرت ہوتے ہیں تیسرے یہ وقت آرام کے ہوتے ہیں اس میں مداخلت انسان کے لئے باعث تکلیف ہوجاتی ہے لہٰذا قدرت نے ان اوقات میں لوگوں کو آنے سے بغیر اذن کے روک دیا ہے۔

(۲۰۲) جب گھروں میں داخل ہو تو سلام کرو

پ۱۸ النور ع ۸:۔ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً ۔ (جب تم گھروں میں داخل ہو تو خود اپنے اوپر (اگر گھر میں کوئی نہ ہو) تو سلام کر لیا کرو جو خدا کی طرف سے ایک مبارک اور پاکیزہ تحفہ ہے۔)

اگر گھر میں لوگ موجود ہوں تو ان پر سلام کرو یہ اسلامی تہذیب ہے جو رفتہ رفتہ ختم ہو

جاری ہے اور اس کی جگہ ہلو ہلو آرہا ہے۔ سلام علیکم یا السلام علیکم کہنا لوگوں کو پسند نہیں۔

(۲۰۳) حضرت ابراہیم کا آزر کے لئے استغفار

پ ۱۹ الشعراء ع ۵ ۔ وَاغْفِرْ لِاَبِیْ اِنَّہٗ کَانَ مِنَ الضَّالِّیْنَ۔

(اور میرے دشمن بولے) باپ آزر کو بخش دے کیونکہ وہ گمراہوں میں سے ہے)

لوگ حضرت ابراہیم پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک مشرک کے لئے دعائے مغفرت کیوں کی یہ اعتراض غلط ہے کیونکہ آزر نے آپ سے بت پرستی ترک کرنے کا وعدہ کیا تھا تب آپ نے یہ دعا مانگی تھی لیکن جب پتہ چلا کہ اس نے وعدہ خلافی کی ہے تو آپ نے اس سے بیزاری اختیار کی۔

(۲۰۴) لسّان صدق کون ہے

پ ۱۹ الشعراء ع ۵ ۔ وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ۔ (میرے لئے آخر زمانہ میں ایک سچی زبان عطا فرما)

حضرت ابراہیم نے اپنی اولاد خاص (نسل اسماعیل سے) کے لئے بہت سی دعائیں کی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ فی الاخرین سے حضرت رسول خدا کا زمانہ ہی مراد ہو سکتا ہے کیونکہ آپ ہی خاتم النبیین ہیں لہٰذا حضرت کے زمانہ میں حضرت علی سے زیادہ سچی زبان والا کون ہو سکتا ہے کیونکہ پیدائش کے دن سے آخر عمر تک آپ نے کبھی جھوٹ بولا ہی نہیں اور جو لوگ کافر سے مسلمان ہوئے وہ برسوں بتوں کی خدائی کی جھوٹی گواہی دیتے رہے۔ علاوہ ازیں مردویہ نے روایت کی ہے کہ لسان صدق سے مراد حضرت علی ہیں سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ خدا نے تمام امت محمدی کو حکم دیا ہے کو نوا مع الصادقین سچوں کے ساتھ ہو جاؤ پس امت رسول کے دو گروہ ہوئے ایک ساتھ ہونے والوں کا دوسرے خلفائے ثلٰثہ کے ساتھ ہونے کا حکم ہے۔ پوری امت کے ساتھ ہونے کا حکم تو ہو نہیں

Marfat.com

سکتا لامحالہ ایک گروہ صادقین کا ماننا پڑے گا اور ان میں سب سے اول علی علیہ السلام ہیں انہوں نے ہی بر سر منبر فرمایا تھا: اِنَا الصِّدِّیقُ الْاَکْبَرُ لَا یَقُولُهَا بَعْدِیْ اِلَّا کَاذِبٌ مُفْتَرٍ۔ (میں سب سے بڑا صدیق ہوں میرے بعد کوئی اپنے لیے یہ لفظ نہ کہے گا مگر جھوٹا مفتری)

(۲۰۵) نزول قرآن قلب رسول پر ہوا

پ ۱۹ الشعراء ع ۱۰: اِنَّهٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰی قَلْبِکَ لِتَکُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ ۝ ۔

(یہ قرآن ساری خدائی کے پالنے والے خدا کا اتارا ہوا ہے جسے روح الامین (جبریل) صاف عربی زبان میں لے کر تمہارے دل پر نازل ہوئے تاکہ تم اور پیغمبروں کی طرح لوگوں کو عذاب سے ڈراؤ)

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم تھوڑا تھوڑا رسول پر اترتا رہا یہ ایک نورانی کتاب تھی جس کو قلب رسول پر لکھا گیا اصلی کتاب اللہ یہی ہے پس رسول نے جو پڑھ کر سنایا وہ قرآن مقروء (یعنی پڑھا ہوا) کہلایا یہ اوریجنل (ORIGINAL) کاپی سینوں سے سینوں میں چلی اور انہیں کو ملی جن کو خدا کی طرف سے علم ملا جیسا کہ فرماتا ہے: بَلْ هُوَ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ۔ (یہ روشن آیات ان لوگوں کے سینوں ہی میں ہیں جن کو علم دیا گیا ہے)

(۲۰۶) دعوت ذو العشیرہ

پ ۱۹ الشعراء ع ۱۱: وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ۔ (اے رسول تم اپنے قریبی رشتہ داروں کو عذاب خدا سے ڈراؤ) صاحب معالم التنزیل نے اس آیت کی شان نزول میں یہ روایت ابن عباس سے ذکر کی ہے کہ مجھ سے حضرت علی نے بیان کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت نے مجھ سے فرمایا

خدا کا ایسا حکم ہے چونکہ میں جانتا ہوں کہ ان لوگوں (خاندان رسول) کو یہ حکم سنانے سے
رنج کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا لہٰذا میں ساکت رہا جب دوبارہ یہ حکم تاکید سے آیا ہے
اب تعمیل کے سوا کوئی چارہ نہیں لہٰذا تم تھوڑی روٹیوں بکرے کی ایک ران اور تھوڑے
سے دودھ کا سامان کر رکھو۔ جب شام ہوئی تو آپ نے قریش میں عباس ۔ حمزہ ۔ ابولہب
طالب جیسے چالیس آدمیوں کو بلایا اور وہ کھانا ان کے سامنے رکھا گیا آپ نے اس
کھانے پر پہلا اپنا ہاتھ لگایا اس کے بعد ان لوگوں سے کھانے کو کہا وہ سب کھا کر سیر ہو گئے
حالانکہ وہ کھانا بظاہر ایک آدمی سے زیادہ کی شکم سیری کے قابل نہ تھا۔ کھلانے کے
بعد آپ نے چاہا کہ کچھ بات کریں کہ ابولہب مردود نے بات کاٹ کر کہا کہ لوگو تمہارے صاحب
(آنحضرتؐ) نے بڑا سخت جادو کیا ہے یہ سنتے ہی سب کے سب چل دیئے دوسرے
روز آنحضرتؐ نے حضرت علی کو پھر ویسے ہی سامان کا حکم دیا۔ کھانے کے بعد فرمایا
مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ تم کو اس کی طرف بلاؤں پس تم میں سے کون ایسا ہے جو میرا وصی اور
میرا خلیفہ تمہارے درمیان ہو۔ یہ سن کر کسی نے جواب نہ دیا مگر حضرت علی کھڑے ہو گئے
اور عرض کی "میں یا رسول اللہ" اس طرح آنحضرتؐ نے تین بار فرمایا اور بجز حضرت علی
کے کسی نے جواب نہ دیا تب آپ نے فرمایا، اے علی تو میرا وزیر، میرا وصی اور میرا خلیفہ ہے)
(تفسیر در منثور ۔ مسند احمد بن حنبل ۔ ریاض النضرۃ وغیرہ)

اس روایت کے متعلق چند باتیں قابل غور ہیں۔

(۱) رسول اللہ کی بعثت کا آغاز یہیں سے ہوتا ہے تبلیغ اپنا پہلا فرض یہیں سے
انجام دیتی ہے لوگ کہتے ہیں حضور نے اپنا جانشین کسی کو بنایا ہی نہیں انہیں آنکھیں کھول
کر یہ دیکھنا چاہیئے کہ بیان کیا ہو رہا ہے ابھی رسالت کا فروغ پذیر ہونا بہت دور ہے
اور خلافت کی داغ بیل ابھی سے ڈالی جا رہی ہے۔

بعض مفسرین و مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت علی نے یہ فرمایا تھا یا رسول اللہ میں

آپ کا خلیفہ بنوں گا اور جو آپ کا دشمن ہو گا اس کی آنکھیں پھوڑ دوں گا۔ اس کا سر پھوڑ دوں گا اس کا سینہ چاک کر دوں گا۔ حالانکہ یہ موقع بہت دور تھا مگر علی نے نصرت رسول کا جیسا وعدہ کیا تھا اسے آگے چل کر پورا کیا گویا بالہام ربانی آپ جانتے تھے کہ ایسا ہونے والا ہے اور حضرت کو ایک وزیر کی ضرورت ہو گی۔ بظاہر کوئی ایسا کاروبار نہ تھا جس کے لئے وزیر کی ضرورت ہو مگر حضرت بعلم نبوت اور علی بعلم امامت جانتے تھے کہ ایسا ہونے والا ہے

(۲) حضرت نے قولاً و فعلاً دونو طرح حضرت علی کی خلافت کا اعلان کیا یہاں قولاً تھا اور غدیر خم میں جو رسالت کا آخری دور تھا فعلاً ظاہر کیا اس کے بعد بھی اگر کوئی نہ مانے تو وہ یا تو عقل کا اندھا ہے یا تعصب سے بھرپور۔

(۳) دعوت ذوالعشیرہ ایک معجزانہ طور پر کی گئی تھی ورنہ ایک مُد (تین پاؤ) آٹے کی روٹی اور بکرے کی ایک ران اور ایک پیالہ دودھ چالیس آدمیوں کے لئے کیسے کافی ہو سکتا تھا۔ غور طلب بات کم ہے کہ آنحضرت نے اس دعوت کے اہتمام کے لئے کسی اور کو منتخب نہ کیا جن کے فضائل مسلمان بڑھ چڑھ کر بیان کیا کرتے ہیں۔ تقریباً پچاس آدمی بعثت سے پہلے خفیہ طور پر مسلمان ہو چکے تھے انھی میں حضرت ابوبکر بھی تھے جو سن میں حضرت علی سے بہت زیادہ بڑے تھے ان میں سے کوئی رسول کی نظر انتخاب میں نہ آیا کیوں کہ آپ جانتے تھے کہ یہ معجزانہ دعوت سوائے معصوم کے کسی اور کے ہاتھ سے انجام پا ہی نہیں سکتی۔ یہاں ایک ایسے کامل الایمان کی ضرورت تھی جو پیدائشی مسلمان ہو نہ ایسے لوگوں کی جو کفر و شرک کی حدود توڑ کر دائرہ اسلام میں آتے ہوں اور جن کے بدن اور لباس سے ابھی تک کفر کی بو آ رہی ہو۔

(۴) کیا راز تھا کہ سب سے پہلے آنحضرت نے اپنے خاندان والوں کو دعوت اسلام دی جواب یہ ہے کہ کسی تحریک کا آغاز اگر گھر والوں سے کیا جائے اور اس میں کامیابی ہو جائے تو دوسروں پر اس کا گہرا اثر پڑتا ہے کیونکہ گھر والے محرک کی نیت کا حال اور اس کے کردار

Marfat.com

با آسانی معلوم کر سکتے ہیں اس لئے کہ ان سے ملنا جلنا زیادہ رہتا ہے رخاندان والے اگرچہ اس وقت مشرف باسلام نہ ہوئے لیکن اسلام کی صداقت آنحضرتؐ کے اخلاق وعادات اور کردار کی بلندی ان پر ارتیلا ان الغیر ہی رہی) سب سے پہلا اقرار رسالت کرنے والا وہی شخص تھا جس کی پرورش خانہ رسالت میں ہوئی تھی اور جو سایہ کی طرح ہر وقت آنحضرت کے ساتھ رہا تھا۔

(۲۰۷) آنحضرتؐ کو بازو جھکانے کا حکم

پ ۱۹ شعراء ع ۱۱۔ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

(اور جو مومنین ہی سے تمہارے پیرو ہو گئے ہیں ان میں سے بعض کے سامنے اپنا بازو جھکاؤ)

یہ آیت ۲۰۶ والی آیت کے نیچے ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم خاص طور سے اس کے لئے ہے جس نے سب سے پہلے آنحضرت کے اتباع کا اعلان کیا۔ یہاں تواضع سے مراد لینا مجازی معنی ہوں گے ورنہ حقیقتاً بازو جھکانا ایک ایسے رسول کے لئے جو خاتم النبیین ہو عام لوگوں کے لئے درست نہ ہوگا۔ رسول جس کے لئے اپنا بازو جھکائے اس کی عظمت کا کیا ٹھکانہ ہے تمام مسلمانوں میں صرف ایک ہی شخص ایسا نظر آتا ہے جس کے لئے رسول نے اپنا بازو جھکایا اور وہ علی علیہ السلام ہیں جنہوں نے شانہ رسول پر چڑھ کر کعبہ کے بتوں کو توڑا تھا۔

(۲۰۸) شعرا کی مذمت

پ ۱۹ شعراء ع ۱۱۔ وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُوْنَ ٥ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ وَ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ۔ (شاعروں کی پیروی تو گمراہ لوگ کیا کرتے ہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہ لوگ جنگل جنگل سرگرداں مارے مارے پھرتے ہیں اور یہ لوگ ایسی باتیں کہتے ہیں جو کبھی کرتے نہیں)

Marfat.com

جن شاعروں کی یہ مذمت ہے وہ وہ شاعر ہیں جو مخرب اخلاق باتیں نظم کرتے ہیں جن سے بُرے خیالات لوگوں میں پھیلتے ہیں ورنہ خدا کی حمد اور رسول اور آئمہ کی نعت میں اشعار لکھنا یا ایسے اشعار نظم کرنا جو انسانی اخلاق وعادات کی اصلاح کرنے والے ہوں جن سے نیکیاں حاصل کرنے میں مدد ملتی ہو نہایت ممدوح ہیں۔ ہمارے تمام آئمہ نے اشعار کہے ہیں۔ جناب امیر علیہ السلام کا تو پورا دیوان ہے۔ ہمارے علماء نے بھی مثنویاں اور قصائد لکھے ہیں اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں شعراء کا کلام مخرب اخلاق مضامین سے پُر ہوتا تھا جو سات قصیدے خانہ کعبہ پر لٹکائے گئے تھے وہ سب اسی قسم کے تھے۔ سب سے پہلا قصیدہ امرالقیس کا ہے جس کو حضرت رسول خدا نے ملک الضلیل (گمراہوں کا بادشاہ) خطاب دیا تھا لہذا ایسے شعراء کی اس آیت میں مذمت کی گئی ہے۔

---

(۲۰۹) حضرت موسیٰ کا نبوت پانا

پ ۱۹ النمل ع ۱: ۔ اذ قال موسیٰ لاهله انی انست نارا سآتیکم منها بخبر او اٰتیکم بشهاب قبس لعلکم تصطلون ۔ فلما جاءها نودی ان بورک من فی النار ومن حولها وسبحان الله رب العالمین ۔ یموسی انه انا الله العزیز الحکیم ۔ والق عصاک فلما رآها تهتز کانها جان ولی مدبرا ولم یعقب یموسی لا تخف انی لا یخاف لدی المرسلون ۔

(موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا میں نے اپنی بائیں طرف آگ دیکھی ہے میں وہاں سے کچھ راستہ کی خبر لاؤں اور ایک سلگتا ہوا انگارہ لاؤں کہ تم تاپو۔ غرض موسیٰ جب اس آگ کے پاس آئے تو ان کو آواز آئی مبارک ہے جو آگ میں (تجلی دکھاتا) ہے اور جو اس کے گرد ہیں وہ خدا سارے جہان کا پالنے والا ہے ہر عیب سے پاک ہے۔ اے موسیٰ اس میں

شک نہیں میں زبردست حکمت والا ہوں اور دہاں) اپنی لاٹھی کو زمین پر ڈال دو تو جب موسیٰ نے اس کو دیکھا کر اس طرح لہرا رہا ہے گویا وہ زندہ اژدھا ہے تو پچھلے پاؤں بھاگ چلے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا (ترہم نے کہا) اے موسیٰ ڈرو نہیں ہمارے تو پیغمبر ڈرا نہیں کرتے (مطمئن ہو جاتے ہیں)

حضرت موسیٰ کے لیے یہ بہت خوفناک وقت تھا کیونکہ پہلی بار ان کے کانوں میں یہ صدا آئی تھی کہ میں خدا بول رہا ہوں پھر لاٹھی کو اژدھے کی صورت میں دیکھا تو گھبرا گئے کہ یہ کیا ہو رہا ہے دوسرا ہوتا تو کلیجہ پھٹ جاتا مگر انبیاء و مرسلین قویّ الثبات یعنی مضبوط دل کے ہوتے ہیں تاہم موسیٰ اس طرح ڈر کر بھاگے کہ پیچھا پھر کر بھی نہ دیکھا موسیٰ کا یہ عصا کبھی تو بقدرت خدا سانپ بن جاتا تھا اور دوڑنے لگتا تھا اور کبھی اژدھے کی شکل اختیار کر لیتا تھا تاکہ جیسا موقع ہو وہی صورت اختیار کرلے کتنا فرق ہے۔ موسیٰ اور حضرت علی میں۔ موسیٰ جوانی میں اژدھے کو دیکھ کر ڈر گئے اور علی نے گہوارہ میں کلّہ اژدر کو چیر دیا اور حیدر (یعنی سانپ کا چیرنے والا) لقب پایا۔

---

(۲۱۰) حضرت سلیمان کا لشکر

پ ۱۹ النمل ع ۲ ۔ وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ۔

(سلیمان کے سامنے ان کے لشکر کے جن انسان اور پرندے سب جمع کیے جاتے تھے)

مولانا فرمان علی صاحب مرحوم نے اپنے مترجمہ قرآن کے حاشیہ پر لکھا ہے :۔

آپ کا لشکر سو کوس میں رہتا تھا ۲۵ کوس میں آدمی ۲۵ کوس میں جنات ۲۵ کوس میں پرند اور ۲۵ کوس میں چوپائے۔ آیت میں چوپاؤں کا ذکر نہیں۔ معلوم چوپائے کہاں سے لکھ دیئے یہ لشکر آپ کے معائنہ کے لیے روزانہ پیش کیا جاتا تھا آپ ایک نظر میں سب کو دیکھ لیتے تھے کسی بادشاہ کو حضرت سلیمان سے بڑی سلطنت نہیں دی گئی۔

(۲۱۱) حضرت سلیمان اور وادیٔ نمل

پ ۱۹۔ النمل ع ۲:۔ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ۔

(جب ایک دن چیونٹیوں کے میدان میں آ نکلے تو ایک چیونٹی بولی اے چیونٹیو اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور ان کا لشکر تمہیں روند ڈالے اور انہیں اس کی خبر نہ ہو سلیمان اس کی بات سن کر مسکرا کر ہنس پڑے اور عرض کی پروردگار مجھے توفیق عطا فرما کہ جیسی جیسی نعمتیں تو نے عطا کی ہیں ان کا شکریہ ادا کروں اور میں ایسے کام کروں کہ جنہیں تو پسند فرمائے اور تو اپنی خاص مہربانی سے مجھے اپنے نیکوکار بندوں میں داخل کر لے)

جناب سلیمان پرندوں کی زبان سمجھتے تھے جیسا کہ فرماتا ہے:۔ وَعُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ۔ مگر یا تو یہ کہیے کہ چیونٹی کے بھی پر نکل آتے ہیں اس لیے اس کا شمار بھی پرندوں میں ہو گیا یا یہ کہیے کہ ہر جاندار کی زبان سمجھتے تھے مگر چونکہ پرندے حاضر دربار رہتے تھے اس لیے خاص طور سے ان کا ذکر کیا گیا۔

ایک روز جناب سلیمان گھوڑے پر سوار چیونٹیوں کے میدان سے گزرے تو ایک چیونٹی کو یہ کہتے سنا کہ وہ اپنی قوم سے کہہ رہی ہے کہ اپنے اپنے سوراخوں میں چلی جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں تمہیں روند ڈالیں۔

غور کیجیے انبیاء کی قوت سماعت پر اول چیونٹی کا جثہ دیکھیے پھر اس کی آواز کیا۔ پھر کھلا میدان۔ لیکن سلیمان نے ان سب باتوں کے باوجود اس کی آواز سن کر گھوڑے سے اترے

اور اسی چیونٹی کو جا پکڑا کیا یہ کچھ کم تعجب خیز بات نہیں ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کی شکل وصورت میں کوئی امتیاز بظاہر نہیں رکھا جو انسان کی ملکیت میں نہیں آتے مثلاً ٹڈی، چیونٹی چڑیاں وغیرہ اور جن کو انسان پالتا ہے ان میں امتیاز قائم کیا ہے تاکہ ایک دوسرے کی ملکیت پر قابض نہ ہو۔ چیونٹیاں اس وادی میں سب ایک سی تھیں مگر یہ نبی کی آنکھ تھی اور فہم کہ اسی کو جا پکڑا جو بولی تھی اور اس طرح اس تک پہنچے کہ کوئی چیونٹی روندی نہ گئی۔ یہ کمالات انبیاء کے سوا دوسرے کو حاصل نہیں ہو سکتے اس چیونٹی کو اٹھا کر اپنی ہتھیلی پر رکھ لیا اور پوچھا تو نے کیسے جانا کہ ہم تیری قوم کو کچل ڈالیں گے اس نے کہا یا نبی اللہ اس تمام لشکر میں معصوم تو صرف آپ ہی ہیں اور غیر معصوم سے ہر گناہ ممکن ہے۔ فرمایا یہ بتا تیری پوزیشن اس قوم میں کیا ہے۔ اس نے کہا یا نبی اللہ اس قوم میں جو کچھ بھی ہوں، لیکن اس وقت اپنی پوزیشن آپ سے بہتر پا رہی ہوں۔ پوچھا یہ کیسے۔ اس نے کہا آپ کا مرکب گھوڑا ہے جو ایک جانور ہے اور میرا مرکب اس وقت ایک نبی کا ہاتھ ہے۔ یہ جواب سن کر حضرت سلیمان حیرت میں آ گئے۔

---

(۲۱۲) حضرت سلیمان اور ہُد ہُد

پ ۱۹ النمل ع ۲ ۔ وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَأَذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ مُبِينٍ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبَإٍ ۔

(سلیمان نے اپنے پرندوں کے لشکر کی حاضری لی تو کہنے لگے یہ کیا بات ہے کہ میں ہُدہُد کو (اس کی جگہ پر) نہیں دیکھتا یا (واقع میں) وہ کہیں غائب ہے (اگر ایسا ہے تو) میں اس کو سخت سے سخت سزا دوں گا یا نہیں تو اسے ذبح کر ڈالوں گا یا وہ اپنی بیگناہی پر کوئی روشن دلیل میرے سامنے پیش کرے۔ غرض سلیمان نے تھوڑی دیر توقف کیا تھا کہ ہُدہُد آ گیا اس نے عرض کی مجھے وہ بات معلوم ہوئی ہے جو حضور کو

اب تک معلوم نہیں اور میں آپ کے پاس شہر سبا سے ایک تحقیقی خبر لے کر آیا ہوں)

حضرت سلیمان جب بساط پر سفر کرتے تھے تو پرندے ان کے سر پر سایہ کر لیتے تھے ایک خالی جگہ سے دھوپ آئی تو نظر اٹھا کر دیکھا ہُدہُد جو پانی کی تلاش میں گیا ہوا تھا غائب نظر آیا جناب سلیمان نے فرمایا میں اسے سخت سزا دوں گا بلکہ اسے ذبح کر ڈالوں گا اگر اس نے اپنے غائب ہونے کی کوئی معقول دلیل نہ پیش کی۔

سوال یہ ہے کہ بساط کے اوپر سے غائب ہونا کوئی ایسا جرم نہ تھا کہ حضرت سلیمان ذبح کرنے تک کا ارادہ ظاہر کرنے لگے۔ کوئی میدان جنگ تو نہ تھا جہاں سے وہ بھاگ گیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کی اجازت کے بغیر کوئی شخص اپنی جگہ نہیں چھوڑ سکتا۔ کیونکہ یہ کفر ہے۔ چنانچہ جب جنگ احد میں مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے تو آنحضرت نے حضرت علی سے کہا تم کیوں نہ بھاگے۔ فرمایا اکفرتُ بعدالایمان (کیا میں ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاتا) یعنی آپ کی بے اجازت میدان جنگ سے بھاگنا کھلا کفر ہے۔ چونکہ ہُدہُد بغیر حضرت سلیمان سے اجازت لیے چلا گیا تھا لہٰذا یہ سزا اس کے لیے تجویز ہوئی۔

تعجب ہے ہُدہُد کی گستاخی پر کہ اس نے ایک نبی کے علم پر اپنے علم کی زیادتی ثابت کی اور صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ میں وہ بات جانتا ہوں جس کا علم آپ کو نہیں۔ معلوم ہوا جناب سلیمان کے علم میں کچھ کمی تھی ورنہ وہ کہتے تو کیا جاننے میں سب کچھ جانتا ہوں پوچھ لے جو کچھ پوچھنا ہے یہ کہنا تو حضرت علی کے لیے سزاوار تھا جنہوں نے برسر منبر فرمایا سلونی قبل ان تفقدونی

ہُدہُد سلیمان کتنا صاحب فہم و ادراک تھا کہ جو خبر لے کر آیا تھا وہ یقینی تھی جس میں شک کی گنجائش نہ تھی ایک ذرا سا جانور اور مفصل حال کا بیان خدا کی قدرت کا بہترین کرشمہ ہے۔

---

(۲۱۳) ہُدہُد کا بیان

پ ۱۹ النمل ع ۱۲۔ اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِکُهُمْ وَاُوْتِیَتْ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ وَّلَهَا

عَرْشٌ عَظِیْمٌ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا یَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ
وَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطَانُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِیْلِ فَهُمْ لَا یَهْتَدُوْنَ
اَلَّا یَسْجُدُوْا لِلّٰہِ الَّذِیْ یُخْرِجُ الْخَبْءَ فِی السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَیَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ
وَمَا تُعْلِنُوْنَ اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ۔

میں نے ایک ایسی عورت کو وہاں پایا جو ان پر حکومت کرتی ہے اور اسے دنیا کی ہر چیز حاصل ہے اس کا بہت بڑا تخت ہے اور اس کی قوم اللہ کو چھوڑ کر سورج کی پرستش کرتی ہے۔ شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نظر میں زینت دی ہے اور ان کو راہ راست سے روک دیا ہے پس وہ ہدایت پانے والے نہیں یہ لوگ اس اللہ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے جو آسمان و زمین کی پوشیدہ باتوں کو ظاہر کر دیتا ہے اور جن باتوں کو تم چھپاتے ہیں یا ظاہر کرتے ہو ں وہ سب کو جانتا ہے کوئی معبود اللہ کے سوا نہیں جو عرش عظیم کا مالک ہے)

ہماری اصطلاح میں ہدہد کو بیوقوف جانور سمجھا جاتا ہے اور بیوقوف کے لئے اس کو مثال میں پیش کرتے ہیں لیکن قرآن میں دیکھو وہ کیسی چٹر پٹر باتیں سنا رہا ہے اور کس قدر حکمت و صداقت سے بھری ہوئی باتیں کر رہا ہے ذرا سی دیر میں کیا کیا باتیں معلوم کر کے آگیا۔
(۱) عورت حکومت کرتی ہے (۲) بڑا ساز و سامان اس کے پاس ہے (۳) اس کا تخت بڑا عظیم الشان ہے (۴) وہ اور اس کی قوم آفتاب پرست ہیں (۵) شیطان کا ان پر غلبہ ہے (۶) ان کو اللہ کی عبادت کرنی چاہیے (۷) اللہ تعالیٰ ہر چھپی ہوئی بات کو جانتا ہے (۸) خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔
اس سے زیادہ کسی صاحب سلطنت کے متعلق اور کیا تحقیق کی جا سکتی ہے۔

Marfat.com

(۲۱۴) تختِ بلقیس

پ ۱۹ النمل ع ۲:- ولہا عرش عظیم۔ (اس کا بہت بڑا تخت ہے)

مولانا فرمان علی صاحب نے اپنے مترجمہ قرآن کے حاشیہ پر لکھا ہے :-

یہ تخت طول و عرض و بلندی میں تیس تیس گز تھا اور چاندی اور سونے سے بنا ہوا تھا اس میں جابجا قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے اس کے اوپر کے حصہ میں سات خانہ تھے جن میں بڑے بڑے موتیوں کی جھالر لٹکتی تھی اس کے چاروں پائے یاقوت زرہ - زمرد - پکھراج اور موتی کے تھے۔

---

(۲۱۵) سلیمانؑ کا خط بلقیسؑ کے نام اور اس کا جواب

پ ۱۹ النمل ع ۲:- قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكَاذِبِيْنَ اِذْهَبْ بِكِتَابِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ۔

(سلیمان نے فرمایا ہم ابھی دیکھتے ہیں کہ) تو نے سچ کہا ہے یا تو جھوٹا ہے اچھا ہمارا یہ خط لیجا اور اس کو ان لوگوں کے سامنے ڈال دینا اور ان کے پاس سے ہٹ جانا پھر دیکھتے رہنا کہ آخر وہ لوگ کیا جواب دیتے ہیں)

ہُدہُد نے یہ خط پہنچا دیا۔ بلقیس نے یہ خط پڑھ کر اپنے درباریوں سے کہا :-

قَالَتْ يٰاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ (اے میرے دربار یو ایک واجب الاحترام خط میری طرف ڈال دیا گیا ہے یہ سلیمان کی طرف سے ہے (اور اس کا سرنامہ ہے) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (مضمون یہ ہے) مجھ سے سرکشی نہ کرو اور میرے سامنے فرمانبردار بن کر

Marfat.com

حاضر ہو جاؤ) ہدہد کے ذریعہ خط ملنے پر حضرت سلیمان کا احترام بلقیس کے دل میں پیدا ہو گیا تھا اور وہ سمجھ گئی تھی کہ یہ کوئی بڑی شخصیت ہے کہ پرندے اس کے تابع فرمان ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم سے سرنامہ کا آغاز اس کی دلیل ہے کہ انبیاء علیہم السلام ہر کام کا آغاز بسم اللہ سے کرتے تھے۔ حضرت رسول خدا نے فرمایا ہے :۔

كُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ لَمْ يُبْدَأْ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فَهُوَ اَقْطَعُ وَاَبْتَرُ۔

(جس امر اہم کی ابتدا بسم اللہ الرحمن الرحیم سے نہ ہو گی تو وہ ٹھیک سر نہ ہو گی)

بلقیس نے درباریوں سے کہا اے میرے سردار تم اس معاملے میں مجھے رائے دو کیونکہ میرا یہ قاعدہ ہے کہ جب تک تم سے مشورہ نہ کر لوں کسی معاملہ میں قطعی فیصلہ نہیں کیا کرتی ان لوگوں نے کہا ہم بڑے زور آور اور بڑے لڑنے والے ہیں۔ آئندہ ہر امر میں آپ کو پورا پورا اختیار ہے پس جو آپ حکم دیں اس پر اچھی طرح غور کریں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ بلقیس بڑی ہوشیار اور سمجھ والی عورت تھی اس نے کہا لڑائی مناسب نہیں کیونکہ بادشاہوں کا قاعدہ ہے کہ جب فتح کے بعد کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو اجاڑ دیتے ہیں اور وہاں کے معزز لوگوں کو ذلیل و خوار کر دیتے ہیں اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے۔ میں ان کی طرف کچھ قیمتی تحفے بھیج کر دیکھتی ہوں کہ ایلچی لوگ کیا جواب لے کر آتے ہیں۔ بلقیس کی یہ نہایت عقلمندانہ کارروائی تھی وہ یہ جانچنا چاہتی تھی کہ سلیمان واقعی ہم کو فرمانبردار بنانا چاہتے ہیں یا ان پر طمع زر غالب ہے۔ جس کے حاصل کرنے کے لئے یہ ہم کو دھمکیاں دے رہے ہیں اگر یہ تحفے منظور کر لئے تو ان کو کچھ اور دے دلا کر اپنا پیچھا چھڑا لیں گے۔

جب قاصد حضرت سلیمان کے پاس پہنچے اور وہ تحفے پیش کیے تو آپ نے فرمایا کیا تم مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو حالانکہ مجھے اللہ نے جو کچھ دیا ہے وہ تمہارے ان تحفوں سے کہیں بہتر ہے تم اپنے یہ تحائف واپس لے جاؤ اور ان سے کہہ دینا ہم

Marfat.com

عنقریب ایک ایسے لشکر سے چڑھائی کریں گے جس کا تم مقابلہ نہ کر سکو گے اور وہ تم کو ضرور ذلیل و خوار کر کے وہاں سے باہر نکال کریں گے ۔

---

(۲۱۶) حضرت سلیمان کا اہلِ دربار سے خطاب

پ ۱۹ النمل ع ۲ ۔ قَالَ یٰاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَیُّكُمْ یَاْتِیْنِیْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ یَّاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ قَالَ عِفْرِیْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ وَ اِنِّیْ عَلَیْهِ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ ۔ قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ ۔ الآیۃ

(سلیمان نے کہا اے میرے درباریو تم میں کون ایسا ہے کہ اس کا تخت میرے پاس اٹھا لائے قبل اس کے فرمانبردار بن کر یہاں آئیں ۔ ایک دیو نے کہا (یہ کونسی بڑی بات ہے) میں آپ کا اجلاس برخاست ہونے سے پہلے آپ کے پاس لے آؤں گا اور میں اس پر قابو رکھتا ہوں اور ذمہ دار ہوں ۔ (ابھی سلیمان کچھ کہنے نہ پائے تھے کہ) وہ شخص (آصف برخیا) جس کے پاس کتاب خدا کا تھوڑا سا علم تھا کہنے لگے کہ میں پلک جھپکنے سے پہلے اسے آپ کے سامنے لا کر رکھے دیتا ہوں ۔ حضرت سلیمان نے جب تخت کو اپنے سامنے موجود پایا تو فرمایا یہ اللہ کا فضل ہے تاکہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری)

ان آیات میں چند باتیں قابل غور ہیں :۔

(۱) حضرت سلیمان نے اتنی جلدی کیوں کی جواب یہ ہے کہ وہ جانتے تھے کہ جب مجھے واپس جائیں گے تو اس پر ان لوگوں کو غصہ آئے گا اور وہ مجھ پر چڑھ دوڑیں گے لہذا

Marfat.com

دشمن کو اتنا موقع ہی نہ دیا جائے کہ وہ حملہ کرے۔

مگذار کہ زہ کند کماں را دشمن کہ زتیر میتواں دوخت

(۲) دیو نے جو کچھ کہا اپنی قوت کا اندازہ کر کے کہا تھا۔ حضرت سلیمان ابھی کچھ کہنے نہ پاتے تھے کہ اس سے زیادہ طاقت رکھنے والے وزیر سلیمان آصف برخیا نے کہا میں پلک جھپکتے لائے دیتا ہوں۔ سوال یہ ہے کہ آصف برخیا نبی نہ تھے صرف ایک نبی کے وزیر تھے یہ طاقت ان میں کیسے پیدا ہوئی کہ چشم زدن میں بلقیس کو مع تخت اٹھا لائے۔ جواب یہ ہے کہ توریت کا کچھ علم ان کے پاس تھا۔ کسی آسمانی کتاب کو پڑھنے والے اور اس کا سطحی علم رکھنے والے تو بیشمار لوگ ہوتے ہیں یہ طاقت ان میں پیدا نہیں ہوتی کیونکہ اول تو ان کو اللہ تعالےٰ کی معرفت کاملہ نہیں ہوتی۔ دوسرے حقیقی مفہوم سے وہ ناواقف ہوتے ہیں۔ حقیقی علم انبیاء یا اوصیائے انبیاء کے پاس ہوتا ہے اور ان کو اسم اعظم الٰہی بھی معلوم ہوتا ہے۔

من الکتاب میں من تبعیضیہ ہے جس کے معنی ہیں بعض کتاب کا علم پس جس کے پاس بعض کتاب کا علم تھا اس کی تو یہ طاقت تھی اور جس کے پاس کل کتاب کا علم ہو تو اس کی طاقت کا کون اندازہ کر سکتا ہے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھو۔ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۢ بَيْنِیْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ۔ (اے رسول کہدو کہ میرے اور تمہارے درمیان گواہی کو اللہ کافی ہے اور وہ جس کے پاس کل کتاب کا علم ہے۔)

سوائے متعصب مفسرین کے سب نے بالاتفاق لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت علی کی شان میں نازل ہوئی ہے اب اس کے ساتھ ذرا قرآن مجید کی طاقت و قوت کا اندازہ کرو

لَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُیِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى

(اگر کوئی کتاب ایسی ہو سکتی ہے کہ اس سے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں زمین کی دوری طے کی جا سکے اور مُردے بول اٹھیں تو وہ یہی کتاب ہے)

پس جس کے پاس اس کتاب کا پورا پورا علم ہو اس کی طاقت کا اندازہ کون کر سکتا ہے

Marfat.com

تمام کائنات کا علم اس کے سینہ میں ہوتا ہے ۔ ہر شے اس کے حکم کی تابع ہوتی ہے وہ ہاتھ بڑھا کر جنت کے میوے لا سکتا ہے چشم زدن میں مدینہ سے مدائن جا سکتا ہے ہوا کے دوش پر سوار ہو کر اصحاب کہف سے ملاقات کو جا سکتا ہے زمین میں زلزلہ آئے تو اس پر ہاتھ رکھ کر روک سکتا ہے زمین اس سے باتیں کرتی ہے ۔

(۲۱۷) بلقیسؑ کی عقل کا امتحان

پ ۱۹ النمل ع ۲ ۔ قَالَ نَكِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ أَتَهْتَدِي أَمْ تَكُونُ مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهَكَذَا عَرْشُكِ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كَافِرِينَ ۔

(سلیمان نے درباریوں سے کہا کہ اس کے تخت میں تبدیلی کر دو تا کہ ہم دیکھیں کہ پھر بھی وہ سمجھ سکتی ہے (کہ یہ اس کا تخت ہے) یا ان لوگوں میں سے ہے جو سمجھ نہیں رکھتے پس جب سلیمان کے پاس آئی تو اس سے پوچھا گیا کہ تمہارا تخت بھی ایسا ہی ہے اس نے کہا گویا یہ وہی ہے پھر کہنے لگی ہم کو تو پہلے ہی آپ کی نبوت کا علم ہو گیا تھا اور ہم تو آپ کے فرمانبردار تھے اور (پہلے) وہ خدا کے سوا جس کسی کو پوجتی تھی سلیمان نے اس سے روک دیا کیونکہ وہ کافر قوم سے تھی)

اس امتحان کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ جنات نے اس خیال سے کہ اگر سلیمان بلقیس سے شادی کر لی تو وہ ہم پر حکومت کرے گی از راہ حسد یہ مشہور کر دیا کہ بلقیس میں عیب ہیں اول تو وہ عقل کی کوتاہ ہے دوسرے اس کی پنڈلیوں پر ریچھ کے سے بال ہیں ان دونو باتوں کا امتحان ضرور ہوا عقل کا امتحان تو تخت میں تھوڑی سی تبدیلی کرا کے لیا اور دوسرا ایک محل میں شیشہ کا فرش بنوایا گیا اور اس کے نیچے پانی رکھا گیا جس میں مچھلیاں تھیں

تھیں۔ بلقیس سے کہا گیا اس محل میں جائیے جب اس نے بہتا پانی سب کے نیچے دیکھا تو اپنے دونوں پائنچے اوپر کو اٹھائے جس سے اس کی دونوں پنڈلیاں کھل گئیں۔ حضرت سلیمان نے کہا ڈرو نہیں یہ پانی نہیں ہے بلکہ محل ہے جو شیشوں سے منڈھا ہوا ہے اس نے بارگاہ باری میں عرض کی خداوندا میں نے آفتاب کو پوج کر یقیناً اپنے اوپر ظلم کیا اب میں سلیمان کے ساتھ رب العالمین پر ایمان لائی۔

یہ اس کی پنڈلیاں دیکھنے کا ایک نہایت شائستہ طریقہ تھا اس کے بعد حضرت سلیمان نے اس سے عقد کیا اور اسی کا ملک اس کو بخش دیا۔ مہینہ میں ایک بار اس کے پاس جایا کرتے تھے اس سے تین اولادیں بھی ہیں یعنی لڑکیاں۔

---

(۲۱۸) مادرِ موسیٰ کو وحی

پ۲۰۔ القصص ع ۱۔ وَاَوْحَیْنَا اِلٰی اُمِّ مُوْسٰی اَنْ اَرْضِعِیْهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ۔

(ہم نے مادرِ موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ تم اس کو اپنے دودھ سے پالو اگر اس کی نسبت تم کو کوئی خوف ہو تو اسے ایک صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دو اور اس پر نہ ڈرنا نہ کڑھنا (تم اطمینان رکھو) ہم اس کو پھر تمہارے پاس پہنچا دیں گے اور اس کو اپنا رسول بنائیں گے)

جب حضرت موسیٰ پیدا ہوئے تو ان کی والدہ کو ایک خوف یہ تھا کہ اگر کسی نے فرعون کو خبر دے دی تو مجھے اور اس بچہ کو ہلاک کرا دے گا۔ دوسرے یہ کہ اگر میں نے صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈالا تو یہ ڈوب جائے گا لیکن وحی الٰہی کے بعد ان کے دل کو تسکین ہوئی اور انہوں نے ایک بڑھئی سے جو ان کا پڑوسی تھا اور فرعون کا چچا زاد بھائی حزبیل نامی

Marfat.com

تھا۔ ایک صندوق بنوالیا جو پانچ بالشت لمبا اور چھ بالشت چوڑا تھا۔

حزقیل کے اصرار پر اس صندوق کو بنوانے کی غرض بھی بیان کر دی اس نے صندوق کو بنوا دیا لیکن اس کے بعد فرعون کو خبر دینے کے لئے چلا۔ خدا کی شان دیکھو جب فرعون کے سامنے آیا تو اس کی زبان بند کر دی گئی اور ایک لفظ نہ بول سکا۔ ناکام اپنی دکان پر واپس آیا۔ یہاں زبان کھل گئی دوبارہ پھر بھاگا ہوا گیا کہ خبر کر دے۔ پھر ایسا ہی ہوا۔ تیسری بار اس نے عہد کیا کہ اب ایسا ہرگز نہ کروں گا۔ چنانچہ پھر زبان کھل گئی تب وہ حضرت موسیٰ پر ایمان لے آیا اور حضرت موسیٰ کی ماں سے یہ قصہ بیان کیا۔ اسی لئے اس کا نام قرآن میں مومن آل فرعون ہے۔

(۲۱۹) موسیٰ کا محلِّ فرعون میں پہنچنا

پ۲۰ القصص ع ۱:۔ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِن قَبْلُ الخ۔ (ہم نے موسیٰ پر پہلے ہی دائیوں کا دودھ حرام کر دیا تھا)

جب موسیٰ کا صندوق فرعون والے دریا سے نکال کر محل میں لے گئے اور اس کو کھولا گیا تو موسیٰ کو دیکھ کر آسیہ زنِ فرعون بہت خوش ہوئیں اور کہا ہم اسے اپنا بیٹا بنالیتے ہیں۔ فرعون بھی راضی ہو گیا اور موسیٰ کو دودھ پلوانے کے لیے دائیوں کو بلوایا گیا حضرت موسیٰ کی بہن بھی دائیوں کے ساتھ محلِ فرعون میں داخل ہو گئیں۔ جب موسیٰ نے کسی دائی کی چھاتی کو منہ نہ لگایا تو فرعون اور آسیہ بہت پریشان ہوئے۔ موسیٰ کی بہن نے کہا اگر آپ کہیں تو میں ایک ایسے شریف گھرانے کی عورت کو جا کر لے آؤں جس کا دودھ یہ لڑکا پی لے اور بڑی شفقت سے وہ اس کو پالے گی آسیہ نے کہا ابھی جا کر لے آؤ وہ دوڑی ہوئی ماں کے پاس آئیں اور انکو ساتھ لے گئیں۔ موسیٰ نے آغوشِ مادر میں آتے ہی غٹ غٹ

ان کا دودھ پینا شروع کر دیا اس کے بعد وہ روز محل فرعون میں جا کر دودھ پلا آتیں ۔

اس قصہ میں قابل غور بات یہ ہے کہ خدا نے چاہا کہ اس کا نبی و رسول کسی کافرہ کے دودھ سے پرورش پائے یا کسی کافرہ کی تربیت میں رہے چنانچہ تربیت کے لئے آسیہ جو مومنہ تھیں اور فرعون کی زوجیت میں جبراً آئی ہوئی تھیں وہاں موجود تھیں ۔ کس قدر احمق ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں حلیمہ اور ثوبیہ (کنیز ابولہب) کافرہ تھیں ان دونوں کا دودھ حضرتؐ نے پیا تھا اور ابوطالب کافر تھے جن کی تربیت میں آنحضرتؐ رہے کیسی عجیب بات ہے کہ موسیٰ کے لئے تو یہ بندوبست مانتے ہیں لیکن افضل الانبیاء و المرسلین کے لئے نہیں مانتے ۔

حقیقت یہ ہے کہ نہ حلیمہ مشرکہ تھیں نہ ثوبیہ دونوں ملت ابراہیمی پر تھیں ورنہ کیسے ممکن تھا کہ آنحضرت کافرہ کی چھاتی کو منہ لگاتے اور اس کا دودھ پیتے ۔ سوچنے کی بات ہے ۔

---

(۲۲۰) موسیٰ کا ایک قبطی کو قتل کرنا

پ۲۰ القصص ع ۲ ۔ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ٥

(اتفاقاً ایک دن موسیٰ شہر میں ایسے وقت آئے کہ لوگ (نیند کی) غفلت میں پڑے ہوئے تھے انہوں نے دیکھا کہ دو آدمی آپس میں لڑے ہوئے ہیں ایک تو ان کی قوم (بنی اسرائیل) کا ہے اور دوسرا ان کی دشمن قوم (قبطی) کا ہے جو شخص ان کی قوم کا تھا اس نے اس شخص پر جو ان کی دشمن قوم میں سے تھا غلبہ حاصل کرنے کے لئے) موسیٰ سے مدد مانگی ۔ یہ سنتے ہی موسیٰ نے ایک ہی گھونسا مارا

Marfat.com

کہ اس کا کام تمام ہو گیا پھر دھیان کر کے کہنے لگے یہ شیطان کا کام تھا اس میں شک نہیں کہ وہ کھلم کھلا دشمن اور گمراہ کرنے والا ہے (پھر بارگاہ باری میں عرض کی پروردگار بیشک میں نے اپنے اوپر ظلم کیا (کہ اس شہر میں آیا) تو مجھے دشمنوں سے پوشیدہ رکھ تو خدا نے انہیں پوشیدہ رکھا۔ بیشک وہ بڑا پوشیدہ رکھنے والا مہربان ہے)

ان آیات میں چند باتیں قابل غور ہیں۔

(۱) حضرت موسیٰ محل فرعون میں رہ کر جوان ہوئے فرعون نہیں چاہتا تھا کہ وہ عام لوگوں کی طرح آزادی سے شہر میں گھوما کریں وہ ان کو اپنا جانشین بنانا چاہتا تھا ایک روز جب کہ سوئے تھے موسیٰ محل فرعون سے نکل کر جو شہر سے دور تھا شہر میں آ گئے۔

(۲) نبی کے تابع کا نام قرآن میں شیعہ آیا ہے۔ یہ لفظ حضرت ابراہیم کے لئے بھی آیا ہے ان من شیعتہ لابراھیم (بیشک ابراہیم نوح کے شیعوں میں سے ہیں) پس معلوم ہوا کہ اس لفظ پر قدرت کی رحمت کا ہاتھ ہے برخلاف اس کے مسلمانوں میں کوئی فرقہ ایسا نہیں جس کو اس کی برکت کی سعادت حاصل ہوئی ہو یعنی زبانِ قدرت پر کسی فرقہ کا نام آیا ہی نہیں۔

(۳) کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کے سر پر ایک بیگناہ کے قتل کا الزام ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو موسیٰ خدا سے بخشش کی دعا کیوں کرتے اور گناہ نہ ہوتا تو خدا نے بخشا کیا۔ جواب یہ ہے کہ مغفرت کے ظاہری معنی بخشنے کے ہیں مگر لغت عرب میں پوشیدہ رکھنے کے معنی بھی ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ موسیٰ کا ایک گھونسہ مارنا اور وہ بھی ایک مومن کی حمایت میں اور مارنا بھی ایک کافر کو ہرگز گناہ نہیں ہو سکتا تا کہ اس کے بخشنے کی ضرورت ہو کیونکہ ایک گھونسہ سے آدمی مرا نہیں کرتا اور نہ اس قصد سے مارا تھا کہ وہ ہلاک ہو جاتے لہٰذا وہ قتل عمد نہ ہوا بلکہ ایک جھگڑے سے بچانے اور ایک مظلوم کی مدد کرنے کے لئے تھا تا کہ قبطی مغلوب ہو کر اس اسرائیلی کا پیچھا چھوڑ دے رہا اس کا مر جانا وہ ایک اتفاقی امر تھا۔

(۴) کوئی کہہ سکتا ہے کہ اگر گناہ نہ تھا تو حضرت موسیٰ نے ظلم کی نسبت اپنی طرف کیوں

Marfat.com

جواب یہ ہے کہ اپنے نفس کی طرف ظلم کی نسبت دینا اس خیال سے تھا کہ جب لوگوں کو خبر ہوگی تو میرے دشمن ہو جائیں گے اور قتل کا بدلہ لینے پر آمادہ ہوں گے۔ پس یہاں اپنے نفس پر ظلم کرنے کے یہ معنی ہیں کہ میں نے اپنے اوپر ایک مصیبت کا دروازہ کھول لیا

(۲۲۱) مومن آلِ فرعون

پ۲۰ القصص ع :- وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ قَالَ يَا مُوسَىٰ إِنَّ الْمَلَأَ يَأْتَمِرُونَ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ فَاخْرُجْ إِنِّي لَكَ مِنَ النَّاصِحِينَ۔

(ایک شخص شہر کے اس کنارہ سے دوڑتا ہوا آیا اور موسیٰ سے کہنے لگا موسیٰ تم یقین جانو کہ شہر کے بڑے بڑے لوگ تمھارے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں کہ تم کو قتل کر ڈالیں پس تم اس شہر سے نکل بھاگو میں تم سے خیر خواہانہ کہہ رہا ہوں)

فرعون نے قبطی کے قتل کی خبر سنتے ہی کچھ لوگ حضرت موسیٰ کی گرفتاری کے لئے بھیجے اس کی خبر حزقیل مومن آل فرعون کو لگ گئی تھی لہٰذا وہ فوراً دوڑا ہوا آیا اور موسیٰ کو اس واقعہ کی اطلاع دے دی۔

صواعق محرقہ میں ہے کہ صدیق تین ہیں ایک مومن آل فرعون جس نے موسیٰ کی جان بچائی دوسرے حبیب النجار جس نے حضرت عیسےٰ کے بھیجے ہوئے ہادیوں نے جان بچائی۔ تیسرے علی ابن ابی طالب جنہوں نے بار بار حضرت رسول خدا کی جان بچائی۔

(۲۲۲) موسیٰ کا مدائن پہنچنا

پ۲۰ القصص ع ۳ :- وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَىٰ رَبِّي أَن يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ الخ۔

(موسیٰ وہاں سے امید و بیم کی حالت میں نکل کھڑے ہوئے اور خدا سے عرض

Marfat.com

کی پروردگارا مجھے ظالموں سے نجات دے۔ جب مدین کی طرف رخ کیا (اور راستہ معلوم نہ تھا) تو آپ ہی آپ بولے مجھے امید ہے میرا پروردگار مجھے سیدھا راستہ دکھا دے گا) اگلی آیات کا ترجمہ یہ ہے۔

جب شہر مدین کے کنوئیں پر جو شہر سے باہر تھا پہنچے تو کنوئیں پر لوگوں کی بھیڑ دیکھی کہ وہ اپنے چوپاؤں کو پانی پلا رہے ہیں اور سب کے پیچھے دو عورتیں (حضرت شعیب کی بیٹیوں) کو دیکھا کہ وہ اپنی بکریوں کو روکے کھڑی ہیں۔ حضرت موسیٰ نے پوچھا تمہارا کیا مقصد ہے وہ بولیں جب تک سب چرواہے اپنے اپنے جانوروں کو خوب پانی پلا کر چلے نہ جائیں گے ہم اپنے جانوروں کو نہیں پلا سکتے ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں (ان کے سوا گھر میں کوئی مرد نہیں) جب موسیٰ نے ان کی بکریوں کو پانی کنوئیں سے کھینچ کر پلا دیا تو وہاں سے ہٹ کر ایک درخت کی چھاؤں میں جا بیٹھے (چونکہ بہت بھوک لگ رہی تھی) لہٰذا بارگاہ باری میں عرض کی پالنے والے اس وقت کوئی نعمت میرے لئے بھیج دے کہ میں اس کا سخت حاجت مند ہوں۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ میں اہل حاجت کی ضرورت کو پورا کرنے کا جذبہ کتنا قوی تھا اول تو سفر کی صعوبتیں جھیل کر آئے تھے دوسرے بھوکے بھی تھے مگر باوجود سخت احتیاج و مجبوری کے خدا کے سوا کسی سے درخواست نہ کی۔ یہ پیغمبروں کی خصوصیات سے ہے۔ اس سفر میں حضرت موسیٰ کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ درخت کی پتیاں کھاتے کھاتے بدن کا تمام گوشت گھل گیا تھا اور صرف پوست اور استخوان رہ گئے تھے۔ کھال ایسی پتلی پڑ گئی تھی کہ اس میں پتیوں کی سبزی دکھائی دیتی تھی باوجود اس کے کہ کسی کے آگے دست سوال دراز نہ کیا۔ نبی یا رسول کے سوا کوئی دوسرا ایسا نہیں کر سکتا

جناب شعیب کی بیٹیوں نے گھر جا کر اپنے باپ سے حضرت موسیٰ کی ہمدردی کا حال بیان کیا اور کہا ان کو بلا کر اپنی بکریاں چرانے کے لئے اجرت پر رکھ لیجئے آدمی ایمان دار

Marfat.com

صاحب ہمت ہے۔ فرمایا اچھا تم میں سے ایک جاکر بلا لائے۔ چنانچہ ایک لڑکی شرم سے گردن جھکائے حضرت موسیٰ کے پاس آئی اور کہا آپ کو ہمارے باباجان بلاتے ہیں موسیٰ تو یہ چاہتے ہی تھے کہ اس عالم غربت میں کوئی ہمدرد ملے۔ فوراً چلنے پر تیار ہو گئے۔ وہ لڑکی آگے چلنے لگی فرمایا نہیں تم میرے پیچھے چلو۔ اس میں مصلحت یہی ہو گی کہ آگے چلنے میں حضرت موسیٰ کی نظر اس کے اعضا پر پڑتی۔ ایک اجنبی نامحرم کے لیے یہ جائز نہیں تھا یہ ہے انبیا کی احتیاط جب وہاں پہنچے تو حضرت شعیب سے اپنی پریشانی کا حال بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا تم خوف نہ کرو یہاں تمہارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ بہر حال حضرت شعیب کی بکریاں چرانے پر وہ مامور ہو گئے۔ ایک دن حضرت شعیب نے کہا میں چاہتا ہوں کہ اپنی ایک بیٹی کا نکاح تمہارے ساتھ کر دوں۔ بشرطیکہ بطور مہر تم آٹھ برس میری بکریاں چراؤ اور اگر دس برس پورے کر دو تو کیا کہنا موسیٰ راضی ہو گئے اور شعیب نے اپنی ایک بیٹی ان کی زوجیت میں دیدی۔

اس قصہ میں دو باتیں قابل غور ہیں:۔

(۱) بیٹی کا باپ اگر اپنی طرف سے رشتہ کی تحریک کرے تو خلاف تہذیب و مراسم اسلام نہیں۔ ہمارے یہاں ایسا کرنا بہت معیوب سمجھا جاتا ہے اور لڑکی والے اپنی توہین سمجھتے ہیں

(۲) عورت کا مہر صرف روپیہ پیسہ ہی نہیں ہوتا بلکہ خدمت کا تعین ہو جانے سے بھی ہو سکتا ہے۔ دوسرے مہر ادا کرنا ایسا ضروری ہے کہ جناب موسیٰ بغیر آٹھ سال پورے کئے مدین سے نہیں نکلے۔ ہمارے یہاں بدقسمتی سے مہر کو ایک رسمی بات سمجھ کر اقرار کر لیا جاتا ہے، دینے کا قصد بہت ہی کم ہوتا ہے۔

جب حضرت موسیٰ کے سپرد بکریاں کی گئیں تو انہوں نے حضرت شعیب سے کہا مجھے ایک لاٹھی دیجیئے کہ اس سے بکریوں کو ہنکاتے۔ درختوں کے پتے جھاڑنے اور موذی جانوروں کو دفع کرنے میں مدد ملے۔ حضرت شعیب نے اپنی بیٹیوں سے کہا جاؤ فلاں عصا

اٹھا لاؤ وہ ایک عصا اٹھا لائیں۔ فرمایا یہ نہیں دوسرا۔ وہ پلٹ گرگئیں اور پھر وہی لے آئیں یہ نہیں دوسرا لاؤ۔ جب کئی مرتبہ ایسا ہی ہوا تو بولیں میں کیا کروں۔ جب دوسرا اٹھانا چاہتی ہوں تو ہر بار یہی ہاتھ میں آجاتا ہے اور دوسرا ہٹ جاتا ہے فرمایا اچھا دے دو اس کے مستحق موسیٰ ہی ہیں۔ یہی عصا تھا جو سانپ بن جاتا تھا مورخین لکھتے ہیں یہ عصا بادام تلخ کا تھا بعض نے لکھا ہے زیتون کا تھا۔

ایک خسر نے اپنے داماد کو عصا دیا جس نے جادوگروں کے سانپوں کو ہڑپ کیا اور ایک خسر نے اپنے داماد کو ذوالفقار عطا فرمائی جس نے بیشمار کفار و مشرکین کی گردنیں کاٹیں۔

(۲۲۳) حضرت ابوطالب مومن تھے

پ۲۰ القصص ع۱۰۔ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ۔

(اے رسول تم جسے چاہو منزل تک نہیں پہنچا سکتے اور اللہ جسے چاہے منزل مقصود تک پہنچا دے اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں سے خوب واقف ہے)

مفسرین اہل سنت نے لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت رسول خدا چاہتے تھے کہ ابوطالب ایمان لے آئیں مگر وہ نہ لائے یہ تفسیر بالکل غلط اور تعصب کے ہاتھ پر پسینہ ہے کیسے ہو سکتا ہے کہ رسول خدا کی مرضی کے خلاف کسی امر کو چاہیں جب کہ یہ آیت موجود ہے ا۔ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (تم نہیں چاہتے مگر وہی جسے اللہ چاہتا ہے) دوسرے کیا وجہ کہ خدا کسی کی ہدایت کو نہ چاہے وہ تو یہی چاہتا ہے کہ ہر شخص ہدایت یافتہ بن جائے۔ رسولوں کو بھیجا ہی اس لئے جاتا ہے تیسرے ابوطالب نے حضرت رسول خدا کے کسی عمل کی مخالفت بھی نہیں کی جس سے معلوم ہوتا کہ یہ ایمان لانے والے نہیں کتب اہل سنت سے حضرت ابوطالب کا ایمان لانا ثابت ہے

جامع الاصول میں ہے کہ وہ مسلمان تھے اور مسلمان مرے ۔ محدّث دہلوی شاہ عبدالحق بھی اس کے قائل ہیں آپ کا نقش نگیں یہ تھا :۔ رضیت باللہ ربًّا دیا ابنی نبیا دا بنی علی وصیًّا ۔

(آپ کے اشعار بھی اس کی شہادت دیتے ہیں کہ وہ با ایمان تھے) لغت عرب میں لفظ ہدایت دو معنی میں آیا ہے (۱) ارائت الطریق یعنی کسی کو راستہ دکھانا (۲) ایصال الی المطلوب یعنی کسی کو مقصد و مطلوب تک پہنچا دینا ۔ یہاں مقصود یہ ہے کہ اے رسول تم اگر کسی کو محبوب رکھتے ہو تو اسے راستہ دکھا سکتے ہو ۔ ایصال الی المطلوب نہیں کر سکتے یہ کام ہمارا ہے ۔ رسول کا کام ابو طالب کو راستہ دکھانا تھا سو دکھا دیا اور وہ ایمان لے آئے ۔

---

(۲۲۴) اُمّ کے معنی

پ۲ القصص ع ۱۰ ۔ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِىْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِى الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ۔

(اور تمہارا رب جب تک ان گاؤں کے صدر مقام پر اپنا پیغمبر نہ بھیج لے اور ان کے سامنے ہماری آیات کو پڑھ نہ لے اس وقت تک بستیوں کو تباہ و برباد نہیں کر دیا کرتا اور ہم تو بستیوں کو تباہ و برباد کرتے ہی نہیں جب تک وہاں کے باشندے ظالم نہ ہوں)

اُم کے معنی لغت عرب میں چند چیزوں کے ہیں ۔

(۱) سب کی جڑ یا بزرگ یا صدر جیسے کھانسی کو ام الامراض یعنی تمام بیماریوں کی جڑ کہا جاتا ہے یا شراب کو ام الخبائث یعنی تمام برائیوں کا سبب کہتے ہیں ۔

(۲) سب بستیوں سے بڑی بستی کو ام القریٰ کہتے ہیں جیسے مکہ کیونکہ اس کے اطراف میں چھوٹی چھوٹی بستیاں تھیں پس جب اُم کے معنی بڑے شہر کے ہوئے تو اُمّی کے معنی اس میں رہنے

Marfat.com

والے کے ہوئے لہٰذا لقب رسول جو اُمّی ہے تو اس کے معنی معاذ اللہ یہ نہیں کہ وہ جاہل تھے بلکہ یہ ہیں کہ وہ مکہ کے رہنے والے تھے۔ حضرت ابراہیم کی دعا بھی۔ وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ (اور انہی میں سے ایک رسول کو ان میں بھیج) خدا نے یہ دعا قبول کی اور فرمایا۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ (اللہ وہ ہے جس نے مکہ والوں میں ایک رسول کو انہی میں سے بھیجا) سنت الٰہیہ یہ رہی ہے کہ ہر قوم کا ہادی اس قوم کے ایک فرد کو بنا کر بھیجا گیا ہے

---

(۲۲۵) انتخاب انبیاء و خلفا خدا کرتا ہے

پ۲۰ القصص ع ۷:۔ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ۔

(تیرا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے منتخب کرتا ہے یہ انتخاب لوگوں کے اختیار میں نہیں)

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ ہادیان برحق کا انتخاب خدا کے ہاتھ میں ہے بندوں کو اس میں کوئی دخل نہیں آدم سے لے کر خاتم الانبیاء تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی نبی کا جانشین امت نے باختیار خود بنا لیا ہو۔ یہ نئی بات تو امت محمدیہ نے کی کہ خدائے کریم کے اختیار کو اپنے ہاتھ میں لے لیا نتیجہ یہ ہوا کہ گمراہی پھیل گئی

---

(۲۲۶) قارون کا قصہ

پ۲۰ القصص ع ۸:۔ إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِن قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ

Marfat.com

مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللّٰهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِي ۔

(موسیٰ کی قوم سے ایک شخص قارون تھا اس نے ان پر سرکشی شروع کی اور ہم نے اس کو اس قدر خزانے عطا کئے تھے کہ ان کی کنجیاں ایک سکت دار جماعت کو اٹھانا دوبھر ہو جاتا تھا اس کی قوم نے اس سے کہا اپنی دولت پر اترا مت کیونکہ خدا اترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور جو کچھ خدا نے تجھے دے رکھا ہے اس میں آخرت کے گھر کی جستجو بھی کر اور دنیا میں جس قدر تیرا حصہ ہے اسے بھول مت جا اور جس طرح خدا نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی ان کے ساتھ احسان کر اور روئے زمین پر فساد کا خواہاں نہ ہو اللہ فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ۔ کہنے لگا یہ مال و دولت تو مجھے اپنے علم (کیمیا) کی وجہ سے حاصل ہوا ہے)

(۱) علم کیمیا قارون کو کس سے حاصل ہوا ۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت موسےٰ علم کیمیا جانتے تھے اس میں سے بعض نسخے یوشع کو بعض کالب بن یوحنا کو اور بعض قارون کو بتا دیتے تھے ۔ قارون پہلے حضرت موسیٰ پر ایمان رکھتا تھا اس نے یوشع اور کالب سے بھی کسی طرح جو ان کو تعلیم کیا گیا تھا حاصل کر لیا ۔ جب پورا علم اس کے پاس آگیا تو اب اس نے دھڑا دھڑ سونا بنانا شروع کر دیا ۔ رات دن اس کا یہی مشغلہ تھا ۔ حضرت موسیٰ نے اس کو روکنا چاہا مگر طمع دنیا اس پر غالب تھی وہ کیا رکتا ۔

(۲) باوجود بکثرت دولت کا مالک ہونے کے وہ اس درجہ بخیل تھا کہ ایک کوڑی راہ خدا میں نہیں دیتا تھا جب لوگ اسے سمجھاتے تو کج بحثی کرنے لگتا اور کہنے لگتا یہ دولت خدا نے مجھے نہیں دی بلکہ میں نے اپنے علم کے زور سے حاصل کی ہے پھر میں خدا کی راہ میں کیوں دوں ۔

Marfat.com

(۳) ایک روز وہ شہر میں اس شان سے نکلا کہ ایک قیمتی گھوڑے پر سوار تھا جس کی زین طلائی تھی اور بکثرت لونڈی غلام اس کے ساتھ تھے۔ جب لوگوں نے اس کی یہ آن بان دیکھی تو اس کی دولت پر رشک کرنے لگے اور آپس میں کہنے لگے موسیٰ کے ساتھ رہنے میں ہمیں کیا ملتا ہے کیوں نہ قارون کے پیرو بن جائیں۔ کاش ہمارے پاس بھی قارون کی سی دولت ہوتی تو مزے اڑاتے بیشک قارون بڑا نصیبہ ور آدمی ہے موسیٰ سے ہمیں کچھ بھی نہ ملا نہ خود عیش کرتے ہیں نہ دوسروں کو کرنے دیتے ہیں۔

(۴) قارون اپنی دولت کے گھمنڈ میں حضرت موسیٰ سے گستاخانہ کلام کیا کرتا تھا ایک دن حضرت موسیٰ نے اس سے کہا تو اتنی بڑی دولت کا مالک ہے زکوٰۃ کیوں نہیں دیتا اس نے کہا تمھارے حساب سے تو زکوٰۃ کی بڑی رقم ہوتی ہے میں اتنی رقم نہیں دے سکتا۔ انہوں نے کہا ظالم کچھ کم کر دے اس نے کہا آپ تو مجھے فقیر بنانا چاہتے ہیں۔ میں آپ کے کہنے پر عمل نہیں کر سکتا۔ حضرت موسیٰ نے کہا دیکھ اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا تو عذاب الٰہی میں گرفتار ہو جائے گا اس نے ہنس کر کہا مجھے اس کی پرواہ نہیں جو کچھ آپ کے خدا کو کرنا ہے وہ کر لے۔

(۵) اس روز سے وہ حضرت موسیٰ کے درپے آزار ہوا اور چاہا کہ کسی تدبیر سے انہیں بدنام کرے تاکہ قوم پر سے ان کا اثر جاتا رہے اس نے ایک فاحشہ عورت کو اشرفیوں کی دو تھیلیاں دے کر اس پر آمادہ کیا کہ مجمع عام میں وہ حضرت موسیٰ پر زنا کی تہمت لگائے دوسرے دن جب کہ حضرت موسیٰ وعظ کر رہے تھے اور زنا کی مذمت پر آئے تو وہ اٹھ کر کہنے لگا۔ آپ کو بھی لوگ ایسا ہی جانتے ہیں اور اس عورت کو گواہی میں پیش کیا مگر خدا کی شان دیکھو وہ عورت جھوٹ کہتے ڈری اور جو اصلی واقعہ تھا سب کے سامنے بیان کر دیا اور قارون کی دی ہوئی دونوں تھیلیاں بھرے مجمع کے سامنے رکھ دیں۔ قارون بہت ذلیل ہوا اور لوگوں نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔ بہت کچھ لعن طعن کی۔ وہ وہاں سے اٹھ کر نوک دُم بھاگا۔

Marfat.com

(۶) جب وہ کسی طرح نہ مانا تو ایک دن حضرت موسیٰ اس کے پاس آخری حجت تمام کرنے گئے وہ آپ کی نصیحت سن کر نہایت گستاخانہ لہجہ میں کہنے لگا میں آپ کی کوئی بات سننی نہیں چاہتا اس پر حضرت موسیٰ کو غصہ آیا۔ آپ نے زمین پر ہاتھ مار کر کہا اس جھوٹے کو نگل جا۔ بس پھر کیا تھا وہ مع اپنے تمام خزانوں کے گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا۔ اب پتہ چلا کہ خدا کا عذاب کیسا ہوتا ہے توبہ تلا کرنے لگا۔ امان کا طالب ہوا۔ حضرت موسیٰ نے خدا سے دعا کی وہ باہر نکل آیا۔ حضرت موسیٰ نے کہا بول اب کیا ارادہ ہے اس نے کہا میں تو کچھ نہ دوں گا۔ حضرت موسیٰ نے پھر بددعا کی وہ پھر دوبارہ دھنسنے لگا اور ایسا دھنسا کہ پھر نکلا ہی نہیں

قارون ہلاک شد کہ چہل خانہ گنج داشت

نوشیرواں نمرد کہ نام نکو گذاشت

قرآن کہتا ہے اس کے خزانہ کی اتنی کنجیاں تھیں کہ ایک طاقت ور جماعت کو اٹھانا مشکل تھا۔ لوگ اس پر یقین نہیں کرتے۔ کہتے ہیں اگر ہزاروں بکس صندوق الماریاں اور تجوریاں بھی ہوں تب بھی اتنی کنجیاں نہیں ہو سکتی تھیں کہ بہت سے لوگوں کے اٹھائے نہ اٹھ سکیں۔ مفسرین نے اس پر کوئی روشنی نہیں ڈالی۔

جواب اس کا یہ ہے کہ یہ کوئی طلسم ہوش ربا کی کہانی نہیں جس پر یقین نہ کیا جائے یہ اصدق الصادقین کا کلام ہے اس کو نہ ماننا کفر ہے اس زمانہ کے تالوں اور کنجیوں پر اس زمانہ کے تالے اور کنجیوں پر کیوں قیاس کیا جاتا ہے ممکن ہے اس زمانہ میں موٹے موٹے بھاری تالے ہوں اور ان کی کنجیاں بھی لمبی اور موٹی ہوتی ہوں اب سے پچاس برس پہلے جو گھروں میں جھڑکے تالے لگتے تھے ان کی کنجیاں لمبی اور موٹی ہوتی تھیں اور بہت سے تالے لوہے کی سلاخیں ڈالنے سے کھلتے تھے ایک ایک تالے کی کنجیاں پاؤ بھر سے کم نہ ہوتی تھیں ممکن ہے اس زمانہ میں اس سے زیادہ وزنی ہوتی ہوں ؛

Marfat.com

(۲۲۷) اطاعت والدین

پ۲۰ العنکبوت ع ۱۱۔ وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ حُسْنًا وَاِنْ جَاھَدٰكَ لِتُشْرِكَ
بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِہٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْھُمَا۔

(ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ اگر تجھے تیرے ماں باپ اس بات پر مجبور کریں کہ کسی چیز کو میرا شریک بنا جس کے شریک ہونے کا تجھے علم نہیں تو ان کا کہنا نہ ماننا)

مروی ہے کہ سعد بن وقاص کا بیان ہے کہ میں اپنی ماں کی بہت خدمت کرتا تھا جب میں مسلمان ہوا تو میری ماں نے کہا یہ کونسا دین ہے جو تو نے اختیار کیا ہے اسے چھوڑ دے ورنہ میں کھانا پینا ترک کر دوں گی یہاں تک کہ مر جاؤں گی لوگ تجھے ملامت کریں گے کہ ماں کا قاتل ہے۔ میں نے کہا یہ ممکن نہیں کہ میں اس دین کو ترک کر دوں۔ آخر اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا جب دو وقت گزر گئے تو میں نے کہا اے ماں اگر تیری سو جانیں ہوں اور ایک ایک مجھ سے جدا ہو اور میں دیکھتا رہوں تو بھی اپنا دین ترک نہیں کر سکتا تو کھا پی ورنہ تجھے اختیار ہے تب اس نے کھایا پیا اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

ماں باپ کے اولاد پر بڑے حقوق ہیں۔ حکم خدا تو یہ ہے کہ ان کے مقابل اف نہ کہو سخت آواز میں ان سے نہ بولو ان کی آواز سے اپنی آواز بلند نہ کرو۔ نہایت تواضع اور انکسار کے ساتھ ان سے پیش آؤ۔ جب بوڑھے ہو جائیں تو اچھی طرح ان کی خدمت کرو مگر افسوس ہے کہ اولاد اس طرف توجہ نہیں کرتی اور بوڑھے ماں باپ کی جلد از جلد موت کی خواہشمند ہو جاتی ہے اور بدتمیزی سے پیش آتی ہے اور یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ نافرمان اولاد کو خداوند عالم عاق قرار دے دیتا ہے اور پھر اس کا کوئی عمل بارگاہ ایزدی میں قبول نہیں ہوتا ۔

(۲۲۸) رسول قرأت و کتابت کیوں نہ کرتے تھے

پ ۲۱ عنکبوت ع ۵ ۔ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ ۔

(اے رسول قرآن سے پہلے نہ تو تم کوئی کتاب ہی پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے تم لکھا ہی کرتے تھے اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ جھوٹے ضرور تمہاری نبوت میں شک کرتے)

اس آیت سے بعض مفسرین نے یہ مطلب نکالا ہے کہ حضور لکھنا پڑھنا جانتے ہی نہ تھے یہ بالکل غلط ہے ایک نبی جو سید المرسلیں ہو اگر لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو تو اس سے وہ معمولی آدمی بہتر ہو گا جو لکھنا پڑھنا جانتا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اے رسول تم سب کے سامنے لکھتے پڑھتے ہوتے تو ان کافروں کو یہ کہنے کا موقع ملتا کہ انہوں نے سابقہ آسمانی کتابوں کو پڑھ کر قرآن بنالیا ہے اور اس طرح اگر لکھتے ہوتے تو وہ یہ کہتے فلاں شخص ان کو بتاتا جاتا ہے اور یہ لکھتے جاتے ہیں لہذا اس شک کے دونوں دروازے بند کرنے کے لئے خدا نے لکھنے پڑھنے کی ممانعت کردی ہے اب اس قسم کے اعتراضات کفار و مشرکین کرہی نہ سکتے تھے سعدی کہتے ہیں ؎

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست کتب خانہ چند ملت بشست

(۲۲۹) مکڑی کا گھر

پ ۲۱ عنکبوت ع ۴ ۔ مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوتِ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۔

(جن لوگوں نے خدا کے سوا دوسرے کارساز بنا رکھے ہیں ان کی مثل اس مکڑی کی سی ہے جس نے (اپنے خیال ناقص میں) ایک گھر بنایا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام گھروں سے پورا

Marfat.com

گھر مکڑی کا ہوتا ہے اگر یہ لوگ اتنا بھی جانتے ہوں)

مکڑی کے گھر کو اللہ تعالیٰ نے سب سے کمزور گھر بیان فرمایا ہے۔ حقیقتاً وہ گھر ہی کیا ہے نہ در نہ دیوار ایک جالا ہے جسے وہ اپنے پیٹ کا لعاب نکال نکال کر بناتی رہتی ہے اور پھر اپنے اس گھر میں دفن ہو جاتی ہے اسے نکلنے کا راستہ ہی نہیں ملتا۔ دو جانور ایسے ہیں جو اپنے ہی بنائے ہوئے گھر میں دفن ہو جاتے ہیں ایک ریشم کا کیڑا دوسرے مکڑی۔

مکڑی کا گھر کمزور اتنا ہے کہ ذرا سا ہاتھ لگانے سے اپنی جگہ چھوڑ کر الگ ہو جاتا ہے لیکن اس جالے میں ایک خصوصیت بھی ہے جتنے کپڑے تانے بانے سے بنے جاتے ہیں ان سب میں سے پانی ٹپک جاتا ہے چاہے کتنے ہی باریک ہوں مگر مکڑی کے جالے سے پانی نہیں ٹپکتا مکڑی کا جالا بہت سے امراض کے علاج میں کام بھی آتا ہے۔

ایک خصوصیت اس مکڑی کی یہ ہے کہ اپنے جالے کے اندر ہی انڈے دیتی ہے خود تو مر جاتی ہے لیکن انڈوں سے جو بچے پرورش پاتے ہیں وہ جالے کو توڑ کر نکل آتے ہیں اور اس طرح اس کی نسل کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔

مکڑی دو قسم کی ہوتی ہے ایک چھوٹی دوسری بڑی جسے مکڑا کہتے ہیں۔ چھوٹی مکڑی کا ذکر تو اوپر ہوا بڑی مکڑی جو جالا تنتی ہے وہ شکاریوں کا سا جال ہوتا ہے یہ اس کے اندر چپ چاپ بیٹھی رہتی ہے جب کوئی مکھی اس میں پھنستی ہے تو فوراً اسے پکڑ کر چٹ کر جاتی ہے اس کے جال میں کچھ ایسی پکڑ ہوتی ہے کہ مکھی اس سے بچ کر جا نہیں سکتی اس جالے کے قریب سے گزر جانا اس کی موت کا آجانا ہے۔

(۲۳۰) قرآن کا علم کچھ لوگوں کے سینوں میں ہے

پ۲۱ عنکبوت ع ۵ : بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ؕ جن لوگوں کو خدا نے علم دیا ہے ان کے دل میں یہ قرآن کی واضح او

Marfat.com

روشن آیتیں ہیں اور سرکشوں کے سوا ہماری آیتوں سے کوئی انکار نہیں کرتا)

مفسرین اس آیت کا مصداق بنانے میں گول مول کر گئے ہیں اور بعض نے صاف کہہ دیا کہ اس سے مراد علمائے اسلام ہیں لیکن یہ چاند پر خاک ڈالنا ہے اگر علمائے اسلام مراد ہوتے تو اوتوا العلم نہ فرمایا ہوتا۔ قرآن میں جہاں کہیں "اوتوا" بصیغہ ماضی مجہول آیا ہے وہاں وہ لوگ مراد ہوتے ہیں جو خدا کے یہاں سے علم حاصل کر کے آتے ہیں۔ قرآن قلب رسول پر نازل ہوا اور وہاں سے سینہ بسینہ ہمارے آئمہ طاہرین تک پہنچا ان ہی کے سینوں میں یہ آیات بینات ہیں یعنی روشن ہیں کہیں تاریکی کا نام نہیں۔ یہ تعلیم جو سینہ بسینہ ہوتی رہی باطنی تعلیم ہے ظاہری تعلیم سے اس کا کوئی تعلق نہیں اگر ظاہری تعلیم جو دنیا کے مکاتب و مدارس میں ہوتی ہے کافی ہوتی اور پڑھانے والوں کے دل و دماغ میں صحیح مفاہیم قرآن ہوتے تو پھر اسلام تہتر فرقوں میں تقسیم نہ ہوتا۔

(۲۳۱) معجزہ کا ظہور خدا کے ہاتھ میں ہے

پ ۲۱ عنکبوت ع ۱۹۔ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ۔

(اے پیغمبر کہہ دو کہ معجزے تو خدا کے پاس ہیں میں تو صاف صاف (عذاب سے) ڈرانے والا ہوں)

اگر لوگوں کے کہنے کے مطابق حضور معجزات دکھاتے رہتے تو بس اس کام کے ہو جاتے اور اس پر بھی ان کا ایمان لانا یقینی نہ ہوتا معجزہ دیکھ کر وہ کہہ دیتے یہ تو کھلا جادو ہے ایمان تو وہی ہے جو حقیقت دین کو سمجھ کر لایا جائے اگر کسی طمع یا خوف سے لایا گیا تو عند اللہ ایسا ایمان مقبول نہیں۔ فرعون نے بہت سے معجزات دیکھے لیکن ایمان نہ لانا تھا نہ لایا اور اظہار ایمان کیا تو جب کہ ڈوبنے لگا یہ ایمان نہ تھا بلکہ جان بچانے کا حیلہ تھا۔

ایک بار ایک قبیلہ کے کچھ لوگ حضرت کے پاس آئے اور کہنے لگے اگر آپ ہماری بستی کے قریب پانی کا ایک چشمہ نکال دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے فرمایا تمہارا یہ ایمان

مقبول نہ ہوگا کیونکہ تم اپنے فائدے کی غرض سے اظہار ایمان کرو گے ۔

(۲۳۲) مضبوط اور سیدھا دین کیا ہے

پ ۲۱ الروم ع ۴ ۔ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔

(خدا کی سچے دل سے عبادت کرنا) یہی خدا کی بناوٹ ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے خدا کی بناوٹ میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی یہی مضبوط اور بالکل سیدھا دین ہے)

اللہ نے انسانی فطرت میں یہ بات داخل کر دی ہے کہ وہ کسی نہ کسی صورت میں اپنے خالق کا اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ حالی کہتے ہیں

ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا آتش پہ مغوں نے راگ گایا تیرا
دہری نے کیا دہر سے تجھ کو تعبیر انکار کسی سے بھی بن نہ آیا تیرا

ان لوگوں کا ذکر تو نہیں جو تلاش حق میں اپنی عقل و فہم کو معطل کر بیٹھے ہیں ورنہ فطرت انسانی پر غور کرنے والے اس کا اقرار کئے بغیر نہیں رہتے کہ ان کا کوئی خالق ہے بلکہ اتنا ہی نہیں وہ توحید کا اقرار بھی کرتے ہیں انسان چاہے کسی حال میں ہو یا کسی مقام پر ہو۔ اگر صرف اپنے بدن کی ساخت پر غور کرے تو وہ توحید پرست بن جائے گا اس کے بدن میں صرف ایک ہی دل ہے جو مدبر و منتظم بدن ہے یہی اس کی فطرت ہے اگر دو دل ہوتے تو کیا وہ زندہ رہ سکتا تھا ہرگز نہیں کیونکہ تمام خون کا خزانہ دل ہے اس سے سیلان خون تمام رگوں میں ہوتا ہے اگر دو دل ہوتے تو دوسرا دل جب خون اس کے پاس گردش کرتا ہوا آتا تو آگے جانے سے روک لیتا تو بتاؤ جسم انسان کا کیا بنتا یقیناً ہلاکت میں پڑ جاتا اسی طرح ایک ہی روح سارے بدن میں کارفرما ہے اگر دو روحیں ہوتیں تو بدن انسان اپنی زندگی کی منزلیں طے نہیں کر سکتا تھا۔ ہر سلطنت میں اقتدار اعلیٰ ایک ہی

شخص کا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل کو کچھ ایسا بنایا ہے کہ جب انسان کسی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے تو اس کا دل کسی ایسی صاحب اقتدار ذات کی طرف رجوع کرتا ہے جو اس کی جان بچانے پس اس کا نام خدا ہے چاہے نام اس کا کچھ رکھ لیا جائے۔

رسول اللہ نے فرمایا ہے۔ کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلٰی فِطْرَۃِ الْاِسْلَامِ وَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ وَیُنَصِّرَانِہٖ وَیُمَجِّسَانِہٖ۔ (ہر بچہ فطرت اسلام پر (خدا پرست) پیدا ہوتا ہے لیکن بعد میں ماں باپ اس کو یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں اگر یہ ادپری تعلیم اسے گمراہ نہ کرے تو یقیناً وہ خدا پرست اور توحید پرست بن کر رہے گا۔

خدا نے جو احکام اپنے بندوں کے لئے رکھے ہیں وہ اس کی فطرت کے لحاظ سے رکھے ہیں اور کسی نفس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا جیسا کہ فرماتا ہے۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا پس اگر کسی دین میں کچھ احکام ایسے پائے جائیں جو فطرت صحیح انسانی پر بار ہوں تو سمجھ لو کہ یہ اللہ کی طرف سے آئے ہوئے نہیں بلکہ خودغرض اور کج فہموں نے اپنی طرف سے تجویز کر کے داخل کر لئے ہیں۔ اسلام نے رہبانیت کو اس لئے اپنے دائرہ عمل سے نکال دیا کہ وہ فطرت انسانی پر ظلم ہے اور تعیش اور ہوس رانی کا داخلہ بھی بند کیا کہ انسانی معاشرہ پر اس کا برا اثر پڑتا ہے اور ایک شخص کی خودغرضی بہت سے لوگوں کو تکلیف میں مبتلا کر دیتی ہے بلکہ ان دونو کے درمیان ایک ایسا راستہ بنایا ہے جو فطرت کے مطابق ہے اور نہ انہماک فی الدنیا کی طرف لے جاتا ہے نہ اعراض عن الدنیا کی طرف پس یہی سچا دین ہے۔

(۲۳۳) قرابتداران رسول کے حق ادا کرنیکا حکم

پ۲۱ الروم ع ۱۲۔ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ وَالْمِسْکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ۔

(اے رسول اپنے قرابتدار (ناطہ) کا حق ادا کر دو اور محتاج و پردیسی کا بھی)

Marfat.com

مروی ہے کہ جب خیبر فتح ہوا تو حضرت نے جناب امیر کو فدک والے یہودیوں کے پاس بھیجا۔ یہودیوں سے اس بات پر صلح ہوئی کہ باغات کل کے کل حضرت رسول خدا کی ملکیت قرار پائیں اور زمین کا نصف حصہ ان کا اور نصف حضرت کی ملکیت میں رہے اس نصف زمین کی قیمت باغات کے علاوہ خلیفہ دوم کے زمانہ میں جب یہودی جلاوطن ہوئے تھے بیت المال سے پانچ ہزار درہم دی گئی تھی۔ الغرض جب صلح مکمل ہو گئی تو جبریل امین نازل ہوئے اور یہ آیت رسول اللہ کو سنائی۔ آپ نے پوچھا۔ قرابت دار سے کون مراد ہیں اور ان کا حق کیا ہے۔ جبریل نے کہا حکم خدا یہ ہے کہ فدک اور باغات اور جو چیزیں خدا اور رسول کی ملک ہیں فوراً فاطمہ کو بلا کر دیدی جائیں۔ چنانچہ اس حکم کی فوراً تعمیل کی گئی اور حضرت نے اس کے متعلق ایک دستاویز حضرت فاطمہ کو لکھ کر دیدی یہ وہی وثیقہ تھا جو حضرت فاطمہ نے رسول اللہ کی وفات کے بعد ابو بکر کے سامنے پیش کیا تھا اور فرمایا تھا یہ رسول اللہ کا نوشتہ ہے مہر شدہ جو حضرت نے میرے اور حسن و حسین کے لئے لکھ کر دیا ہے (دیکھو تاریخ روضۃ الصفا) حضرت ابو بکر نے تو منظور کر لیا اور ایک تحریر لکھ دی لیکن عمر اس پر راضی نہ ہوئے اور انہوں نے حضرت فاطمہ کے ہاتھ سے وہ تحریر چھین کر پھاڑ ڈالی۔

(۱) غور اس بات پر کرنا ہے کہ جب بعقیدہ اہل سنت خلیفہ وقت کی اطاعت مثل اطاعت رسول فرض ہے تو حضرت عمر نے خلیفہ وقت کے حکم کی اطاعت کیوں نہ کی۔ حضرت عمر خود حاکم نہ تھے ان کو اس تحریر کے چاک کر دینے کا حق کہاں سے حاصل ہوا۔

(۲) خدا نے جناب فاطمہ کا یہ حق کیوں مقرر کیا یہ تو ظاہر ہے کہ جو مال بے جنگ پیکار ہاتھ آتا تھا وہ خالصتہً رسول قرار پاتا تھا فوج میں اس کا کوئی حصہ نہ تھا ہاں لڑنے کے بعد جو مال غنیمت ملتا تھا وہ سپاہیوں اور سرداروں کا حق ہوتا تھا۔

حضرت علی علیہ السلام کا شروع سے یہ دستور چلا آرہا تھا کہ مال غنیمت میں جو کچھ

Marfat.com

وہ سب راہ خدا میں دے ڈالتے تھے ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ پیٹ پر پتھر باندھنا پڑتا جیسے اور لوگوں نے کثیر دولت جمع کرلی تھی یہ بھی کر لیتے خدا جانتا تھا کہ رسول کے بعد کہ یہ لوگ مال غنیمت سے کچھ نہ لیں گے اور ان کے لئے کوئی ایسا سہارا نہ رہے گا کہ اپنا پیٹ بھر سکیں اور لوگوں کی نظروں میں ذلیل وحقیر نہ ہوں لہٰذا خدا کو منظور نہ ہوا کہ رسول زادی رسول کے مرنے کے بعد لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور لوگ اسے حقارت کی نظر سے دیکھیں اس لئے یہ انتظام پہلے سے کیا گیا تھا اور رسول کو حکم دیا گیا تھا۔ کہ فدک کا علاقہ جو تم کو جائز حق کے طور پر ملا ہے اپنی زندگی میں اپنی بیٹی کو ہبہ کردو

ہر ملک میں یہ قاعدہ ہے کہ لوگ شاہی خاندان کا احترام باقی رکھنے کے لئے ان کو مالی احتیاج سے مستغنی کر دیتے ہیں تاکہ عام لوگوں کی طرح ان کو کسی سے مانگنے کی ضرورت پیش نہ آئے اور باوقار زندگی بسر کریں لیکن افسوس ہے کہ بادشاہ دین ودنیا کی بیٹی کا آزوقہ اس سے چھین لیا گیا اور منشائے خدا ورسول کو پورا نہ ہونے دیا۔

فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا صرف اسی وقت تک قابل احترام تھیں جب تک رسول زندہ تھے رسول کے مرتے ہی سب لوگوں کے رخ ان کی طرف سے پھر گئے اور پھر ان کے ساتھ جو کچھ برتاؤ ہوا۔

(۲۳۴) شرک کیوں ظلم عظیم ہے

پ۲۱ لقمان ع ۱۲ - إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ۔ (بیشک شرک سب سے بڑا ظلم ہے)

ہر ظلم اپنی نقصان رسانی میں محدود وقت اور محدود حالت رکھتا ہے لیکن شرک ایسا ظلم ہے جس کا سلسلہ نسلاً بعد نسل قیامت تک چلتا ہے اس سے بڑا ظلم کیا ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کسی مخلوق کو اس کا شریک بنا کر خدا اور اس کی مخلوق کے درمیان جو رشتہ عبدیت ومعبودیت ہے اس کو یکسر قطع کر دیا جائے اور مخلوق کی ساری عبادات کو بے اجر

بنا دیا جائے۔ کس قدر غضب کی بات ہے کہ جن بتوں کو انسان اپنے ہاتھوں سے بناتا ہے اسے خدا سمجھتا ہے۔ یعنی جب مخلوق کی مخلوق شریک خالق بے نیاز قرار دی جائے تو اس سے زیادہ بے عقلی کیا ہو گی اور وہ عقل جو سب سے بڑی نعمت الٰہی ہے اُسے یوں معطل کر کے رکھ دیا جائے تو اس سے بڑا ظلم کیا ہو گا۔ جب مخلوق کو خدا کا شریک بنا دیا جائے گا تو خدا نے اپنے جو احکام انبیاء و مرسلین کے ذریعہ سے بھیجے ہیں وہ نافذ العمل نہ ہو سکیں گے اور ان احکام کی خلاف ورزیاں نظام عالم میں باعث فتنہ و فساد ہو کر امن عامہ کو تباہ کریں گی اور ایسی حالت میں انسانیت اپنی حدود سے خارج ہو کر حیوانیت سے پست درجہ میں جا گرے گی اس سے زیادہ بڑا ظلم کیا ہو گا۔

آج نہیں ہمیشہ جو اس دنیا میں انسانوں کے گلے انسانوں کے ہاتھوں سے کٹتے رہے ہیں اور ان کے املاک لوٹے جاتے رہے ہیں ان کے ناموس کی عصمت کو لوٹا جاتا رہا ہے۔ جنگ و پیکار کے میدان گرم ہوتے رہے ہیں اس کا سبب یہی ہے کہ قوموں کا خدائے واحد کی ذات پر ایمان نہیں اور اس کی طرف سے آئے ہوئے انبیاء و مرسلین کے بتائے ہوئے احکام واجب العمل نہیں سمجھے گئے۔ شرک کی وبا پھیلانے والا شیطان ہے وہ نہیں چاہتا کہ انسان کی کوئی نسل خدائے واحد و یکتا پر ایمان لائے وہ چاہتا ہے جیسے میں نافرمانی کی بدولت نکالا گیا ہوں پوری ہی نسل آدم بھی خدا کے منکروں کی جماعت میں داخل ہوتی رہے ان کے بہکانے کا اور دام شرک میں پھانسنے کا سب سے بڑا ذریعہ بت پرستی ہے خواہ وہ کسی شان سے ہو۔

غور کیجئے ایک طرف تو بت خاموش ان کی پجاریوں کو کوئی حکم نہیں ملتا۔ لہٰذا اس طرف سے تو ہدایت کا دروازہ یوں ہوا اور خدائی احکام ان سے یوں رکے کہ وہ خدا کو خدا ہی نہیں مانتے لہٰذا جو ہدایت انبیاء و مرسلین کے ذریعہ سے ہوتی وہ یوں رکی غرض جب ہدایت کے دروازے ہر طرف سے بند ہو گئے تو شیطان کا مقصد

Marfat.com

حاصل ہو گیا وہ یہی تو چاہتا ہے کہ نسل آدم ہمیشہ گمراہی میں مبتلا رہے وہ تو اس دعوے کے ساتھ محفل قدس سے نکلا تھا کہ میں سب کو بہکاؤں گا سوائے چند خدا کے مخلص بندوں کے۔ جس قدر دنیا میں شرک زیادہ پھیلے اس قدر اس کی کامیابی ہے۔

(۲۳۵) خدا کی نعمتیں کوئی شمار نہیں کرسکتا

پ ۲۱ لقمان ع ۳ ا۔ وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّہٗ مِنْ بَعْدِہٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ کَلِمٰتُ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ

(جتنے درخت روئے زمین پر ہیں اگر قلم بن جائیں اور سمندر سیاہی اور اس سے سات سمندر اور مل جائیں اور خدا کی باتیں (نعمتیں) لکھی جائیں تو بھی ختم نہ ہونگی)

کلمات اللہ، اللہ کی مخلوق ہے اور اس کی ہر مخلوق ایک نعمت ہے کیونکہ کسی نہ کسی شان سے اس کا فائدہ واسطہ یا بالواسطہ انسان تک پہنچتا ہے خیال کیجیے روئے زمین کے درختوں کے کتنے قلم ہوں گے اور سات سمندروں کی کتنی سیاہی ہوگی لیکن پھر بھی کسی کی طاقت نہیں کہ اس کی نعمتوں کو شمار کر سکے خود فرماتا ہے، اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا (اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو ہرگز شمار نہ کر سکو گے)

امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَا یَبْلُغُ مِدْحَتَہُ الْقَائِلُوْنَ وَلَا یُحْصِیْ نَعْمَائَہُ الْعَادُّوْنَ وَلَا یُؤَدِّیْ حَقَّہُ الْمُجْتَہِدُوْنَ۔

(حمد ہے اس خدا کی جس کی مدح تک مدح کرنے والے نہیں پہنچ سکتے اور شمار کرنے والے اس کی نعمتوں کو شمار نہیں کر سکتے اور کوشش کرنے والے کتنی ہی کوشش کیوں نہ کریں اس کا حق شکر ادا نہیں کر سکتے)

بظاہر ہم جس کو ایک نعمت سمجھتے ہیں اس میں اس کی بیشمار نعمتیں اور چھپی ہوئی ہوتی ہیں

Marfat.com

مثلاً ایک درخت کو لیجئے اس کا سایہ نعمت اس کی لکڑی نعمت جو ہزاروں کاموں میں آتی ہے بیشمار بیماریوں کی دوا ہے۔ اس کی چھال میں اس کے پتوں میں، اس کے پھولوں میں اس کے پھلوں میں اس قدر فوائد ہیں کہ انسان شمار نہیں کر سکتا۔ امراض کے علاج میں، صنعتوں میں مددگار ہیں۔ ہزارہا دوائیں بنتی ہیں۔ رنگ بنتے ہیں کیمیائی اجزا تیار ہوتے ہیں۔ پھر پھلوں پر نظر کیجئے۔ رس بھی نعمت اس کے چھلکے بھی نعمت۔ اس کی گٹھلی بھی نعمت۔ تر کھائیے تو اور فائدہ۔ خشک کھائیے تو اور فائدہ۔ معجون بنائیے تو اور فائدہ۔ مفرد کھائیے تو اور فائدہ۔ اس کے بیج کا اور فائدہ۔ بظاہر ایک پھل ہے ایک نعمت ہے لیکن اس کے اندر معلوم کتنی نعمتیں چھپی ہوئی ہیں پھر لاکھوں قسم کے درخت ہیں اور لاکھوں قسم کے پھل پھول ہیں اور ان سب کے فائدے جداگانہ ہیں ہمارے پاس الفاظ ہی نہیں کہ تعریف کر سکیں۔ ہزارہا قسم کے میٹھے پھل ہر ایک کی مٹھاس جداگانہ ہمارے پاس تعریف کے لئے صرف ایک لفظ "میٹھا" ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔

آم میٹھا ہے۔ انگور میٹھا ہے۔ خربوزہ میٹھا ہے۔ شریفہ میٹھا ہے۔ جامن میٹھی ہے لیچی میٹھی ہے۔ گنا میٹھا ہے۔ شکر میٹھی ہے۔ غرض ہزارہا میٹھے پھل ہیں ہر ایک کی میٹھائی جداگانہ ہے۔ جس کا احساس ہماری زبان تو کر لیتی ہے مگر ان کے درمیان امتیازی خط کھینچنا ناممکن ہے پھر ایک درختوں ہی پر کیا موقوف ہے۔ قسم قسم کے جانور ہیں۔ حشرات الارض ہیں۔ جمادات ہے۔ دریا ہیں۔ پہاڑ ہیں۔ جواہرات غرض کہاں تک کوئی بیان کرے ان کے درمیان ایسے لطیف فرق ہیں کہ عقل ان کے بیان میں حیران و سرگردان ہے۔

لاکھوں قسم کے اجناس ہر جنس میں لاکھوں قسم کے انواع ہر نوع میں لاکھوں قسم کے افراد پر فرد کا قد و قامت جدا، رنگ و روغن جدا۔ انداز کلام جدا، مزاج جدا غرضیکہ:- دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر — ما ہمچناں دراول وصفے تو ماندہ ایم

(۳۳۶) حضرت رسول خدا تمام مومنوں کی جانوں پر حاکم تھے

پ ۲۱ الاحزاب ع ۱۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ

(نبی لوگوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ ان پر حق رکھتے ہیں (کیونکہ وہ امت کے باپ ہیں) اور ان کی بی بیاں (گویا امت کی) مائیں ہیں)

آنحضرت کی تمام امت پر حکومت مطلقہ تھی جہاں کہتے لڑ جاؤ وہاں لڑ جانا چاہیے تھا جہاں کہتے مر جاؤ وہاں مر جانا چاہیئے تھا۔ کس کی طاقت تھی کہ آپ کے حکم کے خلاف کوئی کام کر سکے اگر کوئی حالت نماز میں بھی ہوتا اور حضرت بلاتے تو اس کو جواب دینا ضروری تھا۔ امت کو حکم تھا کہ آپ کی آواز سے اپنی آواز کو بلند نہ کریں ورنہ سارے اعمال حبط و ضبط ہو جائیں گے۔ چلنے میں آپ سے آگے قدم نہ بڑھائیں۔ آپ کا نام لے کر نہ پکاریں۔ آپ کی ازواج کو اپنی مائیں سمجھیں۔ آپ کی امت پر آپ کے بعد آپ کی ازواج سے نکاح کرنا حرام تھا۔

یہی اولویت تھی جس کا ذکر روز غدیر خم آپ نے برسر منبر فرمایا تھا اور اس اولویت کے مفہوم کو لے کر فرمایا تھا۔ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاهُ (جس کا میں مولا یعنی اولی بالتصرف یا حاکم ہوں اس پر حاکم علی بھی ہے۔ خود غرض لوگوں نے اس اولویت کا مفہوم ہی بدل دیا۔ بدل تو دیا مگر کامیابی نہ ہوئی کیونکہ ان کے بےشمار علما کو اقرار کرنا پڑا ہے

---

(۳۳۷) ازواج رسول

پ ۲۱ الاحزاب ع ۴۔ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ

Marfat.com

اللہ وَرَسُولَہٗ وَالدَّارَ الاٰخِرَۃَ فَاِنَّ اللّٰہَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْکُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا۔

(اے رسول تم اپنی بیبیوں سے کہہ دو اگر تم فقط دنیوی زندگی اور اس کی آسائش و زیبائش کی خواہاں ہو تو ادھر آؤ میں تم کو کچھ ساز و سامان دے دوں اور بعنوان شائستہ رخصت کر دوں اور اگر تم خدا اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کی خواہاں ہو تو اچھی طرح خیال رکھو کہ تم میں سے نکوکار عورتوں کے لیے خدا نے یقیناً بڑا اجر و ثواب مہیا کر رکھا ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ ازواج رسول میں دو گروہ تھے ایک گروہ چاہتا تھا کہ اچھا کھانے اور پہننے کو ملے ان سے کہا گیا کہ ایسی صورت میں رسول تم کو اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتے اور کچھ دے دلا کر تم کو رخصت کر دیں گے دوسرا گروہ ان مقدس خواتین کا تھا جو اللہ اور رسول کی خوشنودی کی خواہاں تھیں اور آرائش و زیبائش کو پسند نہ کرتی تھیں ان سے کہا گیا تمہارے لئے اجر عظیم ہے آگے ارشاد ہوتا ہے۔

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ مَنْ یَّاْتِ مِنْکُنَّ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ یُّضٰعَفْ لَہَا الْعَذَابُ ضِعْفَیْنِ وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرًا وَمَنْ یَّقْنُتْ مِنْکُنَّ لِلّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِہَآ اَجْرَہَا مَرَّتَیْنِ وَاَعْتَدْنَا لَہَا رِزْقًا کَرِیْمًا۔

(اے نبی کی بیبیو تم میں سے جو کوئی کسی صریحی ناشائستہ حرکت کی مرتکب ہو گی تو یاد رہے کہ) اس کا عذاب بھی دوگنا کر دیا جائے گا اور یہ خدا کے واسطے آسان ہے اور جو بی بی خدا اور اس کے رسول کی تابعداری اور اچھے اچھے کام کرے گی تو ہم اس کا ثواب دہرا کر دیں گے ہم نے اس کے لئے (جنت میں) عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ازواج میں کچھ مخدرات ایسی تھیں کہ ان کو تنبیہ ضرورت پیش آئی ورنہ حرم رسول میں تنبیہہ کا کہاں گزر پھر تنبیہ بھی ایسی کردو

Marfat.com

عذاب کی خبر دی گئی گناہ کے لحاظ ہی سے تو سزا ہوتی ہے دوسرے گروہ کے لئے دو گنے اجر کا وعدہ کیا گیا ہے۔ سوچنے کی بات ہے بے وجہ تو کسی کو نہیں ٹوکا جاتا آخر کچھ تو تھا جس کی وجہ سے غیرت الٰہیہ کے ابرو پر بل پڑے اور جو کچھ کہا گیا ہے اس کا لب و لہجہ بتا رہا ہے کہ ناپسندیدگی کا اظہار کیا جا رہا ہے ایسی حالت میں کیسے سمجھا جائے کہ ازواج رسول پر ہر طرف سے تطہیر کے پھول برستے تھے۔

کاش اتنے ہی پر تنبیہ ختم ہو جاتی مگر نہیں اس کا سلسلہ تو سورۂ احزاب میں دور تک چلا گیا ہے۔ جو باقی ہے وہ بھی سن لیجئے:-

یَا نِسَاءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِیْنَ الزَّکٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَالْحِکْمَةِ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ لَطِیْفًا خَبِیْرًا۔

(اے نبی کی بیبیو تم معمولی عورتوں جیسی تو ہو نہیں اگر تمہیں پرہیزگاری منظور ہے تو (اجنبی آدمی سے) بات کرنے میں نرم نرم (لگی لپٹی) بات نہ کرو تاکہ جس کے دل میں (شہوت زنا کا) مرض ہو وہ کچھ اور آرزو نہ کرے اور صاف صاف بعنوان شائستہ بات چیت کیا کرو اور اپنے گھروں میں نچلی بیٹھی رہا کرو اور پچھلے زمانہ جاہلیت کی طرح بناؤ سنگھار نہ دکھاتی پھرو اور پابندی سے نماز پڑھو۔ زکوٰۃ دیا کرو۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو (اے پیغمبر کے اہلبیت) خدا تو بس یہ چاہتا ہے کہ تم کو ہر قسم کی برائی سے پاک رکھے اور ہم پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے ویسا رکھے اور (اے نبی کی بیبیو،

تمھارے گھروں میں جو خدا کی آئتیں اور عقل کی باتیں پڑھی جاتی ہیں ان کو یاد رکھو بیشک خدا بڑا باریک بین واقف کار ہے)

ان آیات میں ازواج رسول کو جن باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اگر حرم رسول میں ان کا رواج نہ ہوتا تو خواہ مخواہ ان کو ذکر کرنے اور تنبیہہ کرنے کی ضرورت کیا تھی۔ روکا تو کرنے والے ہی کو جاتا ہے نہ کہ نہ کرنے والے کو۔

(۱) چکنی چپڑی باتیں نہ کریں جیسے عام عورتیں کیا کرتی ہیں۔

(۲) صاف صاف بات کیا کریں تاکہ کوئی دھوکہ میں نہ رہے اور بدگمانی راہ نہ پائے

(۳) گھروں میں خاموشی سے بیٹھے رہنے کی ہدایت کی گئی تاکہ عام عورتوں کی طرح ادھر ادھر نہ چلیں پھریں میدان جنگ میں جانے کا تو ذکر ہی کیا۔

(۴) دورِ جاہلیت کی عورتوں کی طرح اپنا بناؤ سنگھار اجنبی عورتوں کو نہ دکھائیں۔

(۵) پابندی سے نماز پڑھیں۔

(۶) پابندی سے زکوٰۃ دیں۔

(۷) اللہ و رسول کی اطاعت کرتی رہیں۔ نافرمانی سے بچیں۔

(۸) اپنے گھروں میں آیات الٰہی کی تلاوت کریں اور علم و حکمت کی باتیں سیکھیں۔

ان آیات کے درمیان ایک بے جوڑ آیت حضرت جامع القرآن نے رکھ دی ہے یعنی آیت تطہیر۔ اول و آخر آیات میں ازواج رسول کو تنبیہہ کی جا رہی ہے برائیوں سے روکا جا رہا ہے بیچ میں ان کی طہارت اور پاکیزگی نفس کا ذکر چھڑ گیا۔ یہ کیا بات ہوئی۔ مذمت بھی انتہا درجہ کی اور تعریف بھی حد درجہ کی۔

آیہ تطہیر کے متعلق اکثر علماء کا اتفاق ہے کہ حضرت علی و فاطمہ اور حسن و حسین کے بارے میں ہے لیکن بعض مفسرین اہلسنت کا خیال ہے کہ اس میں ازواج بھی شامل ہیں لیکن یہ رائے چند وجوہ سے باطل ہے۔

Marfat.com

(۱) اگر ازواج داخل ہوتیں تو جس طرح آیہ تطہیر کے ماقبل و مابعد جمع مؤنث حاضر کی ضمیریں لائی گئی ہیں اسی طرح آیہ تطہیر میں بھی باقی رہتیں۔

(۲) اگر آیہ تطہیر کو بیچ میں سے نکال لیا جائے اور ماقبل و مابعد کو ملا کر پڑھا جائے تو سلسلہ قائم رہتا ہے اور ربط میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی۔

(۳) اگر ازواج شامل ہوتیں تو ان کی تعداد نو تھی اور اہل بیت کی چار ان میں بھی حضرت فاطمہ عورت تھیں پس عورتوں کی تعداد دس ہو جاتی ہے اور مرد تین رہتے ہیں اس صورت میں بقاعدۂ تغلیب آیت تطہیر میں ساری ضمیریں مؤنث کی لائی جاتیں نہ کہ مذکر کی۔

(۴) زید بن ارقم صحابی کا قول ہے کہ ازواج اہلبیت نہیں ہو سکتیں یہ تو آج ہیں کل طلاق دیدی الگ ہو گئیں بلکہ اہل بیت سے مراد وہ ہیں جن پر اللہ نے صدقہ حرام کیا ہے

(۵) اگر ازواج بھی شامل ہوتیں تو جس وقت خانہ ام سلمہ میں یہ آیت نازل ہوئی تھی اور انہوں نے ردائے رسول کا کونا اٹھا کر اندر داخل ہونا چاہا تھا تو باوجود صاحب ایمان بی بی ہونے کے حضرت رسول خدا نے ان کو داخلہ سے روک کیوں دیا اور چادر کا کونا ان کے ہاتھ سے کھینچ لیا اور یہ کہہ کر ان کی تسلی کیوں کی انت علی الخیر یعنی دیے تو تم نیک ہو لیکن اس چادر میں داخل ہونے کی اہلیت نہیں رکھتیں اس واقعہ کو تقریباً تیس پینتیس راویوں نے نقل کیا ہے (دیکھو مسند احمد حنبل تفسیر ثعلبی، تفسیر سیوطی)

کیسی عجیب بات ہے کہ لوگوں کی سمجھ میں اتنی بات نہیں آتی کہ جن خواتین کو لعنت سے سخت تنبیہہ کی جا رہی ہو۔ بات بات پر ٹوکا جا رہا ہو جن کو پابندی سے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا جا رہا ہو۔ اطاعت رسول کی طرف رغبت دلائی جا رہی ہو۔ وہ بیبیاں کیونکر ہو سکتی ہیں کہ ان کی شان میں اللہ تعالیٰ یہ فرمائے کہ تم کو ہر ظاہری و باطنی نجاست سے پاک صاف رکھا گیا ہے اور ایسا پاک کیا گیا ہے جو پاک کرنے کا حق ہے یہ بات تو ظاہر ہے کہ رسول کے بیت النبوت میں دو گروہ تھے ایک ازواج کا دوسرا

Marfat.com

اہل بیت کا ان کے خصائل و عادات جدا جدا تھے ان کے درمیان کوئی ربط نہ تھا اگر ازواج آیت تطہیر کا مصداق ہوتیں تو مباہلہ میں آنحضرت ضرور ان کو اپنے ساتھ لے جاتے۔

(۲۳۸) رسول کے حکم کے بعد کسی کو کچھ کہنے کا حق نہیں

پ۲۲ الاحزاب ع ۵: وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا۔

(کسی ایماندار مرد یا عورت کو یہ مناسب نہیں کہ خدا اور اس کے رسول جس امر میں حکم دیں تو ان کو اس کام (کے کرنے یا نہ کرنے) کا اختیار ہو جس نے خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو گیا)

جب روز غدیر خم بحکم خدا رسول نے حضرت علی کی خلافت کا اعلان کر دیا تو اب یہ کسی کو یہ حق نہیں کہ اس فیصلہ کو رد کر دے یا اس میں اپنی رائے سے تبدل و تغیر کر دے جن لوگوں نے اس حکم کو نہ مانا وہ گمراہی میں رہے۔

(۲۳۹) لے پالک کی زوجہ مطلقہ سے عقد ہو سکتا ہے

پ۲۲ الاحزاب ع ۵: فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا

غرض جب زید اپنی حاجت پوری کر چکا (طلاق دیدی) تو ہم نے (حکم دے کر) اس عورت (زینب بنت جحش) کا نکاح تم سے کر دیا تاکہ عام مومنین کو اپنے

Marfat.com

لے پالک لڑکوں کی بیبیوں سے نکاح کرنے میں جب وہ اپنا مطلب ان عورتوں سے پورا کر چکیں (طلاق دیدیں) کسی طرح کی تنگی نہ رہے اور خدا کا حکم تو کیا کرایا ہوا ہوتا ہے)

زید بن حارثہ رسول اللہ کا غلام تھا آپ نے اسے لے پالک بنالیا تھا آپ نے خلاف دستور عرب اپنی پھوپھی زاد بہن زینب سے اس کا نکاح کردیا۔ زینب کو یہ تعلق (غلام سے شادی ہونا) پسند نہ آیا۔ رات دن زن و شوہر میں جھگڑا رہنے لگا۔ آخر زید نے طلاق دیدی چونکہ زینب نے محض حکم رسول کی بناپر شادی کرلی تھی اس لیے بہت شکستہ خاطر تھیں بحکم خدا طلاق کے بعد رسول اللہ نے ان کو اپنی زوجیت کا شرف بخشا اس شادی سے رسول نے عرب کی ایک بڑی بدرسم کو توڑا۔ وہ یہ تھی کہ لوگ لے پالک کو مثل اپنی صلبی اولاد کے سمجھتے تھے اسے میراث میں شریک کرتے تھے اس کی مطلقہ سے قریبی رشتہ دار شادی نہیں کرتے تھے رسول اللہ نے لوگوں کو آگاہ کیا کہ خدا کے نزدیک لے پالک پر صلبی اولاد کے احکام جاری نہیں ہوتے۔

(۲۴۰) محمدؐ کسی امتی کے باپ نہ تھے

پ۲۲ الاحزاب ع ۵ ۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ

محمد تمہارے مردوں میں (حقیقتاً) کسی کے باپ نہیں بلکہ اللہ کے رسول ہیں اور رسولوں کی مہر ہیں (یعنی نبوت ختم کرنے والے ہیں)

زید بن حارثہ کو آنحضرت نے جب کہ وہ بہت کم عمر تھا خرید کرلیا تھا وہ اس وقت سے برابر آپ کی پرورش میں رہا۔ حضرت کی انتہائی شفقت دیکھ کر لوگ اس کو رسول اللہ کا بیٹا کہنے لگے ابن رسول اللہ کہہ کر پکارتے ان کے خیال کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی ہے

Marfat.com

اور لوگوں کو بتایا گیا ہے کہ لے پالک اصلی بیٹا نہیں ہوتا یہی وجہ تھی کہ جب زید نے اپنی بی بی زینب کو طلاق دیدی وہ خاندان رسول سے تھیں تو حضرت نے ان کے ساتھ عقد کر لیا

تمام مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں آپ کے بعد کوئی اور نبی آنے والا نہیں نہ کوئی شریعت۔ آپ ہی کی شریعت قیامت تک چلے گی۔ حضرت کے بعد جو کوئی دعوئی نبوت کرے خواہ ظلی نبی ہو یا بروزی وہ کافر گمراہ ہے

اس آیت سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ حضور اپنی امت میں کسی لڑکے کے باپ نہیں لیکن اپنے نواسوں کے باپ ہیں چنانچہ حسن وحسین فرزندان رسول کہلاتے ہیں مباہلہ کی آیت جب نازل ہوئی تو ابناءنا کی تعمیل میں آپ حسن وحسین ہی کو ساتھ لے کر نکلے تھے اگر وہ فرزندان رسول نہ قرار دیئے جائیں تو پھر بتایا جائے کہ رسول اللہ نے آیہ مباہلہ میں جو ابناءنا ہے اس کی تعمیل کس طرح کی۔

حضورؐ نے فرمایا ہے:۔ اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ ذُرِّيَّةَ كُلِّ نَبِيٍّ فِيْ صُلْبِهٖ وَجَعَلَ ذُرِّيَّتِيْ فِيْ صُلْبِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ (اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی اولاد اس کے صلب سے پیدا کی ہے اور میری اولاد صلب علی سے ہے) بار بار حضور نے مسلمانوں کے بھرے مجمع میں اعلان فرمایا کہ حسن وحسین میرے فرزند ہیں اور فرمایا: ھُمَا اِبْنَایَ اِمَامَانِ قَامَا اَوْ قَعَدَا (وہ دونو میرے فرزند ہیں اور امام خلق ہیں صلح کریں یا جنگ)

---

(۲۴۱) رسول اللہ کو ایک خاص نکاح کی اجازت

پ ۲۲ الاحزاب ع ۶:۔ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

(اور وہ ایماندار عورت بھی حلال کر دی جو اپنے کو بغیر مہر کے نبی کو دیدے اور

نبی بھی اس سے نکاح کرنا چاہتے ہوں (اے رسول) یہ حکم صرف تمہارے ہی لئے ہے مومنین کے لئے نہیں)

یعنی آنحضرت کے لیے حلال عورتوں کی جو تعداد اللہ تعالیٰ نے معین کی ہے ان کے علاوہ ایک صورت نکاح ہبہ کی ایسی ہے جو حضرت کے سوا اور کسی کے لیے حلال نہیں

اس آیت کی شان نزول یہ ہے کہ ماہ رمضان ۸ھ میں قبیلہ بنی اسد کی ایک عورت جس کا نام ام شریک تھا نفیس لباس پہنے اور سولہ سنگھار کیے حضرت کی خدمت میں آئی جب کہ آپ حفصہ کے گھر میں تھے اور کہنے لگی میں کنواری عورت ہوں مجھے کسی مرد نے ہاتھ نہیں لگایا اگر آپ مجھے قبول کریں تو میں اپنا نفس آپ کو بخشتی ہوں حضرت نے اسے دعا دی اور فرمایا اے انصار کی بہن خدا تجھے جزائے خیر دے تمہارے مردوں نے میری نصرت کی اور عورتوں نے میری طرف رغبت کی۔ میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا جو خدا کا حکم ہوگا وہ تیرے پاس پہنچے گا

حفصہ نے کہا اے عورت تو کس قدر بے حیا اور دلیر ہے کہ مردوں پر گرتی پڑتی ہے حضرت نے حفصہ سے فرمایا چپ رہو یہ تجھ سے بہتر ہے کہ اس نے خدا کے رسول کی طرف رغبت کی اور تو اس سے بدتر ہے کہ اسے ملامت کرتی ہے اور اس عورت سے فرمایا خدا نے اس رغبت کی وجہ سے بہشت کو تجھ پر واجب کر دیا۔ غرض اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی اور آپ نے اسے قبول فرما لیا وہ بیچاری چند روز زندہ رہ کر راہی جنت ہوئی۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد عائشہ بولیں خدا آپ کی خواہش پوری کرنے میں بہت جلدی کرتا ہے فرمایا اگر تم بھی خدا کی فرمانبرداری کرو تو تمہاری خواہش بھی جلد پوری کردے

(۲۴۴) بے اذن رسول کے گھر میں داخل ہونے کی ممانعت

پ ۲۲ احزاب ع ۷۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ

Marfat.com

لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ
فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ
وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ
حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ
وَلَا اَنْ تَنْكِحُوْا اَزْوَاجَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۔

(اے ایمان والو پیغمبر کے گھروں میں نہ جایا کرو مگر جب تم کو کھانے کے واسطے اندر آنے کی اجازت دی جائے (ٹھیک وقت پر) پھر جب کھا چکو تو فوراً اپنی اپنی جگہ چلے جایا کرو اور باتوں میں نہ لگ جایا کرو کیونکہ اس سے پیغمبر کو اذیت ہوتی ہے اور وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں (منع نہیں کرتے) اور خدا تو ٹھیک ٹھیک کہنے میں جھجکتا نہیں اور پیغمبر کی بیبیوں سے کچھ مانگنا ہو تو پردہ کے باہر سے مانگا کرو یہی تمہارے اور ان کے دلوں کے لئے بہت صفائی کی بات ہے تمہارے واسطے یہ جائز نہیں کہ رسول خدا کو کسی طرح اذیت دو اور نہ تمہارے لئے یہ جائز ہے کہ تم اس کے بعد کبھی اس کی بیبیوں سے نکاح کرو بیشک یہ خدا کے نزدیک بڑا گناہ ہے)

ان آیات کی شان نزول یہ ہے :۔

زینب سے نکاح کے بعد حضور نے بہت سے لوگوں کو دعوت ولیمہ میں بلایا۔ سب لوگ کھا کر چلے گئے مگر تین آدمی آپس میں باتیں کرنے لگے اور حضور اس انتظار میں رہے کہ یہ لوگ اٹھ کر جائیں تو گھر خالی ہو مگر تہذیب نے حضرت کو صاف کہنے سے روکے رکھا۔ جب بہت دیر ہو گئی تو آپ اٹھ کر ازواج کے حجروں کی طرف چلے گئے تھوڑی دیر بعد واپس آئے تو پھر ان کو گپ شپ کرتے دیکھا۔ غرض خدا خدا کر کے ان لوگوں نے جگہ خالی کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

⁂ ——— ⁂ ——— ⁂

ایک بار آپ حضرت عائشہ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ حضرت عمرؓ آ گئے آپ نے تواضع کی تو بیٹھ گئے اتفاقاً کھانے میں حضرت عمرؓ کی انگلی حضرت عائشہ کی انگلی سے لگ گئی تو آپ کو ناگوار گزرا اور اسی وقت یہ آیت حجاب نازل ہوئی۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ آیہ حجاب نازل ہونے کے بعد ایک دفعہ طلحہ نے کہا اب نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ ہم لوگ اپنی چچازادیوں (پیغمبر کی بیبیوں) سے بھی پردہ سے باہر بات کریں۔ اگر رسول مرے تو میں عائشہ سے ضرور نکاح کروں گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور بتایا گیا کہ عام لوگوں پر پیغمبر کی ازواج حرام کر دی گئیں۔

اسلام لانے کے بعد بھی جاہلیت کے طور طریق مسلمانوں کی رگوں میں خون کی طرح دوڑ رہے تھے وہ یہ سمجھے ہی نہ تھے کہ خدا کے رسول کا کیا مرتبہ ہے کچھ جان کے خوف سے کہ بحالتِ کفر مار ڈالے جائیں گے۔ کچھ مالِ غنیمت کے طمع سے مسلمان تو ہو گئے تھے لیکن اسلامی تہذیب کا ان پر کوئی اثر نہ تھا ایسے اعمال کرتے تھے جن سے رسول کو تکلیف ہوتی تھی لہٰذا ان آیات میں حسب ذیل احکام نازل ہوئے۔

(۱) نبی کے گھروں میں بے اجازت داخل نہ ہوا کریں۔

(۲) ان کے گھروں کو عام لوگوں کی طرح نہ سمجھیں۔

(۳) جب حضور لوگوں کو کھانے کے لئے گھر بلائیں تو تا کا جھانکی نہ کریں اور یہ نہ دیکھیں کہ حضور کے گھر میں کیا کیا برتن ہیں۔ کیا کیا سامان ہے۔ بتایا گیا کہ تم کھانے کے لئے آتے ہو نہ کہ سامان کی جانچ پڑتال کے لئے۔

(۴) کھانے کے بعد فوراً وہاں سے چل دینا چاہیئے مثلاً مشہور ہے "نان کہ خوردی خانہ برو"

(۵) رسول کے گھر میں کھانے کے بعد گپ شپ نہ کرو کیونکہ میزبان کو یہ امر تکلیف دہ ہوتا ہے۔

(۶) جب کوئی چیز مانگنی ہو تو اجازت کے بغیر رسول کے گھر میں داخل نہ ہو جایا کرو۔

Marfat.com

(۷) جو چیز تم کو مانگنی ہو دروازہ کے پردہ کے پیچھے کھڑے ہو کر مانگو۔ رسول کے پاس یا کسی کے گھر میں بے محابانہ گھسو۔ کیونکہ اس گستاخانہ روش سے بہت خطرات کا سامنا ہو سکتا ہے مردوں اور عورتوں کو برائی سے بچانے کا یہی بہترین طریقہ ہے

(۸) نبی کے مرنے کے بعد ہرگز ان کی کسی بی بی سے نکاح کا ارادہ نہ کرو کیونکہ ازواج نبی امہات المومنین ہیں ان سے نکاح کرنا تم پر ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا گیا ہے۔

یہ سب کچھ ان صحابہ کرام کی تہذیب کے متعلق کہا گیا ہے جو اسلام کی جان کہلاتے ہیں حضرت طلحہ عشرہ مبشرہ میں شمار کیے جاتے ہیں ان کے ارادے کا حال اوپر لکھا جا چکا ہے

(۳۴۳) صلوات میں آل محمدؐ داخل ہیں

پ ۲۲ الاحزاب ع ۷: اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔

(بیشک اللہ اور اس کے فرشتے پیغمبر (اور ان کی آل پر) درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو تم بھی درود بھیجو اور برابر سلام کرتے رہو)

صلوات کے معنی تین صورتوں میں مذکور ہیں اللہ کا درود نزول رحمت ہے ملائکہ کا درود طلب مغفرت ہے اور مومنین کا درود طلب رحمت ہے۔

اس آیت میں بظاہر صرف نبی پر درود بھیجنے کا ذکر ہے مگر ہم آل کو بھی شامل کرتے ہیں حضرات اہل سنت صرف نبی پر درود بھیجتے ہیں اور کہتے ہیں آل کو اس میں کیوں داخل کیا جائے جب کہ خدا نے ذکر نہیں کیا ہم کہتے ہیں داخل تو اس کو کیا جاتا ہے جو خارج ہو محمدؐ و آل محمدؐ ایک ہی نور سے ہیں۔ ایک جان اور چند قالب ہیں ان کو علیحدہ رکھنا کیا معنی

امام رازی نے اسرار التنزیل میں اور اپنی تفسیر میں یہ اقرار کیا ہے کہ حضرتؐ کے اہلبیت

Marfat.com

پانچ چیزوں میں برابر کے شریک ہیں منجملہ ان کے تشہد میں درود بھیجنا ہے۔ (سنن ابوداؤد میں ابن شیبہ سے روایت ہے اور اس کی تصحیح ترمذی۔ حاکم ابوالقاسم۔ ابن خزیمہ ابن مسعود نے کی ہے کہ لوگوں نے حضرت رسول خدا سے پوچھا کہ آپ کو سلام کرنا تو ہم جانتے ہیں مگر آپ پر درود کیسے بھیجیں فرمایا یوں کہو:- اللھم صلّ علی محمد وآل محمد کما صلیت علی ابراھیم وآل ابراھیم

صواعق محرقہ میں ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:- لاتصلّوا علیّ الصلوٰۃ صلوٰۃ البتراء (مجھ پر ناقص صلوات نہ بھیجا کرو) لوگوں نے پوچھا ناقص درود کیا ہے فرمایا:- صلّ علی محمد کہہ کر رہ جاؤ یہ ناقص درود ہے بلکہ یوں کہو:- اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ۔ علامہ بیہقی نے اپنی سنن میں لکھا ہے: مَنْ لَّمْ یُصَلِّ عَلٰی محمد آل محمد فَلْیُعِدْ صَلَاتَہٗ (جو شخص نماز میں آل محمد پر درود نہیں بھیجتا اسے چاہیے اپنی نماز کا اعادہ کرے)

ان سب سے قطع نظر خود قرآن میں سلامٌ علیٰ اِلْ یاسین موجود ہے اور یٰسین پیغمبر کا نام ہے پس جیسے سلام ویسے درود اگر کہا جائے کہ یہ لفظ الیاسین ہے آل یٰسین نہیں تو کس قدر تعجب کی بات ہے کہ مسلمان الیاس کی اولاد پر تو سلام بھیجنا پسند کرتے ہیں مگر اولاد رسول پر نہیں کیا اولاد رسول کا مرتبہ اولاد الیاس سے بھی کم ہے۔

اس کے علاوہ بقول علامہ زمخشری قرآن میں جب عام مومنین پر صلوات کا حکم ہے تو آل رسول تو بذریعہ اولیٰ اس کے مستحق ہیں۔ آیت یہ ہے:-

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ۔

(بشارت ہو ان صبر کرنے والوں کو جن پر جب کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہم کو اللہ ہی کی طرف جانا ہے یہ وہ ہیں جن پر اللہ کی صلوات و رحمت ہے)

کس قدر دشمنی ہے آل رسول سے کہ عام مومنین پر تو درود بھیجنا ناگوار نہیں اگر ہے تو آل رسول پر گویا وہ عام مومنین سے بھی پست درجہ کے لوگ ہیں۔

Marfat.com

امام شافعی فرماتے ہیں :-

یَا اَھْلَ بَیْتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ حُبُّکُمْ　فَرْضٌ مِنَ اللّٰہِ فِی الْقُرْاٰنِ اَنْزَلَہٗ

کَفَاکُمْ بِعَظِیْمِ الْقَدْرِ اَنَّکُمْ　مَنْ لَمْ یُصَلِّ عَلَیْکُمْ لَا صَلٰوۃَ لَہٗ

(اے اہلبیت رسول قرآن میں اللہ نے تمہاری محبت کو فرض کیا ہے تمہاری عظمت قدر کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ جو تم پر درود نہ بھیجے اس کی نماز قبول نہ ہوگی)

رسول نے فرمایا ہے :- اَنَا وَعَلِیٌّ مِنْ شَجَرَۃٍ وَّاحِدَۃٍ (میں اور علی ایک درخت سے ہیں) پس کون احمق درختوں کو شاخوں سے جدا کر دے گا نیز یہ بھی فرمایا ہے :- یا علی اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ الرَّاْسِ مِنَ الْجَسَدِ (اے علی تمھاری نسبت مجھ سے وہی ہے جو سر کی نسبت جسم سے ہے) کوئی ہمیں بتائے کہ کیا سر جسم سے جدا ہوتا ہے یہ بھی فرمایا ہے :- یا علی نفسک نفسی (اے علی تمہارا نفس میرا نفس ہے) مباہلہ میں عملاً بھی اس کو دکھا دیا اس پر بھی اگر کوئی نہ مانے تو اس ہٹ دھرمی کا کیا علاج ؟

(۳۴۲) نواسیاں داخل اولاد ہیں

پ ۲۲ احزاب ع ۸ :- یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَبَنٰتِکَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ -

(اے نبی اپنی بیبیوں اور بیٹیوں اور مومنین کی عورتوں سے کہہ دو کہ باہر نکلتے وقت اپنے (چہروں اور گردنوں) پر اپنی چادروں کا گھونگٹ ڈال لیا کریں)

یہاں بنات میں نواسیاں اور پوتیاں سب شامل ہیں ورنہ ان کے لیے علیحدہ سے حکم دیا جاتا اس دلیل سے ہم حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی بیٹیوں کو بنات رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتے ہیں اور اسی دلیل سے ہم حسنین علیہما السلام کو ابنائے رسول کہتے ہیں ؂

(۳۴۵) حضرت داؤد کے لئے لوہا نرم ہو جاتا تھا

پ۲۲ اسباع ۲- وَاَلَنَّا لَہُ الْحَدِیْدَ (ہم نے داؤد کے لئے لوہا نرم کر دیا)

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کو نبوت، علم و حکمت و زبور کے علاوہ خوش الحانی بھی عطا فرمائی تھی۔ زرہ بنانے کی ایجاد آپ ہی نے کی آپ کے ہاتھ میں آتے ہی لوہا موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا اور آپ زرہ، زرہ کے چھوٹے چھوٹے حلقے بنا کر زرہ تیار کرتے تھے جب تیار ہو جاتی تو اسے فروخت کر کے اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے نفقہ فراہم کرتے اور ضرورت سے جو بچتا اسے غریبوں اور محتاجوں کو دے دیتے۔

---

(۳۴۶) حضرت سلیمان کے لئے ہوا اور جنات کا مسخر کرنا

پ۲۲ اسباع ۲۔ وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَیْنَ الْقِطْرِ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ یَّعْمَلُ بَیْنَ یَدَیْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وَمَنْ یَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِیْرِ یَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَتَمَاثِیْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ۔

(اور ہم نے ہوا کو سلیمان کا تابعدار بنا دیا تھا کہ اس کی صبح کی رفتار ایک مہینہ کی مسافت) اور شام کی رفتار ایک مہینہ کی تھی اور ہم نے اس کے لئے تانبے کو پگھلا کر چشمہ جاری کر دیا تھا اور جنات کو اس کے تابع کر دیا تھا کہ ان میں سے کچھ لوگ حکم پروردگار سے ان کے سامنے کام کاج کرتے تھے اور جس نے ہمارے حکم سے انحراف کیا اسے ہم قیامت میں جہنم کا مزہ چکھائیں گے غرض سلیمان کو جو بنوانا منظور ہوتا جنات ان کے لئے بناتے تھے جیسے مسجدیں، محل، قلعے اور (فرشتوں اور انبیا)

کی تصویریں اور حوضوں کے برابر پیالے اور (ایک جگہ) گڑی ہوئی (بڑی بڑی) دیگیں (کہ ایک ہزار آدمی کھانا کھا سکیں)

ہم نے یہ ترجمہ مولانا فرمان علی صاحب مرحوم کے مترجمہ قرآن سے لیا ہے۔
ان آیات میں چند باتیں تفسیر طلب ہیں:۔

(۱) بساطِ سلیمان کیا تھا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ ایک تخت تھا اتنا بڑا جس پر آپ کے وزراء و ارکان سلطنت کے علاوہ آپ کا لشکر بھی سوار ہوتا تھا ہوا اس کو اس تیزی سے اڑا کر لے جاتی تھی کہ صبح کو مرتہ سے چلتے جو شام میں تھا تو دوپہر کو شیراز میں تھوڑی دیر آرام کرتے اور شب کو کابل میں رہتے کبھی صبح صادق کو عراق سے چلتے اور مرو میں ہوتے اور ظہر کی نماز بلخ میں پڑھتے اور پھر ترکستان میں آتے اور وہاں سے چین و کرمان و فارس ہوتے ہوئے دوسری صبح کو مرتہ میں پہنچتے (حاشیہ مولانا فرمان علی صاحب) اس بیان میں کسی امام کا قول نقل نہیں ایک ایسی روایت ہے جس کے اسناد مفقود ہیں۔ مولانا صاحب مرحوم نے ایک جگہ تحریر فرمایا ہے جس کو ہم پہلے نقل کر آئے ہیں کہ حضرت سلیمان کا لشکر سو کوس میں پھیلتا تھا جس تخت پر یہ سو کوس میں پھیلنے والا لشکر بیٹھتا ہوگا اس کی وسعت کا اندازہ کیجئے کیونکہ تحریر فرماتے ہیں کہ لشکر کے علاوہ ارکان سلطنت بھی بیٹھتے تھے جن کے متعلق لکھ چکے ہیں کہ ایک ہزار چاندی سونے کی کرسی ان کے لئے بچھتی تھی تو آپ تصور کیجئے یہ تخت کتنا بڑا ہوگا۔ پھر حضرت سلیمان کی سیر کی منازل جس تفصیل سے یہاں فرمائی ہیں ان کا ذکر توریت میں نہ قرآن میں۔ تاریخ اسلام اس وقت تک مدون ہی نہ ہوئی تھی پھر یہ منازل نام بنام کہاں سے نقل ہوئیں۔ قصص الانبیاء والوں نے تو ایسے قصے بہت سے لکھے ہیں لیکن ان کی سند کچھ بھی نہیں قیاس آرائیاں ہیں یا اپنی تاریخوں کو دلچسپ بنانے کے لئے ایسا کیا گیا ہے روضۃ الصفا والے نے جابجا ایسی لایعنی روائتیں حالات انبیاء کے سلسلے میں بیان کر دی ہیں۔

(۲) مفسرین نے اس کی توضیح نہیں کی کہ تانبے کا جو چشمہ بہایا گیا تھا عہد سلیمانی

Marfat.com

میں اس کا مصرف کیا تھا جب قرآن مجید میں ہے تو ضرور کسی غرض سے ایسا عمل میں آیا ہوگا۔

(۴) سرسید احمد خاں صاحب جنات کو کوئی عجیب وغریب آتشیں مخلوق جو انسان کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوں نہیں مانتے بلکہ ان کے نزدیک جن اس مخلوق کو کہتے ہیں جو نہایت قوی الجثہ، بدمزاج اور سرکش ہو۔ قد و قامت کے لحاظ سے عام انسانوں میں اور ان میں بہت فرق ہو۔ لیکن سید صاحب کا یہ کہنا صحیح نہیں کیونکہ اگر وہ کوئی جداگانہ مخلوق نہ ہوتے تو قرآن میں ان کا ذکر علیحدہ سے نہ کیا جاتا اور یَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ نہ کہا جاتا۔ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ میں ان کو انسانوں سے جدا نہ کیا جاتا۔

اگر جن ہماری نظروں سے پوشیدہ ہیں تو حضرت سلیمان نے ان کو زنجیروں سے کیسے جکڑا تھا اور ان کی پس پشت کیسے کھڑے ہوتے تھے جواب یہ ہے کہ حضرت سلیمان کو ایک ایسا علم خاص دیا گیا تھا کہ وہ جنات کو ایک مادی صورت میں اپنے سامنے حاضر کر لیتے تھے۔

(۵) جو چیزیں حضرت سلیمان نے جنوں سے بنوائی تھیں ان میں تماثیل کا بھی لفظ ہے مولانا فرمان علی صاحب نے اس کا ترجمہ تصاویر کیا ہے لیکن یہ غلط ہے۔ حضرت ابراہیم کا یہ قول قرآن میں موجود ہے: مَا هَٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ (یہ کیا مورتیاں ہیں جن کو تم گھیرے بیٹھے ہو) یہاں تصاویر مراد نہیں کیونکہ وہ تصویروں کی پوجا نہیں کرتے تھے بلکہ مورتیوں کی کرتے تھے لیکن یہاں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اسلام میں مجسمہ بنانا جائز نہیں پھر جناب سلیمان ایسا کیوں کرتے تھے۔ جواب یہ ہے کہ یہ مجسمے انبیاء وغیرہ کے نہ تھے بلکہ ان عمارات مقدسہ کے تھے جو حضرات انبیاء کے زمانہ میں بنی تھیں وہ بھی محض تذکر کے لئے۔ یہ کہنا بھی غلط ہے کہ انبیاء کے مجسمے محض تذکر کے لئے بنائے گئے تھے کیونکہ بت سازی کی کسی زمانہ میں قدرت نے اجازت نہیں دی اس لئے کہ ڈر اندیشہ یہ ہوتا ہے کہ جو چیز محض اظہار عظمت کے لئے بنائی جاتی ہے وہ رفتہ رفتہ

معبود بن جاتی ہے جیسا کہ جناب شیث کے بیٹے کے متعلق ایسا ہو چکا ہے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ منجملہ ان عمارات کے جو حضرت سلیمان نے جنات کے ہاتھوں سے بنوائی تھیں۔ بیت المقدس کی مسجد بھی تھی اس کی بنیاد حضرت داؤد نے رکھی تھی مگر جب قدآدم تک دیواریں بن گئیں تو حکم خدا ہوا کہ اسے چھوڑ دو۔ اس وقت حضرت داؤد کا سن ۱۲۷ سال کا تھا اور ۱۴۰ سال کے سن میں انتقال فرمایا ان کے انتقال کے وقت حضرت سلیمان کا سن تیرہ برس کا تھا جب آپ کو بیت المقدس کی تعمیر کا حکم ہوا تو آپ نے قیمتی پتھروں کو ترشوا کر یہ مسجد بنوائی چنانچہ یاقوت۔ زمرد اور چاندی کی تختیوں سے دیواریں بنیں ان میں اعلیٰ قسم کے موتی لگائے گئے۔ فیروزہ کا فرش تھا اور یاقوت و زبرجد کے ستون جواہرات کی جڑاؤ چھت ان کی اس قدر چمک اور روشنی تھی کہ رات میں روشنی کرنے کی ضرورت باقی نہ رہتی۔ الغرض یہ سب اس کے سامان تھے جسے بخت النصر اجاڑ کر عراق لے گیا۔ اور اس کا کچھ نشان ہی باقی نہ رہا اور یہ عمارت جو اب ہے بہت بعد کی بنی ہوئی ہے

یہ روایت کان کو نہیں لگتی جس خدا نے حضرت ابراہیم سے اپنا گھر (کعبہ) کھردرے بن گھڑے پتھروں سے بنوایا تھا وہ بھلا سلیمان کو کیسے اجازت دیتا کہ ایسا ترک بھڑک کا جواہرات سے چمکتا ہوا چاندی سونے سے جھلکتا ہوا اس کے نام کا گھر بنایا جائے حضرت سلیمان کے بعد سلاطین نے جو رنگ آمیزی کی ہو وہ کی ہو سلیمان نے تو ہرگز ایسا گھر نہ بنایا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے گھر کو عجائب خانہ بنوا کر نہیں دکھانا چاہتا بلکہ اس کی تقدیس وعظمت دکھانے کے لئے بلاتا ہے اپنے حکم کی تعمیل کے لئے بلاتا ہے لوگ اس لئے نہ آئیں کہ وہاں جواہرات کی چمک دیکھیں گے موتیوں کی جھالریں لٹکتی دیکھیں گے بلکہ حصول برکت کے لئے آئیں

(۶) اگرچہ مفسرین نے روشنی نہیں ڈالی مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تانبے کا جو چشمہ رواں ابلا تھا وہ اس لئے ہوگا کہ اس سے جنات بڑی بڑی دیگیں اور پیالے وغیرہ بنائیں اور

Marfat.com

اس لئے بنوائی گئیں تاکہ بیشمار لوگوں کو کھانا پکا کر کھلایا جا سکے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان بہت بڑے مہمان نواز تھے۔

(۲۴۷) حضرت سلیمان کی موت کا واقعہ

پ ۲۲ سبا ع ۲ ۔ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ

جب ہم نے سلیمان پر موت کا حکم جاری کیا تو مر گئے مگر کھڑے رہے اور جنات کو کسی نے ان کے مرنے کا پتہ نہ بتایا مگر زمین کی دیمک نے کہ وہ سلیمان کے عصا کو کھا رہی تھی پھر جب کھوکھلا ہو کر ٹوٹ گیا تو سلیمان کی لاش گری تو جنات نے جانا کہ اگر وہ غیب دان ہوتے تو اس ذلیل کرنے والی دکام کرنے کی مصیبت میں مبتلا نہ رہتے)

مسجد بیت المقدس کی تعمیر ابھی ناتمام تھی کہ حضرت سلیمان نے اپنے ارکان سلطنت سے فرمایا کہ باوجودیکہ خدا نے مجھے اتنی بڑی سلطنت عطا کی ہے مگر میں ایک دن آرام سے نہیں بیٹھا آج فلاں محل میں جاتا ہوں میرے پاس کوئی نہ آئے۔ الغرض آپ محل کے بالاخانہ پر گئے لاٹھی کا سہارا دیئے اطراف و جوانب کا نظارہ کر رہے تھے کہ ملک الموت نے آپ کی روح قبض کر لی لیکن آپ اس طرح بقدرت خدا کھڑے رہے اور جنات اس خیال سے کہ آپ زندہ ہیں بدستور اپنے اپنے کام میں مشغول رہے جب اس کو ایک مدت گزر گئی اور مسجد تعمیر ہو گئی تو دیمک نے عصا کو کھا کر کھوکھلا کر دیا اور آپ گر پڑے تب جنات سمجھے کہ آپ مر گئے ہیں اس کے بعد وہ چلتے بنے۔

Marfat.com

(۲۴۸) وارث کتاب اللہ کون ہیں

پ ۲۲ فاطر ع ۴ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرَاتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ

(ہم نے اپنے بندوں میں سے خاص ان کو قرآن کا وارث بنایا جنھیں (اہل سمجھ کر) ہم نے منتخب کیا ہے کیونکہ بندوں میں کچھ تو نافرمانی کر کے اپنی جان پر ستم ڈھاتے ہیں کچھ ان میں سے (نیکی و بدی ملا کے) درمیان میں ہیں اور ان میں کچھ نیکیوں میں اوروں سے سبقت لے گئے ہیں باذن خدا اور یہی سبقت خدا کا سب سے بڑا فضل ہے)

زمخشری نے تفسیر کشاف میں لکھا ہے ان بندوں سے آنحضرت کی امت کے وہ صحابہ تابعین، تبع تابعین مراد ہیں جو قیامت تک کتاب خدا کے سچے وارث اور اسی کے مطابق ہادی ہوں گے اور جن کو خدا نے لِتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ فرمایا ہے اور اس آیت کی تفسیر میں بحوالہ شواہد التنزیل حاکم ابو القاسم بیان کیا گیا ہے کہ خدا کی حجت اور خلق خدا کے گواہ حضرت علی اور ان کی اولاد ہیں تو حسب اصول موضوعہ کتاب خدا کے وارث بھی آئمہ معصومین علیہم السلام قرار پائے عجب نہیں کہ زمخشری کا بھی یہی منصوبہ ہو کیونکہ آنحضرت کے بعد صحابہ تابعین اور تبع تابعین میں ان کے سوا اور کون ہادی ہو سکتا ہے اس کی تائید حافظ ابوبکر نے بھی کی ہے انھوں نے صاف لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت علی کی شان میں ہے اور یہی وجہ ہے کہ بقول ابن حجر صاحب صواعق محرقہ تمام صحابہ میں جناب امیر کے سوا کسی نے سلونی قبل ان تفقدونی کا دعویٰ نہیں کیا یہ ظاہر ہے کہ اگر آپ کتاب خدا کے وارث نہ ہوتے تو ایسا دعویٰ نہ کرتے (منقول از حاشیہ مولانا فرمان علی صاحب)

اس آیت میں تین قسم کے لوگ ذکر کئے گئے ہیں

(۱) ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ یہ تو انتخاب میں اس لئے نہیں آ سکتے کہ اول تو ان میں اپنے نفس پر

Marfat.com

ظلم کرنے کا عیب ہے دوسرے ان سے اوپر ایک طبقہ موجود ہے مقتصد

(۲) مقتصد:- یہ بھی انتخاب میں نہیں آسکتے کیونکہ ان کے اعمال میں بدی شامل ہے دوسرے یہ کہ ان کے اوپر ایک طبقہ سابق بالخیرات کا ہے۔ اگر فاضل کے ہوتے مفضول کو ترجیح دی جائے گی تو یہ خلاف عقل و انصاف ہوگا۔

(۳) سابق بالخیرات:- یعنی نیکیوں کی دوڑ میں سب سے آگے رہنے والے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ کون لوگ ہیں جہاں تک دائرہ عمل میں غور کیا جائے گا۔ حضرت علی سے آگے جانے والا کوئی نظر نہ آئے گا۔ کھلی ہوئی بات یہ ہے کہ تمام مسلمانوں سے سات برس پہلے آپ نے رسول کے پیچھے نماز پڑھی اور مردوں میں سب سے پہلے آپ ہی نے اظہار ایمان کیا۔ جہاد میں سب سے آگے آپ ہی رہے۔ سخاوت میں سب سے زیادہ سخاوت آپ ہی نے کی۔ حفاظت رسول میں سب سے آگے قدم آپ ہی کا رہا۔ زہد و ورع میں سب سے بڑا حصہ آپ ہی نے لیا۔ چنانچہ اویس قرنی جیسا زاہد و تارک الدنیا یہ کہتا رہا "علی کے قدم کی خاک اویس کی آنکھوں کا سرمہ ہے"۔ سلمان و ابوذر و عمار جیسے زاہد علی کے دروازہ پر جبیں سائی اپنا فخر سمجھتے تھے۔

کتاب اللہ کی وراثت مال جیسی وراثت نہیں کہ ایک کے بعد دوسرے کی طرف ازروئے قرابت نسبی منتقل ہو جائے خواہ وہ اہل ہو یا نااہل بلکہ وراثت کتاب تو اس سے متعلق ہوگی جو عالم کتاب ہوا اور یہ مسلم ہے کہ تمام اصحاب رسول میں علی سے زیادہ عالم کوئی نہ تھا۔ صاحب ارجح المطالب نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ ابن عباس نے فرمایا:

"میرا علم علی کے علم سے ہے اور علی کا علم نبی کے علم سے ہے اور نبی کا علم خدا کے علم سے ہے اور میرا اور تمام اصحاب محمد کا علم علی کے علم کے مقابل ایسا ہے جیسے سات سمندر کے مقابل ایک قطرہ"

وراثت کتاب کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسے حفظ کر لیا جائے یا بغل میں لئے رہیں

Marfat.com

بلکہ یہ غرض ہے کہ آیات کے مفاہیم کو صحیح طریقہ سے سمجھایا جائے اور عمل کی صحیح صورت لوگوں کو بتائی جائے یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ اب وارث کتاب علماء دین ہیں اگر علماء دین کے پاس صحیح علم ہوتا اور وہ کسی ایک تفسیر پر متفق ہوتے اور آیات متشابہات کی ایک ہی تاویل بالاتفاق بیان کرتے تو ایک دین کے تہتر فرقے نہ ہوتے۔

جو حقیقی وارث کتاب اللہ تھے حدیث ثقلین میں رسول اللہ نے ان کو کتاب کے ساتھ کر دیا تھا اور یہ بھی فرما دیا تھا کہ اگر ان دونوں سے تمسک رکھو گے تو میرے بعد گمراہ نہ ہو گے پس جن لوگوں نے صرف کتاب سے تعلق رکھا اور اہلبیت کا دامن چھوڑ دیا وہ گمراہی سے نہیں بچ سکتے جو کتاب کا وارث ہوگا وہ کتاب کا پورا پورا علم اپنے سینہ میں رکھتا ہوگا اور جو لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے وارث بن گیا ہوگا وہ کیا بتا سکتا ہے کہ کتاب کے اندر کیا ہے اس کو ایک مثال سے سمجھیئے:-

ایک شخص کسی گھر سے ایک بکس چرا کر لے چلا۔ راستہ میں مشتبہ حالت میں پا کر پولیس والے نے ٹوکا کہ یہ بکس کس کا ہے اور کہاں لئے جاتا ہے چور نے دیدہ دلیری سے کہا۔ ہونا کس کا میرا ہے میرے ایک دوست کے یہاں رکھا تھا اب اسے گھر لئے جا رہا ہوں پولیس والا کہتا ہے کیا ہے اس کے اندر وہ کہتا ہے ہونا کیا میرے کپڑے ہیں پولیس نے کہا اس کی کنجی کہاں ہے اسے کھولو تاکہ میں دیکھوں کہ جو تم کہتے ہو وہی ہے۔ چور گھبرا کر کہتا ہے کنجی تو میں گھر بھول آیا اتنے میں بکس کا اصلی مالک و وارث دوڑا ہوا آتا ہے اور کہتا ہے یہ بکس میرا ہے یہ دیکھئے میرے پاس کنجی ہے پولیس والا پوچھتا ہے کیا ہے اس کے اندر وہ کہتا ہے اس میں میرے وہ سرٹیفکیٹ ہیں جو میں نے مختلف اوقات میں حاصل کئے ہیں۔ غرض وہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ کر بکس کھولتا اور دکھاتا ہے:-

(۱) دیکھیئے یہ میری پرخلوص ہمدردی کا سرٹیفکیٹ ہے۔ ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ

(۲) یہ دیکھیئے میں نے حالت رکوع میں انگوٹھی دی تھی اس کی یہ سند لی ہے۔ انما ولیکم اللہ و رسولہ

Marfat.com

(۳) ایک بار میں نے نذر کے تین روزے رکھے اور محتاجوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا دیا تھا اس کی سند یہ ہے۔ یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَیَخَافُوْنَ یَوْمًا کَانَ شَرُّہٗ مُسْتَطِیْرًا ہ

(۴) دیکھیے میرے پاکیزگی نفس کی سند۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْہِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ الخ۔

(۵) دیکھیے میں میدان جنگ میں جم کر لڑا تھا اس کی سند یہ ہے۔ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ

(۶) دیکھیے میرے کمال ایمان کی یہ سند ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ۔

تم لم یرتابو پولیس والے نے کہا اچھا میں سمجھ گیا یہ کیس تمہارا ہی ہے یہ چور جھوٹا ہے میں اسے تھانے لئے جاتا ہوں۔

(۲۴۹) امام مبین کون ہے

پ ۲۲ یٰس ع ۱۔ وَکُلَّ شَیْئٍ اَحْصَیْنٰہُ فِیْٓ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ ہ (ہم نے ہر بات کو ایک صریح اور روشن پیشوا میں گھیر دیا ہے) حضرات اہلسنت نے امام مبین سے مراد قرآن کریم کو لیا ہے لیکن یہ تاویل صحیح نہیں کیونکہ قرآن کریم میں علم تو ہے عمل نہیں پھر ہر شے کا احصا کیسے ہوا۔ عدد اور احصا میں فرق ہے۔ عدد وہ شمار ہے جو زبان سے کیا جائے چونکہ ایسے شمار کرنے میں آدمی بھول جاتا ہے اس لئے عرب نے احصا کا طریقہ رکھا تھا یعنی کنکریوں پر شمار کرتے تھے تاکہ شمار میں غلطی نہ رہے یہ شمار کی عملی صورت ہے۔ حصاۃ عربی میں کنکری کو کہتے ہیں اسی سے احصا ہے جس کے معنی یہ ہیں۔ ایک کہا ایک کنکری رکھ دی دو کہے دوسری رکھ دی بیس کے بعد مثلاً اکیس آئے تو ایک کنکری اور رکھ دی اگر گننے میں بھول چوک ہوئی تو کنکریوں کو گن لیا شبہ رفع ہو گیا پس آیت کے یہ معنی ہوئے کہ ہر شے کا احصا علماً و عملاً امام مبین میں کر دیا ہے یعنی وہ ایسا امام ہے کہ اس کا عمل قرآن کے ساتھ ساتھ ہے نہ علم قرآن اس کے عمل سے جدا ہے نہ اس کا عمل قرآن سے جدا ہے رسول نے فرمایا ہے۔ علی مع القرآن والقرآن مع علی۔

Marfat.com

اگر امام مبین سے قرآن کو مراد لیا جائے تو پھر اعمال کی عملی صورت کہاں سے لی جائے گی مثلاً نماز پڑھو قرآن کی تعلیم ہے لیکن کیسے پڑھو یہ قرآن نہیں بتاتا تو اب لامحالہ یہ طریقہ کسی سے سیکھنا ہوگا لہذا قرآن میں ہر شے کا احصا نہ ہوا برخلاف اس کے امام مبین سے اگر حضرت علی کو مراد لیا جائے تو وہ چونکہ من عندہ علم الکتاب کے مصداق ہیں لہذا علم کی تعلیم بھی دیں گے اور چونکہ معصوم ہیں لہذا جو عمل بتائیں گے وہ صحیح ہوگا۔

(۲۵۰) حبیب النجار کی تصدیق و دیگر واقعات

پ۲۲ یٰس ع ۲ ۱۔ وَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْئَلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ۔

(شہر کے اس سرے سے ایک شخص (حبیب النجار) دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا اے میری قوم ان پیغمبروں کا کہنا مانو۔ ایسے لوگوں کا کہنا مانو جو تم سے تبلیغ کی کوئی اجرت نہیں مانگتے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں)

اس آیت کی شان نزول یہ ہے

جب مقام انطاکیہ کے لوگوں میں گمراہی حد سے بڑھ گئی تو حضرت عیسیٰ نے ان کی ہدایت کے لئے حضرت یحییٰ اور حضرت یونس کو بھیجا جب یہ دونوں شہر کے قریب پہنچے تو ایک بوڑھے آدمی (حبیب النجار) کو دیکھا سلام کیا اس نے پوچھا تم لوگ کہاں جاتے ہو اور کس ارادے سے جاتے ہو انہوں نے کہا ہم اس شہر کے لوگوں کو خدا کی عبادت کی طرف متوجہ کرنے اور بتوں کی پرستش ترک کرنے کے لئے آئے ہیں اس نے کہا تمہارے پاس کوئی دلیل اس کی ہے کہ تم خدا کے فرستادہ ہو۔ انہوں نے کہا ہم خدا سے دعا کر کے بیماروں کو اچھا کر دیتے ہیں اس نے کہا میرا لڑکا عرصہ سے بیمار پڑا ہے اور اطباء اس کے علاج سے عاجز آ گئے ہیں اسے اگر اچھا کر دو تو میں جانوں کہ آپ لوگ اس دعوے میں سچے ہیں۔

فرمایا اسے ہمارے پاس لے آؤ۔ وہ دوڑا ہوا گیا اور اپنے لڑکے کو لے آیا۔ ان دونوں نے اپنے ہاتھ اٹھا کر بارگاہ باری میں دعا کی وہ تندرست ہو گیا۔ یہ حال دیکھ کر حبیب فوراً ایمان لے آیا اور بت پرستی سے تائب ہو گیا۔ اس کے بعد یہ دونو شہر میں پہنچے اور بادشاہ تک رسائی حاصل کی اس سے بھی اس قسم کی باتیں کیں اس نے کہا اچھا تم لوگ ٹھہرو میں تمہارے معاملے میں غور کروں گا اس کے بعد یہ لوگ دوسروں کی ہدایت میں مشغول ہوئے ایک دن بادشاہ کی سواری جا رہی تھی کہ ان حضرات نے تکبیر کی آواز بلند کی اس کو برا معلوم ہوا اس نے حکم دیا کہ ان دونو کو ایک بت خانہ میں قید کر دیا جائے۔

جب یہ خبر حضرت عیسٰی کو معلوم ہوئی تو آپ نے حضرت شمعون کو جو آپ کے خلیفہ تھے انطاکیہ کی طرف روانہ کیا جب یہ وہاں پہنچے تو لوگوں نے پوچھا آپ یہاں کیسے آئے ہیں انہوں نے کہا میں اس لیے آیا ہوں کہ بادشاہ کے خدا کی پرستش کروں وہ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ بادشاہ کے پاس لے گئے۔ بادشاہ نے ان کو عبادت کرنے کے لیے اس بت خانہ میں جانے کی اجازت دی جہاں یحیٰی اور یونس قید تھے۔

شمعون کچھ دنوں تک بادشاہ کے پاس آتے جاتے رہے بادشاہ کو ان سے انس و خلوص پیدا ہو گیا اور ریاستی امور میں ان سے مشورہ لینے لگا ایک دن موقع پا کر حضرت شمعون نے بادشاہ سے کہا یہ دو اجنبی کون ہیں جو بت خانہ میں قید ہیں۔ بادشاہ نے کہا یہ دونوں ایک نئے دین کا پیغام لے کر آئے تھے اس لیے میں نے دونو کو قید کر دیا ہے۔ شمعون نے کہا آخر ان دونو کو بلا کر پوچھا تو جائے یہ کہتے کیا ہیں۔

غرض وہ بلائے گئے شمعون نے ان سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ جب میں تمہیں بادشاہ کے سامنے بلواؤں تو میری شناسائی ظاہر کرنا میں تم سے بالکل اجنبی کی صورت میں گفتگو کروں گا۔ جب آئے تو شمعون نے ان سے کہا۔ آپ لوگوں کے اندر کوئی کمال ہے جس سے پتہ چلے کہ آپ خدا یا اس کے رسول کے فرستادہ ہیں انہوں نے کہا ہاں ہمارے پاس ایک روشن

Marfat.com

دلیل ہے۔ وہ یہ کہ ہم بیماروں کو اچھا کر دیتے ہیں اور مردہ کو زندہ کر دیتے ہیں اور یہ سب ہم باذن خدا کرتے ہیں۔ شمعون نے کہا یہ کیسے فرمایا ہم خدا سے دعا کرتے ہیں وہ ہماری دعا کو قبول کر لیتا ہے۔ شمعون نے بادشاہ سے کہا ان کا امتحان لینا چاہیئے۔ بادشاہ راضی ہو گیا۔ ایک ایسے اندھے کو بلایا گیا جس کی آنکھوں کے نشان تک نہ تھے۔ شمعون نے کہا تم اس کو بینا کر سکتے ہو۔ انہوں نے کہا ضرور۔ دونوں نے ہاتھ اٹھا کر بارگاہ باری میں دعا کی دیکھتے دیکھتے اس اندھے کی دونوں آنکھوں میں شگاف ہو گئے ان دونوں نے ان شگافوں میں مٹی کے دو ڈھیلے رکھ دیئے دونوں آنکھیں اس کی روشن ہو گئیں بادشاہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔

شمعون نے کہا تمہارے خدا میں اور کیا قدرت ہے وہ بولے مردہ کو زندہ کر سکتا ہے انہوں نے کہا بادشاہ کے بیٹے کو مرے ہوئے عرصہ ہو گیا ہے کیا تم اسے زندہ کر سکتے ہو انہوں نے کہا ضرور۔ غرض شمعون مع ان کے اور بادشاہ کے اس کی قبر پر گئے دونوں نے دعا کی۔ یکایک قبر شق ہوئی اور بادشاہ کا بیٹا زندہ ہو کر اس سے نکل آیا اور اس نے بیان کیا کہ میں ان دونوں کی دعا سے زندہ ہوا ہوں میں ان دونوں کو پہچانتا ہوں تب تو بادشاہ کی نظر میں ان کی بڑی وقعت ہو گئی اور بادشاہ ایمان لے آیا مگر اور لوگوں نے ان کی ہدایت پر عمل نہ کیا اور کفر پر اڑے رہے اور ان کو مختلف طریقہ سے ستانا شروع کیا تب حبیب النجار نے آ کر ان کو اس ظلم سے روکنا چاہا ان بدبختوں نے اسے اتنا مارا کہ وہ بیچارہ مر گیا۔

حبیب النجار تین صدیقوں میں سے ایک ہے۔ صاحب صواعق محرقہ نے لکھا ہے کہ صدیق تین ہیں اول مومن آل فرعون (حزقیل) جس نے حضرت موسیٰ کی نبوت کی تصدیق کی۔ دوسرے حبیب النجار جس نے حضرت عیسےٰ کی تصدیق کی اور تیسرے علی ابن ابیطالب جنہوں نے حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ کی تصدیق کی اور ان تینوں میں افضل حضرت

Marfat.com

علی ہیں کیونکہ انہوں نے سب سے پہلے سید الانبیاء والمرسلین کی تصدیق کی۔

اس واقعہ میں قابل غور امر طریقہ ہدایت ہے یحییٰ اور یونس نے جو طریقہ اختیار کیا تھا وہ مصلحت وقت کے بالکل خلاف تھا اس لئے ان کو کامیابی نہ ہوئی اور حضرت شمعون نے جو طریقہ اختیار کیا وہ مناسب حال و مقام تھا لہٰذا ان کو کامیابی ہوئی اس لئے کہا جاتا ہے کہ تمام انبیاء فضائل و مراتب میں یکساں نہیں تھے۔

انبیاء کی تصدیق کرنے والوں میں سب سے پہلا شہید حزقیل ہے اللہ اس کی روح پر اپنی رحمت نازل کرے۔

(۲۵۱) قیامت میں اعضاء کی گواہی

پ۲۳ یٰس ع ۴۔ اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰی اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور جو جو کارستانیاں یہ لوگ کرتے تھے خود ان کے ہاتھ ہم کو بتا دیں گے اور ان کے ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے)

اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن زبان کی گواہی معتبر نہ ہوگی اسے خاموش کر دیا جائے گا کیونکہ یہ دنیا میں بہت سے جھوٹ بول کر آئی ہوگی گواہی ان کی لی جائے گی جو کبھی دنیا میں جھوٹ بولتے ہی نہیں تھے اور چپ چاپ انسان کے افعال کو دیکھتے رہے تھے زبان غیر معصوم ہے لہٰذا اس کی گواہی معتبر نہیں نیز انسان کے افعال کا زیادہ تر تعلق ہاتھوں اور پیروں سے ہے لہٰذا ان کی گواہی لی جائے گی۔

ہمارے اعضاء درحقیقت خدائی جاسوس ہیں جو انسان کے ہر عمل کو خاموشی سے دیکھ رہے ہیں انسان سمجھتا ہے یہ میرے اعضاء ہیں حالانکہ وہی اس کے خلاف گواہی دیں گے انسان اس وقت تعجب سے کہے گا۔ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ (تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی وہ کہیں گے اس ذات پاک نے ہمیں گویا کیا ہے جس نے ہر شے

Marfat.com

کو قوت نطق دی ہے (الآیہ)

انسان کو ہر عمل سوچ سمجھ کر کرنا چاہیئے کیونکہ بہت سی آنکھیں اس کے عمل کو حسب صراحت قرآن دیکھنے والی ہیں چاہے وہ سات پردوں کے اندر ہی کوئی کام کیوں نہ کرے اوّل اللہ دیکھتا ہے دوسرے اس کا رسول دیکھتا ہے تیسرے اس کے مخصوص مومنین (آئمہ طاہرین) دیکھتے ہیں چوتھے کرام کاتبین۔ پانچویں اعضا۔ بتائیے اتنے دیکھنے والے موجود ہوں تو کوئی انسان اپنی بدکرداری کو کیسے چھپا سکے گا۔

---

(۲۵۲) رسول کو شعر گوئی کی ممانعت

پ ۲۳ یٰس ع ۵۔ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِیْ لَهٗ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ○

ہم نے نہ اس کو (رسول) شعر کی تعلیم دی اور نہ شاعری اس کی شان کے لائق ہے یہ کتاب تو نصیحت اور صاف صاف قرآن ہے)

شعر کہنا مطلقاً ممنوع نہیں البتہ شعر باطل کہنا ممنوع ہے اور شعر باطل وہ ہے جس سے انسان کے جذبات بد برانگیختہ ہوں۔ عرب میں ایسے شاعروں کی بڑی قدر تھی۔ اگر آنحضرت شعر کہتے ہوتے تو عرب کے لوگ بجائے پیغمبر ماننے کے آپ کو شاعروں کے زمرہ میں لے لیتے باوجودیکہ آپ شعر نہیں کہتے تھے پھر بھی لوگ آپ پر شاعر ہونے کی تہمت لگاتے تھے اور قرآن مجید کو شاعری سمجھتے تھے لہٰذا اس خیال کی تردید کی گئی۔

مولانا محمد ہارون صاحب قبلہ مرحوم زنگی پوری نے اپنی کتاب نوادر الادب میں تحریر فرمایا ہے کہ اس الزام کو رفع کرنے کے لئے آنحضرت شعر کہہ ہی نہیں سکتے تھے آپ نے ایک شعر فرمایا تھا جو یہ ہے۔

اَنَا نَبِیٌّ وَلَا كِتَابٌ　　　اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

Marfat.com

(۲۵۲) قیامت میں محبّت اہلبیت کا سوال ہو گا

پ۲۳ والصفت ع ۲:۔ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَسْئُوْلُوْنَ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ۔

(انہیں روک لو ان سے کچھ پوچھنا ہے (ارے کم بختو) اب تمہیں کیا ہو گیا کہ ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے)

احادیث میں ہے کہ جب پل صراط سے لوگ گزریں گے تو ان کو روکا جائے گا اور منادی ندا کریگا انہیں روک لو (ابھی جنت میں نہ لے جانا ان سے کچھ پوچھنا ہے) یہ تو ظاہر ہے کہ یہ سوال توحید و نبوت و قیامت کے متعلق تو نہ ہو گا۔ کیونکہ بغیر اس کے تو پل صراط کو عبور ہی نہ کر سکیں گے دوسرے کسی خاص امر کا امت محمدی کو حکم دیا گیا ہو گا جو توحید و نبوت و قیامت کے علاوہ ہو گا اس کے متعلق کچھ پوچھا جائے گا۔

وہ اجر رسالت کے سوا دوسرا امر نہیں ہو سکتا۔ قُلْ لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (اے رسول اپنی امت سے کہہ دو کہ میں اس کے سوا کوئی اجر تبلیغ رسالت کا نہیں چاہتا سوائے اس کے کہ تم میرے ذوی القربیٰ سے محبت کرو۔ اس کے متعلق وہاں پوچھا جائے گا کہ تم نے اجر رسالت ادا کیا تھا یا نہیں اس کے متعلق رسول کی اور ذوی القربیٰ کی گواہی بھی لی جائے گی اگر یہ حضرات تصدیق کر دیں گے کہ اس شخص نے اجر رسالت ادا کیا تھا تب تو جنت میں جانے دیا جائے گا ورنہ نہیں۔

حدیث میں ہے کہ رسول اپنی اُمت سے سوال کریں گے کہ بتاؤ تم نے میرے بعد میرے اہل بیت کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا میں نے قرآن کو ان کے ساتھ کیا تھا اس وقت کوئی راز دل چھپا نہ سکے گا۔ جھوٹ بول نہ سکیگا پس جن لوگوں نے اہل بیت پر مظالم کئے ہوں گے وہ صاف صاف کہنے لگیں گے کہ یہ اجر ہم سے ادا نہ ہوا تھا اس کے بعد حکم ہو گا کہ انہیں دوزخ میں ڈال دو ان کا کوئی عمل مقبول نہیں کیونکہ انہوں نے تبلیغ رسول کا حق ادا نہیں کیا یہ دنیا سے

Marfat.com

انے پیٹتے رہے اور بھولے نے یہ خیال نہ آیا کہ ایک روز خدا و رسول کی طرف سے اس کی باز پرس ہو گی۔

(۲۵۴) حضرت ابراہیم کا بتوں سے مکالمہ

پ ۲۳ والصّٰفّٰت ع ۳۔ فَرَاغَ اِلٰی اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ۔ (پھر تو ابراہیم ان کے بتوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے کہا (تمہارے سامنے چڑھاوے رکھے ہیں) تم کھاتے کیوں نہیں اور تمہیں کیا ہو گیا بولتے کیوں نہیں)

ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم جانتے تھے کہ بت نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں تو پھر ایسا غیر ضروری سوال کیوں کیا وہاں تو کوئی بت پرست تھا بھی نہیں جو بتوں کے نہ کھانے اور نہ بولنے سے کوئی نتیجہ نکال سکتا۔

جواب یہ ہے کہ انسان کا بعض کلام اس کے واردات قلبی کا ترجمان ہوتا ہے اور غصہ میں بے اختیار اس کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے یہی صورت حضرت ابراہیم کے لئے بھی تھی انہیں معلوم تھا کہ ان بتوں کو لوگ خدا سمجھ کر پوجتے ہیں حالانکہ ان میں ذرا بھی دم خم نہیں نہ بولتے ہیں نہ کھاتے پیتے ہیں پھر یہ احمق انہیں کس وجہ سے اپنا معبود بنائے ہوئے ہیں یہی خیال الفاظ کی صورت میں زبان پر ظاہر ہو گیا۔

(۲۵۵) حضرت ابراہیم کا خواب میں بیٹے کو ذبح کرنا

پ ۲۳ والصّٰفّٰت ع ۳۔ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْۤ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى قَالَ يٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ

مِنَ الصّٰابِرِیْنَ فَلَمَّا اَسْلَمَا وَتَلَّہٗ لِلْجَبِیْنِ وَنَادَیْنَاہُ اَنْ یَّا اِبْرَاھِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْیَا اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ۔ وَفَدَیْنَاہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ۔

(جب اسماعیل اپنے باپ کے ساتھ دوڑنے لگے تو ایک روز ابراہیم نے کہا بیٹا میں خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ میں خود تمہیں ذبح کر رہا ہوں بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے۔ اسمٰعیل نے کہا ابا جان جو آپ کو حکم ہوا ہے اسے بے تامل بجا لائیے انشاءاللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے جب دونوں نے یہ ٹھان لی اور باپ نے بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے ماتھے کے بل لٹا دیا تو ہم نے آمادہ دیکھ کر آواز دی اے ابراہیم تم نے خواب کو سچ کر دکھایا اب تم دونو کو بڑے مرتبے ملیں گے ہم نیکی کرنے والوں کو یوں ہی جزائے خیر دیا کرتے ہیں بیشک یہ بہت بڑا صریحی امتحان تھا ہم نے اسمٰعیل کا فدیہ ایک ذبح عظیم یعنی بڑی قربانی کو قرار دیا)

مذکورہ بالا آیات کے متعلق چند سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) جناب ابراہیم نے خواب میں حضرت اسمٰعیل ذبح کرتے دیکھا تو اس سے یہ کیسے سمجھ لیا کہ خدا کا حکم ذبح کرنے کا ہے خواب خیال بھی ہو سکتا ہے۔

(۲) جب حکم خدا سمجھ گیا تو پھر اس امر میں بیٹے سے رائے لینے کی کیا ضرورت تھی۔

(۳) ایسا سخت امتحان قدرت نے کیوں لیا جو فطرت انسان کبھی گوارا نہیں کر سکتی۔

(۴) باپ کا اپنے ہاتھ سے بیٹے کو ذبح کرنا انتہائی قساوت قلبی کی دلیل ہے ایک نبی کے لئے اس کو کیوں پسند کیا گیا۔

(۵) جب حکم دیا تھا تو اسے واپس کیوں لے لیا۔ ذبح کیوں نہ ہونے دیا۔

(۶) حکم دینے اور واپس لینے میں کیا مصلحت تھی۔

Marfat.com

(۷) ذبیح کو دنبہ سے کیوں بدلا۔

(۸) ذبح عظیم کیا ہے۔

(۹) فدیہ قرار پانے کی صورت کیا ہوئی۔

(۱۰) ایک دنبہ کے ذبح ہونے میں اس کی کیا اہمیت تھی کہ اس کی یادگار قیامت تک باقی رکھنا ضروری ہوا۔

مفسرین بیچاروں نے ان سوالات کو حل کرنے کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی اور جنہوں نے کچھ تھوڑی سی فرمائی ہے وہ قابل تسکین نہیں۔

سب سے پہلے اس پر غور کرنا ہے کہ یہ خواب حضرت ابراہیم نے دیکھا کیوں انبیاء کا خواب شیطانی خواب نہیں ہوا کرتا ضرور یہ خواب خدا کی طرف سے دکھایا گیا۔

صاحب کتاب "ابن الذبیحین" علامہ احمد تبریزی جو فارسی زبان میں ہے لکھا ہے (یہ قلمی نسخہ میں نے وزیر الدولہ خلیفہ سید محمد حسن صاحب وزیر اعظم ریاست پٹیالہ کے کتب خانہ میں دیکھا تھا افسوس ہے کہ یہ بیش بہا خزانہ تقسیم ملک کے وقت بری طرح لٹ گیا۔ علامہ موصوف لکھتے ہیں :-

حضرت ابراہیم کے زمانہ میں ان کی قوم کے بیشتر لوگ ستارہ پرست تھے انہوں نے ہر ستارہ کا ایک ہیکل (مندر) بنا رکھا تھا ان میں چند ہیکل خاص تھے جیسے ہیکل زحل ہیکل مشتری و ہیکل زہرہ۔ ان میں اور ہیاکل سے زیادہ تقدیس مانی جاتی تھی ان ہیاکل میں سیاروں کی فرضی مورتیاں بنا کر رکھی گئی تھیں جن کی روزانہ پوجا پاٹ ہوتی تھی۔

ہیکل زحل سب سے بڑا مندر تھا اس مورتی کے پجاری یہ نذر مانا کرتے تھے کہ فلاں بچہ جو حالت حمل میں ہے اگر لڑکا پیدا ہوگا تو ہم راہ خدا میں اس کو قربان کریں گے جب وہ لڑکا بارہ تیرہ برس کا ہو جاتا تھا تو پہلے ایک جشن منایا جاتا تھا اس کے بعد جلوس کی شکل میں اس لڑکے کو لے کر ہیکل زحل میں آتے تھے وہاں سنگ مرمر کی ایک لمبی سل ہوتی تھی

Marfat.com

جس پر اس لڑکے کو لٹایا جاتا تھا اور اس خنجر سے جو زحل کی مورتی میں پڑا رہتا تھا اس معصوم بچہ کو ذبح کر دیا جاتا تھا۔ ذبح کے بعد اس لڑکے کے ماں باپ کو مبارک باد دی جاتی تھی اور اس کا خون تھوڑا تھوڑا لوگ بطور تبرک لے جاتے تھے اور آئندہ جس کسی کو اپنا لڑکا نذر کرنا ہوتا تھا یہ خون اس کے ماتھے پر اس طرح لگا دیا جاتا تھا جیسے ہندو تلک لگاتے ہیں۔

ان کا عقیدہ تھا کہ جس مذہب میں انسانی قربانی نہیں وہ مذہب برحق نہیں اور اس کے ماننے والوں کے لئے نجات نہیں۔

جب حضرت ابراہیم ان پر تبلیغ دین اسلام کرتے تھے تو وہ کہتے تھے کہ ہم ایسے دین کو ہرگز نہیں مان سکتے جس میں انسانی قربانی نہیں خدا کو پسند ہی انسانی قربانی ہے جس مذہب میں انسانی قربانی نہیں وہ سچا مذہب ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ وہ خدا کی منشاء کو پورا ہی نہیں کرتا ماں باپ کے لئے اس سے بڑھ کر ذریعہ تقرب نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے پارۂ جگر کو قربان کر دیں۔

حضرت ابراہیم سخت مشوش تھے کہ اس گمراہ قوم کو کس طرح سمجھائیں اس قوم کی ہدایت کے لئے قدرت کی طرف سے یہ صورت ہوئی کہ حضرت ابراہیم کو خواب میں بیٹے کو ذبح کرتے دکھایا گیا۔

جب اسمٰعیل کو ساتھ لے کر منیٰ میں پہنچے تو ان کی قوم کے بکثرت لوگ اس قربانی کو دیکھنے کے لئے وہاں پہنچ گئے اور آپس میں کہنے لگے اب ابراہیم ہمارے دین کے پیرو ہوئے لیکن جب بجائے اسمٰعیل کے دنبہ ذبح ہوا تو حضرت ابراہیم نے اس قوم سے کہا کہ اگر خدا کو انسان کی قربانی پسند ہوتی تو میرے بیٹے سے بہتر قربانی کے لئے کون ہو سکتا تھا یہ بات ان کی سمجھ میں آ گئی اور اس روز سے انسانی قربانی کا سلسلہ بند ہو گیا۔

چونکہ اس واقعہ سے ایک بہت بری رسم کا انسداد ہوا اور لاکھوں کروڑوں بے گناہوں کی

Marfat.com

کی جانیں بچ گئیں لہٰذا اس کی یادگار قیامت تک باقی رکھنا ضروری سمجھا گیا۔ یہ دنبہ کی قربانی کی یادگار کا سلسلہ نہیں ہے بلکہ ایک رسم بد کی جڑ کٹنے کی یادگار ہے اگر حضرت اسمٰعیل کی قربانی ہو جاتی تو یہ رسم بد اور زور پکڑ جاتی اور انسداد کی بجائے گمراہی اور زیادہ پھیل جاتی یہ وجہ تھی خواب میں دکھانے اور اسمٰعیل کو ذبح سے بچانے کی۔

رہا مضمون خواب کا پورا نہ ہونا تو حضرت ابراہیم نے تو اپنی آمادگی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی ذبح کے جتنے مقصدات تھے سب پورے ہو چکے تھے یہاں تک کہ چھری بھی چلا دی گئی تھی پس جب نیت اور ارادہ فعل اس حد تک پہنچ جائے تو گویا وہ فعل وقوع میں آ گیا۔

اس واقعہ نے تمام سوالات کے جوابات پیش کر دیئے رہا یہ امر کہ بیٹے سے کیوں رائے لی گئی۔ جواب یہ ہے کہ وہ اپنے خلوص کے ساتھ بیٹے کا خلوص بھی دکھانا چاہتے تھے بغیر ان کی مرضی حاصل کئے یہ فعل حضرت اسمٰعیل پر جبر ہوتا اور جبر کر کے ذبح کرنا مجبور پر ظلم ہوتا۔ چونکہ بے قصور محض رضائے الٰہی کے لئے ان کو ذبح کرنا تھا لہٰذا ان کی رائے لینی ضرور تھی۔

ذبح عظیم کو جو فدیہ قرار دیا گیا ہے وہ اس دنبہ کا فدیہ نہیں ہے بلکہ اسمٰعیل کا فدیہ ہے صورت اس کی یہ ہے کہ جناب اسمٰعیل کے ذبح سے بچانے میں ایک رسم بد کا انسداد ہوا۔ اگر ان کو نہ بچایا جاتا تو معلوم کب تک نوع انسانی پر یہ ظلم ہوتا رہتا۔ یزید کے زمانہ میں ایک دو نہیں بیشمار رسوم بد رواج پا گئی تھیں ان کا انسداد ایک جان کے بچانے سے نہیں ہو سکتا تھا بلکہ بہت سی قربانیوں کے بعد حق و باطل کے درمیان ایک حد فاصل قائم کی جا سکتی تھی اور پھر اتنی قربانیاں ہوں اور ان مظالم کے تحت ان کو ذبح کیا جائے کہ ان پر ذبح عظیم کا اطلاق ہو سکے۔ غور کیجئے جب ذبح اسمٰعیل کے واقعہ کو تا قیامت رکھنا اللہ تعالیٰ کو رکھنا منظور ہے تو واقعہ کربلا جو دنیا میں اپنی نظیر آپ ہے کیوں قیامت

Marfat.com

تک باقی رکھنا مقصود الٰہی نہ ہو گا۔

جہاں کسی ہادی دین کو قتل سے بچا کر انسداد ضلالت ہو سکتا تھا قدرت نے وہاں بچا کر لیا اور جہاں ہادیان دین کے قتل ہو جانے سے ہو سکتا تھا وہاں ان کے قتل ہونے سے بدکاریوں کا انسداد کر دیا اور ہر سال ان دونو واقعات کی یادگار باقی رکھنا ضروری سمجھا گیا۔

یہ انسانی فطرت ہے کہ جب تک کسی رسم بد کے متعلق کوئی عظیم الشان واقعہ پیش نہیں آتا لوگ زیادہ غور و فکر سے کام نہیں لیتے۔ روم کے ایمفی تھیٹر کا واقعہ تاریخوں میں پڑھ لیجئے۔ سالہا سال سے ایسے انسانیت سوز کھیل تماشے ہو رہے تھے کہ دیکھنے والوں کے دل ہل جاتے تھے۔ "ایرینا" یعنی کشتی کا دنگل بڑا شاندار بنایا جاتا تھا جس پر ریشمی شامیانے تانے جاتے تھے یہ ایک گول دائرہ کی عمارت کے بیچ میں ہوتا تھا۔ پبلک تماشے دیکھنے کے لئے اوپر کی منزلوں میں بیٹھتی تھی۔ پہلے جانوروں کو جانوروں سے لڑایا جاتا تھا مثلاً شیر کے مقابل شیر یا کسی بیل کو چھوڑا جاتا اور پبلک تالیاں بجا بجا کر خون بہنے کا تماشہ دیکھتی۔ جب جانوروں کا خون بہہ چکتا اور ان کے بدن کے چھیچھڑے اڑ چکتے تو پھر تلواریں لے کر آدمی میدان میں کود تے اور وہ چکا چاک تلواریں چلتیں کہ زمین سے خون ابلنے لگتا۔ ایک بار دو جوان میدان میں آئے تلواریں چمکنے لگیں قریب تھا کہ وار ہونے لگیں کہ ایک خداترس پادری وحشم سے اکھاڑے میں آگیا اور دونو کے بیچ میں کھڑے ہو کر رد کنے لگا اور کہنے لگا لوگو اس طرح انسان کے قیمتی خون کو پانی کی طرح نہ بہاؤ۔ خدا اس کو ناپسند کرتا ہے۔ پادری کا یہ روکنا ظلم پسند تماشائیوں کو ناگوار ہوا۔ ان کے مزہ میں خلل پڑا۔ ہر طرف سے آوازیں آئیں پادری کو مار ڈالو۔ قتل کر دو۔ یہ یہاں کہاں سے آمرا۔

پبلک کی یہ آوازیں سن کر ان دونو جوانوں نے تلواریں مار مار کر غریب پادری کے ٹکڑے کر دیئے تماشہ ختم ہو گیا اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اب لوگوں نے

Marfat.com

ٹھنڈے دل سے اس پر غور کرنا شروع کیا کہ یہ کیا ہوا۔ یا در ہی اکھاڑے میں کیوں آمادہ کیا
جاتا تھا اس کی خواہش بجا تھی یا بیجا۔ آخر قوم کے عقلا بہت جلد اس نتیجہ تک پہنچ گئے۔
کہ یہ تماشے نوع انسانی پر بے پناہ ظلم ہے ان کو بند کرنا چاہیئے۔ غرض لوگ اس کا پروپگینڈہ
کرنے کے لئے اٹھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگلے سال ایمفی تھیٹر ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا اور
ہزار ہا جاندار قتل ہونے سے بچ گئے۔

واقعہ کربلا نے یہی صورت اختیار کی جب لوگوں نے اس کی اہمیت پر غور کیا تو پتہ چل گیا
کہ یزید دشمن اسلام ہے اس نے مسلمانوں میں فسق و فجور کو رواج دیا ہے۔ غرض واقعہ کربلا کے
بعد حق و باطل کے درمیان ایک ایسی حد فاصل بن گئی جو قیامت تک کسی کے مٹائے نہ مٹے گی

---

(۲۵۶) یونس اور مچھلی

پ ۲۳ والصفٰت ع ۴ :- وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ہ اِذْ اَبَقَ اِلَی الْفُلْکِ الْمَشْحُوْنِ
فَسَاھَمَ فَکَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِیْمٌ فَلَوْلَاۤ اَنَّهٗ
کَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ
وَهُوَ سَقِیْمٌ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَیْهِ شَجَرَةً مِّنْ یَّقْطِیْنٍ ہ

(بیشک یونس پیغمبروں میں سے تھے (وہ وقت یاد کرو) جب یونس بھاگ کر ایک بھری
ہوئی کشتی کے پاس پہنچے تو اہل کشتی نے قرعہ ڈالا ان ہی کا نام نکلا اور یونس نے زک
اٹھائی اور دریا میں گر پڑے تو ان کو مچھلی نگل گئی اور یونس خود اپنے کو ملامت کر رہے تھے
اگر خود تسبیح و ذکر خدا نہ کرتے تو روز قیامت تک مچھلی کے پیٹ ہی میں رہتے پھر
ہم نے ان کو مچھلی کے پیٹ سے باہر نکال کر ایک کھلے میدان میں ڈال دیا اور وہ نڈھال ہو
گئے تھے اور ہم نے ان پر سایہ کے لئے) ایک کدو کا درخت اگا دیا)

حضرت یونس رسول تھے اور ایک لاکھ لوگوں کی طرف مبعوث کئے گئے تھے ان کی قوم نافرمان تھی گو برابر ان کو ہدایت کرتے رہے مگر ان کے کان پر جوں نہ رینگی۔ حضرت یونس نے مایوس ہو کر خدا سے نزول عذاب کے لئے دعا کی خدا نے کہا بھیجوں گا وقت کا کوئی تعین نہیں) حضرت یونس نے اس خبر کے سنانے میں جلدی کی۔ جب عذاب میں تاخیر ہوئی تو قوم نے ان کا مذاق اڑایا تو وہ خفا ہو کر وہاں سے چل دیئے جب ایک دریا کے کنارے پہنچے تو دیکھا کشتی جانے کے لئے تیار ہے۔ یہ بھی اس میں بیٹھ گئے۔ کشتی چلی اور کچھ دیر بعد ایک گرداب میں پھنس گئی۔ کشتی والوں نے کہا ضرور کوئی ہم میں ایسا غلام ہے جو اپنے آقا کی نافرمانی کرکے بھاگا ہے اسے کشتی سے باہر پھینک دینا چاہئیے الغرض سب کے نام لکھ کر قرعہ ڈالا گیا تو حضرت یونس کا نام نکلا کشتی والوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ جھٹ انہیں پکڑ کر دریا میں ڈال دیا کشتی کے پاس ہی ایک مچھلی منہ کھولے کھڑی تھی اس نے فوراً ہی انہیں نگل لیا۔

تین روز تک وہ انہیں اپنے پیٹ میں لئے دریا میں گھومتی رہی اور یونس اس کے شکم میں تسبیح خدا کرتے رہے آخر بحکم خدا مچھلی نے اسی کنارہ پر آکر انہیں اگل دیا۔ بہت کمزور ہو گئے تھے بدن کی کھال بہت ملائم پڑ گئی تھی۔ چلنے کی طاقت نہ رہی تھی اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اسی وقت ایک کدو کا درخت وہاں اگا دیا۔ یونس ہلکے ہلکے اس درخت کے اندر لپٹ گئے اور جب بدن میں طاقت آئی تو پھر اپنی قوم کی طرف بڑھے۔

یونس کے جانے کے بعد عذاب الٰہی اس قوم کے سروں پر آ لٹکا یہ دیکھ کر وہ لوگ گھبرا گئے اور سب سر و پا برہنہ اپنے گھروں سے نکل کر صحرا میں آئے اور رو رو کر بلبلا بلبلا کر فریاد کرنے لگے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا کہ اگر عذاب ہٹ جائے گا تو ہم سب یونس پر ایمان لے آئیں گے چنانچہ وہ سب ایمان لائے۔ جب انہوں نے یونس کو دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور بڑے احترام سے ان کو بستی میں لے کر آئے۔

اس قصہ میں چند باتیں قابل غور ہیں:۔

Marfat.com

(۱) یونس کا غصہ خدا پر تھا کہ نزول عذاب میں دیر کیوں کی یا قوم پر کہ تاخیر عذاب میں ان کی سرکشی بہت زیادہ ہو گئی تھی اور بد دل ہو کر وہاں سے چل دیئے ہوتے۔

جواب یہ ہے کہ یہ غصہ معاذ اللہ خدا پر نہ تھا بلکہ قوم کی سرکشی پر تھا۔ معاذ اللہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک رسول خدا پر غصہ کرے اور جس بنا پر وہ مصیبت میں گھرے یہ تھی کہ انہوں نے صبر و ضبط سے کام کیوں نہیں لیا اور جس حال میں بھی تھے نزول عذاب کے منتظر کیوں نہ رہے اسی ترک اولیٰ نے ان پر مصیبت نازل کی۔

(۲) کیا وجہ تھی کہ یونس تین دن مچھلی کے پیٹ میں رہے اور ان کا بال بیکا نہ ہوا۔ عند العقل یہ بات محال معلوم ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرات انبیاء و مرسلین کے اجسام طاہرہ کا قیاس عام لوگوں کے اجسام پر نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک یہ حضرات خود نہ چاہیں دنیا کی کوئی طاقت انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ حضرت ابراہیم کو آگ کے شعلے ضرر نہ پہنچا سکے۔ صندوق موسیٰ کو دریائے نیل کی موجیں نہ ڈبو سکیں۔ انبیاء و مرسلین تو اپنے مقام پر ہیں۔ اصحاب کہف کو دیکھو کہ ہزارہا سال سے غار کے بطن میں پڑے سو رہے ہیں اور کسی مادہ ارضی نے ان کے اجسام کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے کرشمے یونہی دکھایا کرتا ہے۔

(۳) کدو کے درخت میں کیا خصوصیت تھی کہ اگایا گیا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس کی نشوونما بہت جلد ہوتی ہے دوسرے اس کے پتے بڑے ہوتے ہیں جن کا گھنا سایہ ہوتا ہے مقصود یہ تھا کہ یونس ان کے پتوں کے سایہ میں دھوپ سے بچے رہیں۔ تیسرے ان کے پتوں پر مکھی نہیں بیٹھتی چونکہ کھال نہایت نرم ہو گئی تھی اس لئے مکھی سے بچانا منظور تھا۔

(۲۵۷) حضرت داؤد کو خدا نے ملک بھی دیا تھا اور عقل و حکمت بھی

پ ۲۳ ص ع ۲۔ وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ۔ (ہم نے ان کی سلطنت

کو مضبوط کیا اور ہم نے ان کو حکمت اور فیصلہ کی قوت عطا کی)

اللہ تعالیٰ نے جن انبیا کو سلطنت عطا فرمائی تو ان کو مقدمات کے فیصلہ کرنے کے لئے خاص طور قوت فیصلہ بھی عطا کی تاکہ غلط فیصلہ کرنے سے محفوظ رہیں ایک بار حضرت داؤد کی کچہری میں ایک شخص نے دعویٰ دائر کیا کہ فلاں شخص نے میری گائے چرالی ہے آپ نے مدعی سے گواہ طلب کئے اور دوسرے دن فیصلہ کا وعدہ کیا۔ شب میں مدعا علیہ کے قتل کا خواب میں حکم ہوا۔ آپ بیدار ہوئے تو بہت پریشانی لاحق ہوئی کیونکہ چوری سے قتل کا کیا تعلق۔ آپ نے اس روز بھی فیصلہ کو ٹال دیا اور تمام دن اس مسئلہ پر غور کرتے رہے۔ دوسری رات کو آپ نے پھر وہی خواب دیکھا تب آپ کو یقین ہو گیا مدعا علیہ واجب القتل ہے۔ آپ کو مگر سبب قتل معلوم نہ ہوا۔ مدعا علیہ کو بلایا اور اس سے کہا سچ سچ بتاؤ تم نے یہ گائے کس طرح حاصل کی۔ مجھے واقعات کا علم ہو گیا ہے اس نے کہا میں نے مدعی کے باپ کو قتل کر کے اس کی گائے پر قبضہ کیا تھا۔ جب اس نے اقرار کر لیا تو آپ نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ چونکہ قتل کا واقعہ لوگوں پر مخفی تھا اور حضرت داؤد نے اس کو ظاہر کیا تو اس روز سے آپ کی رعایا پر آپ کا رعب و دبدبہ اس حد تک ہو گیا کہ لوگ جرائم کرنے میں اس لئے خوف کرنے لگے کہ آپ پر اس کا ضرور انکشاف ہو جائے گا۔

---

(۲۵۰) حضرت داؤد کے سامنے ایک عجیب مقدمہ

پ ۲۳ ص ع ۱۲۔ هَلْ أَتَاكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ إِذْ دَخَلُوا عَلَى دَاوُدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوا لَا تَخَفْ خَصْمَانِ بَغَى بَعْضُنَا عَلَى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلَى سَوَاءِ الصِّرَاطِ إِنَّ هَذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعْجَةً وَلِيَ نَعْجَةٌ وَاحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفِلْنِيهَا وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلَى نِعَاجِهِ وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي

Marfat.com

بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ وَظَنَّ
دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۔

(اے رسول کیا تم تک ان دو دعویداروں کی خبر پہنچی ہے کہ جب وہ حجرہ (عبادت) کی دیوار پھاند پڑے اور داؤد کے پاس آ کھڑے ہوئے تو وہ ان سے ڈر گئے ان لوگوں نے کہا آپ ڈریں نہیں ہم دونوں ایک مقدمہ کے فریقین ہیں کہ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے آپ ہمارے درمیان صحیح صحیح فیصلہ کر دیجئے اور انصاف سے نہ گزریئے اور ہمیں سیدھی راہ دکھا دیجئے)

(روئداد یہ ہے کہ) یہ شخص میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک ہے۔ اس پر بھی یہ مجھ سے کہتا ہے کہ یہ دنبی بھی مجھ کو دیدے اور بات چیت میں بھی بہت سختی کرتا ہے۔ حضرت داؤد نے (بغیر اس کے کہ مدعا علیہ سے کچھ پوچھیں) کہہ دیا یہ تیری دنبی کو جو اپنی دنبیوں میں ملانا چاہتا ہے تو یہ تیرے اوپر کھلا ظلم ہے اور اکثر شرکا ایک دوسرے پر ظلم کیا ہی کرتے ہیں۔ مگر جن لوگوں نے سچے دل سے ایمان قبول کیا اور اچھے اچھے کام کئے (وہ ایسا نہیں کرتے) اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں یہ سن کر وہ دونوں چل دیئے اب حضرت داؤد نے سمجھا کہ ان کا امتحان ہوا اور وہ ناکامیاب رہے پس خدا سے بخشش کی دعا مانگنے لگے

حضرت داؤد کو ایک بار یہ خیال ہوا کہ مجھ سے بہتر فیصلہ کرنے والا دنیا میں کوئی نہیں بس پھر کیا تھا آ گئے معرض امتحان میں۔ وہ ایک روز مقدمات کے فیصلے کرتے اور ایک روز اپنے ضروری کام انجام دیتے۔ ایک روز تمام دن عبادت کرتے۔ عبادت کے دن حجرہ کے دروازے بند کر لیتے اور کسی کو اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دیتے ایک دن مشغول عبادت تھے کہ دو فرشتے بشکل انسان وہاں آ موجود ہوتے اور اپنا مقدمہ پیش کیا جس کا ذکر آیت میں ہے۔ آپ نے جو فیصلہ کیا وہ اس لئے صحیح نہ تھا کہ نہ تو آپ نے مدعی سے گواہ طلب کئے اور نہ مدعا علیہ کا بیان لیا۔ جب دونوں فرشتے چل دیئے تب ان کو خیال آیا کہ یہ میرا امتحان

اور میں اس میں ناکامیاب ہوگیا۔ اس بنا پر گریہ وزاری کی اور اتنا روئے کہ زمین آنسوؤں سے تر گئی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت داؤد نے اپنے مرتبہ تقرب میں اضافہ کے لئے خود خدا سے امتحان لینے کی درخواست کی تھی۔

کتنا فرق ہے حضرت داؤد اور حضرت علی میں۔ حضرت علی نے بیشمار قضیے فیصل کئے لیکن کبھی کوئی فیصلہ غلط نہ ہوا اور عرب میں یہ ضرب المثل بن گیا۔ قَضِيَّةٌ وَلَا اَبَا حَسَنٍ لَهَا (قضیہ تو ہے مگر اس کے فیصلہ کرنے والے علی نہیں) اور رسول نے فرمایا:۔ اَقْضَاكُمْ عَلِيٌّ (تم میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علی ہیں)

عہد خلافت خلیفہ ثانی میں حضرت علی نے ایک قضیہ کا فیصلہ کیا اور جب عمر نے کہا اس کا ثبوت قرآن سے دیجئے تو آپ نے فوراً آیت پڑھ دی انہوں نے کہا اے علی آپ بہت جلد آیت پڑھ دیا کرتے ہیں اور قضیہ کا فیصلہ بھی جلد کر دیا کرتے ہیں آپ کو یہ خوف نہیں ہوتا کہ جلدی میں غلط فیصلہ ہو جائے فرمایا۔ اے عمر یہ بتاؤ۔ تمہارے ہاتھ میں کے انگلیاں ہیں انہوں نے کہا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ پانچ ہیں فرمایا تم نے جواب دینے میں جلدی کی۔ انہوں نے کہا اس میں جلدی کیسی۔ یہ پانچوں میری نظر کے سامنے ہیں۔ فرمایا جس طرح یہ انگلیاں تمہاری نظر کے سامنے ہیں اسی طرح کائنات کا ورق علی کی نظر کے سامنے ہے

---

(۲۵۹) سلیمان کے گھوڑوں کا قصہ

پ۲۳ ص ع۳۔ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصَّافِنَاتُ الْجِيَادُ فَقَالَ اِنِّي اَحْبَبْتُ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ رُدُّوْهَا عَلَيَّ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ

(ایک روز شام کے وقت حضرت سلیمان کے خاصے کے اصیل گھوڑے ان کے سامنے پیش کئے گئے تو ان کے معائنے میں ایسے مشغول ہوئے کہ وقت کی خبر نہ رہی جب یاد

آیا تو کہنے لگے میں نے اپنے پروردگار کی یاد کو مال کی الفت پر ترجیح دی یہاں تک کہ آفتاب مغرب کے پردہ میں چھپ گیا تو بولے اچھا ان گھوڑوں کو میرے پاس لاؤ جب آئے تو ان کی ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے)

مولانا فرمان علی صاحب مرحوم نے اس پر حسب ذیل حاشیہ لکھا ہے:۔

آپ نے ان گھوڑوں کی قربانی کر دی اور ان کا گوشت لوگوں میں تقسیم کر دیا لکھتے ہیں حضرت سلیمان کا ارادہ دمشق اور نصیبین کے کفار پر چڑھائی کا تھا اس کی تیاری میں عمدہ گھوڑے آپ نے اپنے سامنے طلب کئے تھے آپ ان کو دیکھنے میں ایسے منہمک ہوئے کہ آخری وقت جو دعائیں اور وظائف پڑھتے تھے ترک ہو گئے اور آفتاب غروب ہو گیا اس کا آپ کو اتنا صدمہ ہوا کہ باوجودیکہ یہ بھی ایک امر خیر تھا کہ جہاد کی غرض سے گھوڑے چنے جا رہے تھے مگر یہ چونکہ اپنے ذاتی شوق کی چیز تھی لہذا ان مستحبی وظائف کے ترک ہونے کے کفارہ میں گھوڑوں کو کاٹ ڈالا۔

نمعلوم یہ روایت مولانا نے کہاں سے لی ہے جہاد کے لئے تیاری مستحبات بجالانے سے زیادہ اہم و اعظم تھی ایسی صورت میں کفارہ کیسا۔ کیا وہ کوئی ان کا ذاتی کام تھا کیا یہ کام داخل عبادت نہ تھا آیت میں ٹانگوں وغیرہ کے کاٹنے کا ذکر نہیں بلکہ ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے کا ہے۔

مولانا امداد حسین صاحب قبلہ کاظمی نے اپنے ترجمہ قرآن کے حاشیہ پر لکھا ہے تفسیر صافی صفحہ ۴۳۳ پر بحوالہ کتاب من لایحضرہ الفقیہ" امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ ایک دن شام کے وقت حضرت سلیمان کے سامنے گھوڑے پیش ہو رہے تھے اور وہ ان کے دیکھنے میں مشغول تھے کہ سورج چھپ گیا پس انہوں نے فرشتوں سے کہا کہ اس کو ہمارے لئے لوٹا دو تاکہ نماز ٹھیک وقت پر پڑھ لیں۔ چنانچہ لوٹا دیا گیا۔ حضرت سلیمان کھڑے ہوئے اور اپنی دونوں پنڈلیوں اور گردن پر مسح کیا اور ان لوگوں کو جن کی نماز ان کے

Marfat.com

ساتھ ہونے والی بھی ایسا ہی کرنے کا حکم دیا کیونکہ نماز کے لئے ان کا وضو یہی تھا۔ جب نماز پڑھ لی تو سورج غروب ہو گیا۔

حضرت سلیمان کے لئے ردِ شمس کا ذکر نہ تو آیہ ماثورہ میں ہے نہ احادیث معتبرہ میں حضرت یوشع بن نون اور حضرت علی کے لئے تواعیہ میں ہے سلیمان کے لئے نہیں۔ روضۃ الصفا میں حضرت علی سے ردِ شمس کی روایت منقول ہے۔ بہر حال صافی کی حدیث سے یہ مطلب صاف ہو گیا کہ حضرت سلیمان نے گھوڑوں کو کاٹا نہیں تھا نہ کوئی وجہ ان کے کاٹنے کی تھی اگر ترک اولیٰ ہوا تھا تو ان کے لئے استغفار کرنا تھا جیسا اور انبیاء نے کیا نہ کہ بے قصور گھوڑوں کو کاٹنا۔ کرنے کوئی بھرتے کوئی۔ مسح کرنے سے مراد گھوڑوں کی ٹانگوں یا گردن کا مسح کرنا مراد نہیں بلکہ اپنی ٹانگوں اور گردن کا مسح کرنا ہے اور یہی قرین قیاس ہے یعنی وقت کی تنگی کے لحاظ سے بجائے وضو تیمم کر لیا گیا اس شریعت میں تیمم کا بھی یہی طریقہ ہو گا۔

صاحب تفسیر انوار النجف آیہ اِنِّیۡۤ اَحۡبَبۡتُ حُبَّ الۡخَیۡرِ عَنۡ ذِکۡرِ رَبِّیۡ کے متعلق لکھا ہے کہ ذکر سے مراد توریت ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ حضرت سلیمان نے فرمایا میں نے اپنے پروردگار کی کتاب توریت کی وجہ سے گھوڑوں سے محبت کی یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔

روایت عامہ میں ہے کہ چودہ گھوڑے آپ کے سامنے پیش ہوئے جن کا معائنہ کرتے کرتے نماز کا وقت چلا گیا تو آپ نے وہی گھوڑے واپس بلوائے اور ان کی ٹانگیں اور گردنیں کاٹ ڈالیں کیونکہ ان کی وجہ سے نماز قضا ہوئی تھی اور اس فعل کے عذاب میں سلیمان سے چودہ دن تک سلطنت چھین لی گئی۔ مروی ہے جب یہ روایت امیر المومنین نے سنی تو فرمایا یہ بالکل جھوٹ ہے بلکہ حضرت سلیمان جہاد کے لئے گھوڑوں کا معائنہ فرما رہے تھے اور یہ کام بھی ان کا کارِ خیر تھا اور اس وجہ سے وہ ذکر پروردگار سے محروم ہو گئے تھے پھر بامرِ خدا سورج پلٹا اور آپ نے نماز ادا فرمائی۔ حضرت نے فرمایا نبی نہ خود ظلم کرتے ہیں نہ ظلم کرنے دیتے ہیں کیونکہ وہ معصوم ہوتے ہیں اور گھوڑوں کو قضا سے نماز کی سزا دینی ظلم تھا۔

Marfat.com

(۲۶۰) کرسی سلیمان پر ایک مُردہ جسم

پ ۲۳ ص ع ۱۳ - وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ -

(اور ہم نے سلیمان کا امتحان لیا اور ان کے تخت پر ایک بے جان دھڑ لاکر گرا دیا)

مولانا فرمان علی صاحب نے اپنے مترجمہ قرآن پر حسب ذیل حاشیہ لکھا ہے۔

"حضرت سلیمان کے لشکر میں جہاں آدمی تھے، جنات بھی تھے یہ جنات چاہتے تھے کہ حضرت سلیمان کے اولاد نہ ہو تاکہ سلطنت کے مالک وہی ہوجائیں سلیمان کو ان کی نیت کا پتہ چل گیا۔ ایک روز فرمایا میری ستر بیبیاں ہیں سب کے پاس جاؤں تو ستر بیٹے پیدا ہوں مگر آپ نے اس وقت انشاء اللہ نہ کہا پیغمبر کے لئے اتنی بات بھی شان نبوت سے گرتی ہوئی تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے اگرچہ ستر بیبیوں سے صحبت کی مگر صرف ایک بی بی سے لڑکا پیدا ہوا اور وہ بھی مردہ بے جان۔ لوگوں نے اس کو آپ کے تخت پر لاکر ڈال دیا کہ لیجئے یہی وارث تاج وتخت ہے جب آپ کو انشاء اللہ نہ کہنے کا خیال آیا تو بارگاہ باری میں توبہ کی اور گریہ وزاری بھی۔"

اس روایت میں چند امور غور طلب ہیں۔

(۱) جنات کا یہ چاہنا کہ ان کے اولاد نہ ہو کیا حقیقت رکھتا ہے۔ کیا اولاد دینا جنات کے بس میں تھا کیا ان کو اولاد دینے یا نہ دینے میں کوئی اختیار حاصل تھا۔

(۲) کیا واقعی حضرت سلیمان کے محلات میں عورتوں کی چھاؤنی تھی۔ جس میں ستر عورتیں قیام پذیر تھیں۔ بعض راویوں نے تو تین سو تک لکھی ہیں۔ تعجب کی بات ہے کہ سرکار خاتم الانبیاء تک ازواج کی یہ کثرت کہیں اور نہیں پائی جاتی اس کی کوئی وجہ معلوم ہونی چاہیئے۔ بیشک حضرت سلیمان کو ایک بہت بڑی سلطنت دی گئی تھی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ عورتوں کو اس کثرت سے رکھنے کی بھی ان کو اجازت ہو۔ یہ صرف محلات کی زینت تھیں یا ان سے

Marfat.com

مباشرت بھی ہوتی تھی۔ مباشرت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔

(۳) لوگوں نے طنزاً یہ کیوں کہا لیجیے یہ ہے وارث تخت وتاج۔ ضرور اس میں کوئی نئی ہے

(۴) انشاءاللہ نہ کہنا اولیٰ تو ایک نبی کے لئے محل تعجب ہے اور اگر بالفرض نہ بھی کہا تھا تو اس کی یہ سزا کہ اولاد ذکور سے انہیں محروم کر دیا گیا اور سلطنت کو ان کے گھر سے نکال لیا گیا یہ ترک اولیٰ تھا اس کی اتنی بڑی سزا نہ ہونی چاہیے تھی۔ تو یہ استغفار پر یہ گناہ بخش دیا جاتا اور اولاد سے ان کو محروم نہ کیا جاتا۔

بات اتنی تھی کہ جناب سلیمان کی ازواج میں ایک بی بی ایسی تھیں جن سے ان کو زیادہ الفت تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ اس کے اولاد ہو تو اسے وارث سلطنت بنائیں لیکن قدرت کو یہ منظور نہ تھا لہٰذا اس کے بطن سے جو بچہ پیدا ہوا وہ مردہ تھا۔ جو لوگ سلیمان علیہ السلام کی اس تجویز کے مخالف تھے وہ خوش ہوئے اور انہوں نے طنزاً مردہ بچہ کو تخت پر لاکر رکھ دیا اس سے معلوم ہوا کہ وارث سلطنت بنانا کسی نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا جس کو خدا چاہے بنائے۔ (تاریخ الانبیاء فارسی مطبوعہ ایران)

حضرت داؤد علیہ السلام کے کئی بیٹے تھے اپنی ایک محبوبہ بی بی کے بیٹے کو سلطنت دینا چاہتے تھے لیکن خدا نے حکم دیا کہ ان سب سے کچھ سوالات کیے جائیں جس کے جوابات بہتر ہوں اسے بنایا جائے۔ جناب سلیمان کے جوابات سب سے بہتر تھے لہٰذا انہی کو حضرت داؤد کا جانشین بنایا گیا۔

ملک سلیمان اور تسخیر جنات

پ ۲۳ ص ع ۳: قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّن بَعْدِي إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ وَالشَّيَاطِينَ كُلَّ بَنَّاءٍ وَغَوَّاصٍ وَآخَرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ هَٰذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ

Marfat.com

اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ٥ (سلیمان نے کہا پروردگار مجھے بخش دے اور مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے بعد کسی کے واسطے شایان شان نہ ہو اس میں شک ہی نہیں کہ تو بڑا بخشنے والا ہے تو ہم نے ہوا کو ان کا تابع کر دیا کہ جہاں وہ پہنچنا چاہتے تھے ان کے حکم کے مطابق دھیمی چال سے چلتی تھی اسی طرح جتنے شیاطین (دیو) عمارت بنانے والے اور غوطہ لگانے والے تھے سب کو تابع کر دیا اس کے علاوہ دوسرے دیووں کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے اور (ہم نے کہا) اے سلیمان یہ ہماری بے حساب عطا ہے پس چاہیئے اسے لوگوں کو دے کر احسان کر دیا سب اپنے ہی پاس رکھ لو تم سے کوئی حساب نہ ہوگا)

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ حضرت سلیمان کی خود غرضی تھی کہ ایسا ملک مانگا جو ان کے بعد کسی کو ملے ہی نہیں لیکن یہ غلط فہمی ہے ایک نبی کے دل میں ایسے خیالات گردش کر ہی نہیں سکتے بلکہ وہ چاہتے تھے کہ خاصان خدا میں کم سے کم ایک شخص ایسی خصوصیات کے ساتھ بادشاہ ہو کر اس کے بعد دنیا کے کسی بادشاہ کو اس قسم کی حکومت ملے ہی نہیں تاکہ کسی کو خاصان خدا کے مقابل فخر و مباہات کا موقع نہ ملے اور وہ خصوصیت یہ تھی کہ ہوا کو جنات کو اور تمام حیوانات کو مسخر کر دیا تھا اس کی تردید میں کہ شاید سلیمان ایسی بڑی مخصوص سلطنت کو خدا کے نزدیک کوئی بڑا عطیہ سمجھتے ہوں ان کو جتا دیا گیا کہ یہ خدا کے نزدیک کوئی بڑی چیز نہیں بہت معمولی ہے چاہے کسی کو دے ڈالو یا اپنے پاس رکھے رہو اس کا کوئی حساب تم سے نہ ہوگا۔

بعض مفسرین نے جنات سے مراد وہ دیو پیکر انسان لئے ہیں جو نہایت وحشی اور سرکش تھے لیکن یہ صحیح نہیں۔ جنات بجائے خود خدا کی ایک مخلوق ہیں جن کو قرآن کریم میں انسان کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اگر وہ انسان ہوتے تو علیحدہ سے ذکر کرنے کی

ضرورت نہ تھی۔ جناب سلیمان کے عمل تسخیر سے یہ لوگ بصورت انسان ان کے سامنے حاضر ہو گئے تھے یہ دو قسم کے جن تھے ایک وہ جنہوں نے بخوشی حضرت سلیمان کی اطاعت قبول کر لی تھی دوسرے وہ سرکش و نافرمان جو ان کی سلطنت میں رخنہ ڈالتے تھے اور آپ کے تابعین کو ستاتے تھے۔ حضرت سلیمان نے ان کو گرفتار کرا کے زنجیروں سے جکڑ دیا تھا۔ وہ حضرت سلیمان کی سلطنت کے آخر تک برابر جکڑے پڑے رہے۔

---

۲۶۲ خلقت انسانی میں قدرت کا کمال

پ ۲۳ الزمر ع ۱: یَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّن بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ

(خدا وہ ہے جس نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں ایک قسم کی پیدائش کے بعد دوسری قسم (نطفہ سے جما ہوا خون کا لوتھڑا) کی پیدائش سے تہرے تہرے اندھیروں (جھلی۔ رحم اور پیٹ) میں پیدا کرتا ہے)

ہر مصور جب کوئی نقش بناتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ سطح ساکن ہو اور روشنی ہو۔ لیکن مصور قدرت کی کارگیری دیکھو کہ نقش انسانی کو اس نے ایک سیال (نطفہ) سطح کے اوپر بنایا اور پیٹ رحم جھلی تین پردوں کے اندر انتہائی تاریکی میں بنایا پھر کیا کیا بنا یا کوئی نہیں جانتا اندر ہی اندر سب کچھ بنتا رہا لیکن نہ ماں کو خبر کیا بن رہا ہے لڑکی ہے یا لڑکا۔ کالا ہے یا گورا۔ ناقص الخلقت ہے یا کامل الخلقت۔ سعید ہے یا شقی نہ باپ کو علم جب مکمل کر لیتا ہے تو ایک ایسے راستے سے باہر نکالتا ہے جس سے نکلنے کی امید نہیں کی جا سکتی تھی یہ اس کی قدرت کے عجیب و غریب کرشمے ہیں اس کے پیدا ہونے سے پہلے اس کے رزق کا بندوبست کر دیتا ہے۔ سبحانہٗ ما اعظم شانہٗ

Marfat.com

(۲۶۳) خواب میں رُوح کہاں جاتی ہے

پ۲۴ الزمر ع ۵ : ۔ اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا فَیُمْسِکُ
الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْھَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰی اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی ۔

(خدا ہی لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی روحیں (اپنی طرف) کھینچ بلاتا ہے اور جو لوگ نہیں مرتے ان کی روحیں ان کی نیند میں کھینچ لی جاتی ہیں پس جن کے بارے میں خدا موت کا حکم دے چکا ہے ان کی روحوں کو روک لیتا ہے باقی (مرنے والوں کی روحوں) کو پھر ایک مقررہ وقت تک کے لیے واپس بھیج دیتا ہے)

انسان مجموعہ ہے تین چیزوں کا بدن نفس اور روح ۔ نفس کا جسم بھی مادی جسم جیسا ہوتا ہے لیکن وہ برزخی مادہ کا بنا ہوا ہوتا ہے اسے ہم چھو نہیں سکتے ۔ خواب میں جو لوگ ہم کو نظر آتے ہیں وہ برزخی یا مثالی بدن والے ہوتے ہیں ۔ اسی طرح جو چیز بھی ہم خواب میں دیکھتے ہیں وہ اسی مادہ کی ہوتی ہے ۔

نفس بدن کے ہر حصہ پر چھایا ہوا ہوتا ہے جب آدمی سونے لگتا ہے تو نفس ہلکے ہلکے اس سے علیحدہ ہونا شروع ہوجاتا ہے اگر بالکل علیحدہ ہوجائے تو موت واقع ہوجاتی ہے خواب میں وہ بالکلیہ علیحدہ نہیں ہوتا بلکہ اس کا ایک حصہ بدن سے متصل رہتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی کیڑا کاٹتا ہے یا کوئی بدن کو ہلاتا ہے تو وہ فوراً سارے جسم پر چھا جاتا ہے ۔ موت کے وقت اس کا تعلق بالکل قطع ہوجاتا ہے ۔

بحالتِ خواب جب ہمارا نفس بدن سے الگ ہوتا ہے تو وہ اپنی برزخی آنکھوں سے خواب میں لوگوں کو دیکھتا ہے کیونکہ ان کے نفوس بھی برزخی ہوتے ہیں اور دیکھنے والا نفس بھی اس وقت بدن قید ہونے سے آزاد ہوتا ہے ۔ ایک مثال کے ذریعہ سے سمجھیے :

ایک آدمی بھوکا سوتا ہے وہ خواب میں دیکھتا ہے کہ ایک باغ کے اندر ہے جو اس

کے دوست کا ہے اس کا دوست مختلف قسم کے میوے اس کے سامنے لاکر رکھتا ہے وہ کھانے لگتا ہے یہاں تک کہ شکم سیر ہو جاتا ہے اس کے ہاتھ اور منہ پھلوں کی شیرینی سے چپکنے لگتے ہیں۔ یکایک آنکھ کھل جاتی ہے۔ اب اس کے پیٹ میں کچھ نہیں۔ جیسا بھوکا سویا تھا ویسا ہی بھوکا اٹھا نہ ہاتھ چپک رہے ہیں نہ منہ۔ معلوم ہوا کہ اس کھانے کا تعلق بدن مادی سے نہ تھا بلکہ بدن نفسی یا برزخی سے تھا اور پھل بھی مادی نہ تھے بلکہ برزخی تھے جس کی لذت نفس لے رہا تھا بدن مادی سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔

روح عالم امری سے تعلق رکھتی تھی عالم خلقی سے نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کا بہت تھوڑا سا علم دیا ہے۔ نفس کی طرح روح میں تمایز اعضاء نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک نورانی چیز ہے جو نفس پر چھائی رہتی ہے اس سے نفس میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور نفس بدن میں حرکت پیدا کرتا ہے جب انسان مرتا ہے تو نفس اور روح دونوں اس سے جدا ہو جاتے ہیں اور سیدھے عالم برزخ میں پہنچتے ہیں تاقیامت ان کو اس عالم میں رہنا ہوگا۔ روح کا آلہ کار نفس ہے اور نفس کا آلہ کار بدن ہے۔

---

(۲۶۴) مومن آل فرعون کا قصّہ

پ۲۴ المومن۔ ع۱۳۔ وَقَالَ رَجُلٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗۤ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ۔

(ایک ایمان دار شخص (حزقیل) جو فرعون کے خاندان سے تھا اور اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا لوگوں سے کہنے لگا کیا تم ایسے شخص (موسیٰ) کو قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس معجزے لے کر آیا ہے)

Marfat.com

حزقیل مومن آل فرعون۔ فرعون کے ماموں زاد یا چچازاد بھائی تھے یہ پانچ یا چھ برس تک تقیہ میں رہے جو لوگ تقیہ کے متعلق شیعوں پر اعتراض کرتے ہیں وہ اس آیت پر غور کیوں نہیں کرتے آیت میں یکتم ایمانہ" اگر تقیہ نہیں تو اور کیا ہے۔

مومن آل فرعون کے متعلق لوگوں نے فرعون سے جا لگائی کہ حزقیل نہ تیری خدائی کو مانتا ہے نہ تیری ربوبیت کو۔ وہ تو موسیٰ پر ایمان لائے ہوئے ہے یہ سن کر فرعون کو غصہ آیا حکم دیا فوراً اسے ہمارے سامنے پیش کرو۔ اگر اس نے میری خدائی کا اقرار نہ کیا تو تم سب کے سامنے میں اسے قتل کر دوں گا۔ چنانچہ جب وہ حاضر ہوئے تو اس نے کہا کیا تو مجھے خدا نہیں مانتا کیا تو میری ربوبیت پر ایمان نہیں لایا۔

انھوں نے حاضرین دربار کو مخاطب کر کے کہا جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس پر گواہ رہنا۔ اے فرعون تو بھی سن اور لوگو تم سب بھی سنو میرا عقیدہ یہ ہے۔

" جو تم سب کا خدا ہے وہی میرا خدا ہے جو تم سب کا رب ہے وہی میرا رب ہے
فرعون یہ جواب سن کر خوش ہو گیا حالانکہ حزقیل کا مطلب یہ تھا کہ جو تم سب کا اصلی خدا ہے وہی میرا ہے اور جو تم سب کا رب ہے وہی میرا رب ہے۔ "

(۲۶۵) شریعت کا آغاز کہاں سے ہوا

پ ۲۵ الشوریٰ ع ۲ : شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ۔

(تمھارے لئے دین کا وہی راستہ مقرر کیا جس پر چلنے کا نوح کو حکم دیا تھا اور اے رسول اس کی ہم نے تمھارے پاس وحی کی تھی اور اس کا حکم ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ کو بھی دیا تھا وہ یہ ہے کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا)

اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوالیس ہزار انبیاء بھیجے جن میں تین سو تیرہ صاحب کتاب و صحیفہ

تھے اور ان میں سے پانچ رسولوں کو صاحب شریعت بنایا۔ نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ۔ پس شریعت کا آغاز حضرت نوح سے ہوا۔ ان سے پہلے حضرت آدم سے لے کر حضرت نوح تک جو انبیاء گزرے ان کو مستقلات عقلیہ کی تعلیم بذریعہ وحی دی جاتی تھی جو اصول دین تھے وہ کبھی نہیں بدلے ہر نبی انہی کی تعلیم دیتا تھا یعنی توحید رسالت میت اور فروع میں ان باتوں کی جو عندالعقل ممدوح ہیں جیسے سچ اچھا ہے جھوٹ بُرا ہے دیانت اچھی چیز ہے۔ خیانت بری ہے۔ وفاداری اچھی ہے بے وفائی بری وغیرہ وغیرہ۔ حضرت نوح سے ہدایت بصورت شریعت ہونے لگی اور خدائی احکام ایک کتاب یا صحیفہ کی صورت میں نازل ہونے لگے۔

---

(۲۶۶) رسُول کا اجر رسالت

پ ۲۵ الشوریٰ ع ۲۔ قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ ۗ وَمَن يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْنًا ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ شَكُورٌ ۝

(اے رسول کہہ دو میں (تبلیغ رسالت) کا اپنے قرابت داروں کی محبت کے سوا کوئی بدلہ نہیں چاہتا اور جو شخص نیکی حاصل کرے گا ہم اس کے لئے اس کی خوبی میں اضافہ کریں گے)

اس آیت کی شان نزول یہ ہے کہ ایک روز مہاجرین وانصار جمع ہو گئے اور آپس میں کہنے لگے آنحضرت نے تبلیغ دین میں بڑی زحمتیں اٹھائی ہیں ہم کو چاہیئے کہ اس کا کچھ اجر حضرت کی خدمت میں پیش کریں لہٰذا سب نے کچھ مال جمع کیا اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا خیال ظاہر کیا اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی جس کا مطلب یہ ہے کہ میں تم لوگوں سے از قسم مالِ دنیا کوئی چیز نہیں چاہتا۔ میری رسالت کا اجر تو یہ ہے کہ تم میرے ذوی القربیٰ سے محبت کرو جب لوگوں نے پوچھا کہ آپ کے ذوی القربیٰ کون ہیں تو فرمایا میری عترت

Marfat.com

میرے اہل بیت۔ آگاہ ہو جو شخص آل محمد کی دوستی پر مرے گا وہ شہید کہلائے گا
سنو جو آل محمد کی دوستی پر مرے گا وہ مغفور ہو گا۔

سنو۔ جو آل محمد کی دوستی پر مرے گا وہ توبہ قبول کیا ہوا مرے گا۔

آگاہ ہو جو آل محمد کی دوستی پر مرے گا وہ کامل الایمان مرے گا۔

آگاہ ہو جو آل محمد کی دوستی پر مرے گا منکر و نکیر اسے بہشت کی خوشخبری دیں گے۔

آگاہ ہو جو آل محمد کی دوستی پر مرے گا اس کی قبر کے فرشتے زیارت کریں گے۔

آگاہ ہو جو دشمنی آل محمد پر مرے گا روز قیامت اس کی پیشانی پر لکھا ہو گا یہ رحمت خدا سے مایوس ہے۔

آگاہ ہو جو دشمنی آل محمد پر مرا وہ کافر ہے۔ جو دشمنی آل محمد پر مرا وہ بہشت کی بو نہ سونگھے گا
کسی نے پوچھا جن کی محبت کو خدا نے واجب کیا ہے یہ کون لوگ ہیں فرمایا علی و فاطمہ
اور ان کے بیٹے حسن و حسین (تفسیر کشاف، صحیح بخاری، مسلم، مسند احمد حنبل، درمنثور سیوطی)

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی رسالت کا اجر ایسا قرار دیا ہے جو ہر وقت ہر حالت میں ہر شخص دے سکتا ہے اور اس کے متعلق کوئی حیلہ حوالہ نہیں کر سکتا۔ برخلاف اس کے اگر مال کو اجر قرار دیا جاتا تو غریب لوگ اس سے محروم رہتے اور امیر لوگ حیلے بہانے کرتے جو لوگ خمس و زکوٰۃ نہیں دیتے وہ بھلا اجر رسالت کیا دیتے اور اگر دیتے تو اس کا مصرف مرضی خدا و رسول کے خلاف قرار دے لیتے جیسے خمس کا مصرف بجائے سادات کے اخراجات لشکر قرار دے لیا گیا تھا چنانچہ آج تک سادات مسلمانوں کے خمس سے محروم ہے اور اس حق سادات کو معلوم کن کن مدوں میں خرچ کیا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اجر رسالت ایسا فرمایا ہے جس میں سر تا سر امت ہی کا فائدہ ہے کیونکہ اگر اہل بیت رسول کی محبت ہو گی تو ضرور ہے کہ مسائل دین میں ان کی اقتدا بھی کی جائے گی اور چونکہ وہ معصوم ہیں لہٰذا ان کی اقتدا ہر حالت میں باعث ہدایت ہو گی۔ افسوس ہے کہ باوجود اس آیت

Marfat.com

کے امت نے آل رسول کے ساتھ وہ سب کچھ کیا جو ایک بدترین دشمن کے ساتھ کیا جاتا ہے بلکہ اخلاقاً دشمن کے ساتھ بھی نہیں کیا جاتا۔ کونسا ظلم تھا جو ان پر نہیں کیا گیا اور کونسی توہین تھی جو ان کے حق میں روا نہ رکھی گئی۔ کیا قیامت میں اس کا مواخذہ نہ ہوگا۔ غضب کی بات ہے کہ اولاد رسول کو چھوڑ کر مسلمان اصحاب رسول کی محبت میں ایسے غرق ہوئے کہ آیات و احادیث سب کو بھلا بیٹھے۔ کیا اس کا نام اسلام ہے۔

(۲۶۷) وحی کی صورتیں

پ ۲۵ الشوریٰ ع ۵۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَاۤئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَاۤءُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ۔

(اور کسی آدمی کے لئے ممکن نہیں کہ خدا اس سے بات کرے مگر وحی کے ذریعہ سے یا پردہ کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیج دے غرض وہ اپنے اختیار سے جو چاہتا ہے پیغام بھیجتا ہے) (پس یہی تین طریقے خاصان خدا تک پیغام بھیجنے کے ہیں)

خواب میں جو پیغام کسی نبی کو ملتا ہے وہ القائی القلب کی وحی ہوتا ہے جیسے حضرت ابراہیم نے خواب میں حضرت اسمٰعیل کو ذبح کرتے دیکھا یا حضرت رسول خدا نے بنی امیہ کو بندروں کی طرح اپنے منبر پر اچھلتے کودتے دیکھا یہ وحی کی پہلی صورت ہے دوسری صورت جیسے حضرت موسیٰ کو درخت کے پردہ سے پیغام ملا تیسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ آکر کچھ بیان کرے جیسے مریم کے پاس فرشتہ آیا۔ حضرت ابراہیم کے پاس فرشتے آئے یا حضرت رسول خدا کے پاس فرشتہ آکر پیغام پہنچاتا تھا۔

وحی کی دو صورتیں ہیں تشریعی اور غیر تشریعی۔ وحی تشریعی کا تعلق انبیاء و مرسلین سے ہے اور غیر تشریعی کا تعلق ان کے علاوہ دیگر مخلوق سے ہوتا ہے جیسے حضرت موسیٰ کی ماں کو وحی ہوئی

Marfat.com

واوحینا الیٰ اُمِّ موسیٰ یا شہد کی مکھی کو وحی ہوئی۔ واوحیٰ ربک الی النحل۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے مادر موسیٰ یا شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات پیدا کر دی۔ وحی کی ایک قسم الہام ہے اس کا تعلق شرعی احکام سے نہیں ہوتا بلکہ واقعات اور اس کے نتائج سے ہوتا ہے۔ جیسے ہمارے آئمہ کو الہام ہوتا تھا وحی نہیں کیونکہ احکام شریعت مکمل ہو چکے تھے اور ان سب کا علم ان حضرات کو تھا ان میں کسی ترمیم و تنسیخ کو دخل ہی نہ تھا البتہ واقعات اور نتائج سے بذریعہ الہام یعنی اَلْقَائی فِی الْقَلْبِ سے ان کو آگاہ کر دیا جاتا تھا۔

(۲۶۸) آسمان و زمین کس پر روئے

پ ۲۵ الدخان ع ۱۔ فَمَا بَکَتْ عَلَیْهِمُ السَّمَاءُ وَالْاَرْضُ وَمَا کَانُوْا مُنْظَرِیْنَ

(ان پر (فرعون اور اس کی قوم) نہ آسمان کو رونا آیا نہ زمین کو اور نہ انہیں مہلت ہی دی گئی)

اس آیت سے پتہ چلا کہ آسمان و زمین میں رونے کی صلاحیت ہے ورنہ قرآن میں ان کے رونے کا ذکر نہ ہوتا یہ اور بات ہے کہ ان کے رونے کا طریقہ کیا ہے اگر کسی واقعہ پر زمین و آسمان کا رونا ثابت نہ ہو تو پھر ان کو رونے سے نسبت دینا ہی عبث ہوگا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام شہید ہوئے تو آسمان بھی رویا اور زمین بھی۔ آسمان کا رونا اس کا سرخ ہو جانا ہے اس کی موید وہ روایت ہے جو ابن حجر عسقلانی نے صواعق محرقہ میں لکھی ہے کہ حضرت علی کا گزر ایک بار کربلا میں ہوا جب قبر حسین کی جگہ پر پہنچے تو فرمایا یہی ہمارے اونٹوں کے بٹھانے اور اسباب رکھنے کی جگہ ہے رسول کے اہلبیت میں سے کچھ لوگ یہاں قتل کیے جائیں گے جن پر آسمان بھی روئے گا اور زمین بھی۔

(۲۶۹) والدین کے ساتھ احسان

پ ۲۶ الاحقاف ع ۲:۔ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَ وَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا۔

(ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا کیونکہ اس کی ماں نے رنج ہی کی حالت میں اسے پیٹ میں رکھا اور رنج ہی کی حالت میں اس کو جنا اور اس کے حمل اور دودھ بڑھائی کی مدت تیس ماہ ہوتے ہیں)

اس آیت کی رو سے اگر دودھ بڑھائی کے دو سال نکال دیئے جائیں تو مدت حمل صرف چھ ماہ رہتی ہے اس مدت کا بچہ زندہ نہیں رہتا۔ مدت حمل نو ماہ ہے سوائے حضرت یحییٰ بن زکریا اور امام حسین علیہ السلام کے کسی ماں کا حمل چھ ماہ نہیں رہا لہٰذا یہ آیت امام حسین علیہ السلام کی شان میں ہے۔

---

(۲۷۰) آنحضرتؐ کے اگلے پچھلے گناہوں کی معافی کا مطلب

پ ۲۶ الفتح ع ۱:۔ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا۔

اے رسول (یہ حدیبیہ کی صلح نہیں بلکہ) ہم نے تم کو کھلم کھلا فتح عطا کی تاکہ خدا تمہاری امت کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دے اور تم پر اپنی نعمتیں پوری کرے اور تمہیں سیدھی راہ پر ثابت قدم رکھے)

جن لوگوں کو عصمت انبیاء کے دامن کو داغدار بنانے میں مزہ آتا ہے وہ اس آیت سے رسول اللہ کا غیر معصوم ہونا ثابت کرتے ہیں لیکن یہ غلط ہے اگر رسول ہی گنہگار ہو تو اس کی تبلیغ پر بھروسہ نہیں ہو سکتا لہٰذا یہاں مراد امت کے گناہ ہیں یا یہ کہ تمہارے متعلق جو گناہ مشرکین نے پہلے اور بعد میں

Marfat.com

کئے تھے ان سب کو اسلام لانے کے بعد بخش دیا گیا۔ جیسا کہ فتح مکہ کے بعد تمام کفار و مشرکین کو حضور نے خانہ کعبہ میں جمع کر کے فرمایا تھا۔ بتاؤ اب تمھارے کرتوتوں کا کیا بدلہ دیا جائے اور تم مجھ سے کیا امید رکھتے ہو۔ سب نے یک زباں ہو کر کہا کہ آپ کریم ابن کریم ہیں۔ حضرت نے فرمایا۔ لا تثریب علیکم الیوم (یعنی اگلے پچھلے تمام گناہ بخش دیئے گئے اب کوئی الزام تم پر نہیں) یا آیت کا یہ مطلب لیا جائے کہ یہ مشرکین تمھاری طرف جن گناہوں کو منسوب کرتے ہیں۔ وہ سب بخشے گئے یعنی اول تو وہ گناہ ہی نہیں تھے اور اگر ان کے نزدیک تھے تو کہہ دو وہ سب بخشے گئے

---

(۲۷۱) بیعت رسول بیعت خدا ہے

پ۲۶ الفتح ع ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ۔

(اے رسول جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں اس میں شک نہیں کہ وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ (وقت بیعت) ان کے ہاتھوں پر ہوتا ہے)

اللہ تعالیٰ نے رسول کے ہر عمل کو اپنا عمل بتایا ہے جیسے آیہ ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی۔ (اے رسول تم نے تیر نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا) پس جو لوگ رسول کی عصمت کو تسلیم نہیں کرتے ان کو سمجھنا چاہیے جس کا فعل اللہ کا فعل ہوا اور جس کا قول مطابق وحی ہو وہ خلاف عصمت کوئی بات کیسے بول سکتا ہے اور کوئی فعل کیسے کر سکتا ہے۔

---

(۲۷۲) نبی کی آواز پر آواز بلند کرنے کی ممانعت

پ۲۶ الحجرات ع ۱ ۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۔

(اے ایمان والو نبی کی آواز سے اونچی آواز نہ کیا کرو اور جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے

زور زور سے بالا کرتے ہو ان کے روبرو زور سے نہ بولا کرو ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا سب اکارت ہو جائے اور تم کو خبر بھی نہ ہو)

بخاری میں ہے ابن منذر ابن مردویہ نے عبداللہ بن زبیر سے اس آیت کی شان نزول یہ بیان کی ہے کہ ایک روز حضرت ابوبکر کے پاس بنی تمیم کے کچھ لوگ آئے تو حضرت ابوبکر بول اٹھے کہ ان لوگوں کا حاکم قعقاع بن معبد کو بنائیے عمر کہنے لگے نہیں یہ ٹھیک نہیں اقرع ابن حابس کو ان کا امیر بنائیے یہ سن کر ابوبکر بولے ہائیں تم میری مخالفت کرتے ہو۔ عمر نے کہا مجھے تمہاری مخالفت تو منظور نہیں مگر جو بات حق تھی میں نے کہہ دی غرض اس قسم کی باتیں ہوتے ہوتے آوازیں بلند ہو گئیں تو خدا نے ان کی تنبیہ کے لئے یہ آیت نازل کی (تفسیر درمنثور) اس تنبیہ کے ساتھ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ گذشتہ جو اعمال کئے تھے سب حبط ہو گئے

اگر یہ کہا جائے کہ اس حکم کے بعد ان سے یہ گناہ سرزد نہیں ہوا تو یہ غلط ہے۔ باوجود اس حکم محکم کے صادر ہونے کے حضرت کے مرض الموت میں حدیث قرطاس کے بیان کے وقت صحابہ کرام میں جن میں ابوبکر و عمر بھی شامل تھے ایسا سخت جھگڑا ہوا اور اتنا شور و غل مچا کہ حضور نے خشمناک ہو کر فرمایا۔ قوموا عنی (میرے پاس سے دور ہو جاؤ میرے پاس جھگڑا کرنا درست نہیں۔ اب اس آیت کے آخری حصے کو ملائیے کہ تمہارے سب اعمال حبط و ضبط ہو جائیں گے۔ لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ جو حضرات رسول کے سامنے جھگڑا کر رہے تھے ان کے سابقہ اعمال ضبط ہو گئے تو اب بتائیے ان کے پاس رہا کیا اس کے بعد جانشین رسول ہونے کا دعویٰ صحیح کیسے ہو گا۔

رسول خدا کا یہ انتہائی احترام ہے کہ ان کی آواز پر آواز بلند کرنے کی اجازت نہیں یعنی خدا نہیں چاہتا کہ جو ہادہن مبارک رسول سے نکلے اس پر کسی دوسرے کے دہن کی نکلی ہوئی آواز غالب آجائے۔

۲۷۲ طعنہ دینے اور برا نام رکھنے کی ممانعت

پ ۲۶ الحجرات ۲ : وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ

بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۔

اور آپس میں ایک دوسرے کو طعنہ نہ دو اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو ایمان لانے

کے بعد بدکاری کا نام ہی برا ہے

ثابت بن قیس بن شماس اونچا سنتے تھے اس لیے حضرت کی مجلس میں آتے تو قریب بیٹھتے تھے

ایک دن وہ آئے تو نماز میں ایک رکعت ہو چکی تھی۔ جب نماز ہو چکی تو لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے

ثابت بن قیس جب نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کو پھلانگتے ہوئے حضرت کے پاس پہنچے اور ایک شخص سے

کہا کہ مجھے جگہ دو وہ نہ ہٹا تو ثابت خفا ہو کر بیٹھ گیا۔ جب دن نکلا تو ثابت نے اس سے

کہا تو کون ہے اس نے اپنا نام بتایا۔ ثابت نے کہا اب معلوم ہوا تو فلانی عورت کا

بیٹا ہے اور اس کی ماں کو برے لفظ سے یاد کیا اس کو سخت ناگوار گزرا۔ اس کے

متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

---

۲۷۳ بدگمانی اور دوسروں کے حال کی ٹوہ لگانے کی ممانعت

پ ۲۶ الحجرات ۲ : يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ

وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ

اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ۔

اے ایمان والو بدگمانی سے بچو کیونکہ بعض بدگمانی گناہ ہے اور آپس میں ایک دوسرے کے حال

کی ٹوہ میں نہ رہا کرو اور نہ تم میں سے ایک دوسرے کی غیبت کرے کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند

کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے تم اس سے ضرور نفرت کرو گے اللہ سے ڈرو بیشک اللہ بڑا توبہ کرنے والا مہربان ہے)

مروی ہے کہ ایک بار آنحضرت کے ساتھ سفر میں ابوبکر و عمر بھی تھے ان لوگوں نے سلمان رض وغیرہ کی غیبت کی اس کے بعد کسی آدمی کو سالن لانے کے لئے آنحضرت کے پاس بھیجا۔ آپ نے فرمایا وہ دونوں تو گوشت سے خوب پیٹ بھر چکے اب سالن کیا ہوگا۔ جب یہ بات ان دونوں نے سنی تو بڑی حیرت ہوئی دوڑے دوڑے حضرت کے پاس آئے اور کہنے لگے حضور ہم نے ایک عرصے سے گوشت دیکھا بھی نہیں کھانا کیسا۔ فرمایا اب تک تم دونوں کے دانتوں میں وہ گوشت بھرا ہوا ہے۔ کیا تم نے فلاں کی غیبت کر کے اس کا گوشت نہیں کھایا۔ پھر یہ آیت پڑھی اس پر وہ شرمائے (تفسیر در منثور سیوطی)

---

(۲۷۵) انبیا خدا کے یہاں سے علم لیکر آتے ہیں

پ۲۶ الذاریات ع ۲۔ قَالُوا لَا تَخَفْ وَبَشَّرُوهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ ۝

(فرشتوں نے ابراہیم سے کہا ڈرو مت اور ان کو ایک صاحب علم لڑکے کی خوشخبری دی)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ انبیا بطن مادری سے علم لے کر نکلتے ہیں ورنہ کسی اور کے لئے ایسا کیوں نہ کیا گیا اگر کہا جائے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بعد میں وہ عالم بن جائیں گے تو یہ کہنا لڑکے ہی کی کیا خصوصیت ہے بعد میں تو سب ہی عالم بن جاتے ہیں۔ آغوش نبوت میں پلنے والا جاہل کیسے ہو سکتا ہے۔ علیم صفت مشبہ ہے اور یہ صفت دوامی ہوتی ہے پس غلام کے ساتھ اس کا تعلق دوامی ہونا چاہیئے اگر کہا جائے کہ اور انبیا کے لئے تو ایسا نہیں کہا گیا جواب یہ ہے کہ ہر ایک کے لئے کہنے کی ضرورت کیا رہی ہے ایک کی خصوصیت سے دوسروں کی خصوصیت سمجھ لی جاسکے کیونکہ انبیاء مرسلین سب ایک ہی کام کے لئے

Marfat.com

آتے ہیں اور وہ دنیا کے کسی مدرسہ میں تعلیم نہیں پاتے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خدا کے یہاں سے علم حاصل کئے ہوئے آتے ہیں جب یہ ثابت ہوا کہ رسول خدا کو امی یا جاہل کہنا جہالت نہیں تو اور کیا ہے ورنہ یہ ثابت کیا جائے کہ کس نبی نے کس مدرسہ، مکتب یا کس استاد سے تعلیم پائی ہے۔

(۲۷۶) جن و انس کو عبادت کے لئے پیدا کرنے کا مطلب

پ ۲۷ الذاریات ع ۳ ؛ وَمَا خَلَقْنَا الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ۔

(ہم نے نہیں پیدا کیا جن وانس کو مگر اس لئے کہ وہ عبادت کریں)

بظاہر اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن وانس صرف عبادت ہی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور کسی کام کے لئے نہیں بس رات دن وہ نماز پڑھے جائیں اور تسبیح گھماتے جائیں لیکن ایسا نہیں فروع دین کی بجا آوری کے علاوہ ہر وہ کام جو کسب حلال کے لئے کیا جائے یا خلق خدا کی امداد کے لئے ہو۔ احکام الٰہی کے مطابق ہو تو وہ عبادت ہے امور خیر میں حصہ لینا اہل حاجت کی مدد کرنا۔ بیماروں کی عیادت کرنا، صلہ رحم کرنا۔ ہمسایہ کی مدد کرنا افعال بد سے بچنا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنا کسب حلال کے لئے کوئی پیشہ اختیار کرنا یہ سب امور داخل عبادت ہیں اور مستحق اجر و ثواب۔

رسول اللہ نے فرمایا ہے الکاسب حبیب اللہ۔ کوئی پیشہ اختیار کر کے روزی کمانے والا اللہ کا دوست ہے۔ صرف عبادت کے لئے گوشۂ عزلت میں بیٹھ جانا اور دنیا کے تمام کام کاج چھوڑ دینا رہبانیت ہے۔ جس کی اسلام نے مذمت کی ہے۔

Marfat.com

(۲۷۷) ستارہ کا ٹوٹنا

پ۲۷ - والنجم ع۱ - وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى -

(تارے کی قسم جب ٹوٹا تمھارے رفیق محمد نہ گمراہ ہوئے اور نہ بہکے وہ تو اپنی نفسانی خواہش سے کچھ بولتے ہی نہیں یہ تو بس وحی ہے جو بھیجی جاتی ہے)

ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک دفعہ ہم بنی ہاشم کے کچھ لوگوں کے ساتھ حضرت رسول خدا کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اتفاقاً ایک ستارہ ٹوٹا یہ دیکھتے ہی آپ نے فرمایا یہ ستارہ جس گھر میں گرے گا وہی میرے بعد میرا وصی ہو گا یہ سن کر لوگ اس کو دیکھنے کے لئے اُٹھے دیکھا کہ وہ علی کے گھر میں گرا تو لوگ گستاخانہ کہنے لگے یا رسول اللہ آپ علی کی محبت میں گمراہ ہو گئے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی (دیکھو مناقب ابوالحسن بن مغازلی الشافعی اور شرف المصطفیٰ ابوحامد شافعی)

مفسرین نے شان نزول میں بھی اختلاف کیا ہے بمفسرین اہلسنت تو اس کو مانتے ہی نہیں کہ حضرت علی کے گھر میں وہ ستارہ گرا اور جو مانتے ہیں وہ بھی ستارہ گرنے کے متعلق کچھ بیان نہیں کرتے ۔ نئی روشنی والے اس پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں کہ ستارہ گرنا کیسے ممکن تھا - پادری ڈاڈ صاحب نے اپنے ایک مضمون میں "قرآن پر ایک نظر" لکھا ہے جس کو پادری مظہر الحق نے اپنی کتاب قول الحق میں نقل کیا ہے یہ ہے :

" مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے اور قرآن میں اس کا ذکر ہے کہ ستارہ ٹوٹ کر کسی کے گھر میں گرا - زمین پر کسی ستارہ کا گرنا ممکن ہی نہیں ۔ یہ تو مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق آثار قیامت میں سے ہے پس قبل از وقت یہ قیامت کیسے آگئی یہ مسلمانوں کی من گھڑت روایت ہے ۔ ستارہ تو ستارہ ہی ہے اگر ایک ہوائی جہاز ٹوٹ کر کسی گھر میں گر پڑے تو وہ گھر تباہ و برباد ہو جائیگا

Marfat.com

اس کے رہنے والے ہلاک ہو جائیں گے۔ ایک ستارہ کو ایک عبارہ کی طرح کیوں فرض کر لیا گیا مدینہ کے گھروں میں جو چھوٹے چھوٹے ہوتے تھے ان کے کسی گھر کے صحن میں اتنی وسعت کہاں سے پیدا ہو گئی کہ ایک ستارہ اس کے صحن میں اتر آیا اور پھر یہ نہ معلوم ہوا کہ اس کا حشر کیا ہوا آیا وہ اٹھ کر پھر آسمان پر چلا گیا یا مسلمانوں نے اسے توڑ پھوڑ کر اپنے گھر میں رکھ لیا قرآن کی صداقت کا قیاس اس پر کر لیجئے۔ "

پادری ڈاڈا اور پادری مظہر الحق دونوں کی عقل ماری گئی ہے ان کی سمجھ میں یہ بات آئی ہی نہیں۔ نجم اور کوکب مختلف المعنی والتشبیہ دو لفظ ہیں۔ کواکب ان ستاروں کو کہتے ہیں جو وقت شب ہم کو فضائے آسمانی میں چمکتے نظر آتے ہیں یہ اپنے مدار پر قائم ہیں۔ یہ بھی دو قسم کے ہیں۔ ثابت اور سیار یعنی کچھ اپنی جگہ پر قائم ہیں اور کچھ گردش کرتے رہتے ہیں حضرت ابراہیم نے جن ستاروں سے استدلال کیا تھا وہاں لفظ کوکب ہے نجم نہیں۔ نجم عربی زبان دو معنی میں استعمال ہوا ہے اول بیلدار نباتات جیسے النجم والشجر یسجدان (بیلیں اور درخت خدا کو سجدہ کرتے ہیں) دوسرے وہ چھوٹے ستارے جو فضا میں گردش کرتے رہتے ہیں ان کی روشنی بہت مدھم ہوتی ہے ان کی جمع نجیمات ہے۔ جدید سائنس نے دوربینوں کے ذریعہ سے جو تحقیق کی ہے وہ یہ ہے کہ نجیمات مادہ ارضی سے بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ سورج کی کرنوں کے ذریعہ سے خاک کے چھوٹے چھوٹے ذرے بلند ہوتے ہیں اور ہوا ان کو گردش دیتی رہتی ہے وہاں سماوی مادوں سے یہ آپس میں ملتے جلتے ہیں اور گولے کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ شب و روز کی گردش میں ذرات کی تہیں ان پر جمتی چلی جاتی ہیں اور ان کا وزن اور حجم بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ یہ کئی کئی من وزنی ہو جاتے ہیں ان کی چمک بہت خفیف ہوتی ہے جو دوربینوں سے نظر آتی ہے انگریزی میں ان کو میٹیورز (MATEVRE) کہتے ہیں۔ رات کے وقت کبھی کبھی یہ اپنی گردش میں ایک دوسرے سے ٹکرا جاتے ہیں اس وقت ان سے جو شعلہ نکلتا ہے اسے ہم دیکھ

Marfat.com

ہیں ان کے ٹکڑے ٹوٹ کر زمین پر گرتے ہیں تو آگ کی طرح گرم ہوتے ہیں۔ ٹھنڈا ہونے پر ان کو اٹھایا جاتا ہے جو پتھروں سے زیادہ وزنی ہوتے ہیں۔ لندن کے میوزیم میں کئی ٹکڑے بڑے بڑے رکھے ہوئے ہیں اور کلکتہ کے عجائب خانہ میں بھی کئی چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہیں پس ان میں سے کسی ایک کا کسی کے گھر میں گرنا کوئی محل تعجب نہیں جب یہ ٹکراتے ہیں اور ان سے روشنی پیدا ہوتی ہے تو انگریزی میں اس کو شوٹنگ اسٹار کہا جاتا ہے غالباً آیت میں نجم سے یہی مراد ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

لفظ نجم کا اطلاق قرآن مجید میں ان چھوٹے چھوٹے ستاروں پر بھی کیا گیا ہے جو نظام شمسی کے تحت فضائے آسمانی میں چمکتے نظر آرہے ہیں۔ آثار قیامت میں ان کا گرنا قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔ اذا النجوم انکدرت جب ستارے گر پڑیں گے ان میں بعض کی روشنی اوروں سے زیادہ تیز ہے جس کو قرآن میں نجم ثاقب کہا گیا ہے۔ بہرحال چھوٹے ستاروں پر نجم کا لفظ اطلاق کیا گیا ہے اور ستاروں پر کوکب کا۔

---

(۲۷۸) قاب قوسین او ادنیٰ سے کیا مراد ہے

پ ۲۷۔ النجم ع ۱۔ عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰی وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی۔

مولانا فرمان علی صاحب مرحوم نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے (ان کو نہایت طاقتور (فرشتہ جبرئیل) نے تعلیم دی ہے جو زبردست ہے جب یہ آسمان کے (مشرقی) کنارہ پر تھا تو وہ (اپنی اصلی صورت میں) سیدھا کھڑا ہوا پھر قریب ہوا اور آگے بڑھا پھر (جبرئیل و محمد) میں دو کمان کا فاصلہ رہ گیا)

اس ترجمہ میں چند باتیں قابل غور ہیں:

Marfat.com

(۱) فاستوی کے معنی لکھے ہیں وہ آسمان کے (مشرقی) کنارہ پر تھا تو وہ اپنی اصلی صورت میں کھڑا ہوا یعنی جبریل امین - مولانا نے بریکٹ میں (مشرقی) لکھا ہے یہ کس لفظ سے اخذ کیا گیا ہے اس کا ترجمہ سب سے اونچا کنارہ کیوں نہ کیا گیا کیا وہاں بھی نظام شمسی تھا کہ شرق وغرب کے حدود معین ہوئے) فاستوی کا ترجمہ فرمایا وہ سیدھا کھڑا ہو گیا اپنی اصلی صورت میں - سیدھا کھڑا ہوا اس کے معنی یہ ہوئے کہ پہلے جبریل ٹیڑھے کھڑے تھے پھر سیدھے ہو گئے اگر قائم ہو گیا ترجمہ ہوتا تو کیا خرابی تھی اکثر مترجمین نے یہی ترجمہ کیا ہے

(۲) پھر لکھا ہے فرشتہ قریب ہوا اور آگے بڑھا (جبریل و محمد ہیں) دو کمان کا فاصلہ رہ گیا میں عرض کرتا ہوں جبریل تو حضور کو جا کر لائے ہی تھے پھر سدرۃ المنتہیٰ پر رک گئے تھے اور حضور آگے بڑھے چلے گئے تھے پھر جبریل کے اور حضور کے درمیان دو کمان کا فاصلہ کیسا - جبریل نے سدرہ پر پہنچ کر صاف کہہ دیا تھا - لو دنوت انملۃ لاحترقت (اگر اب میں ایک انگلی کی برابر آگے بڑھوں گا تو جل جاؤں گا) جبریل کی منزل تو یہاں ختم ہو گئی اور حضور آگے بڑھ گئے پھر ان دونوں کے درمیان کا فاصلہ کیسا - کیا مسجد اقصیٰ جہاں حضور تشریف لے گئے تھے اس کے اور جبریل کے درمیان دو کمان کا فاصلہ تھا یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ کونسی دو کمانیں تھیں جو اس فاصلے کے بتانے کے لئے بولی گئیں اور ان کی لمبائی کیا تھی تاکہ فاصلے کا اندازہ ہو سکے ناپ کے سارے پیمانے چھوڑ کر صرف کمانیں ہی کیوں انتخاب میں آئیں -

علامہ شیخ عبد العلی ہروی اعلی اللہ مقامہ نے جو کچھ ان آیات کے متعلق افادہ فرمایا ہے وہ طبیعت کو لگتی بات ہے انہوں نے اس مفہوم کو یوں ادا کیا ہے -

جبریل سدرہ پر ٹھہر گئے یا قائم ہو گئے اور رسول افق اعلی یعنی عالم امکان کا جو سب سے اونچا کنارہ تھا وہاں پہنچے وہاں سے آگے بڑھے اور بڑھتے ہی گئے یہاں تک کہ سرادق عظمت وجلال کے قریب ہوئے جیسے دو کمانوں کے کنارے قریب ہوتے ہیں وجود کو ایک دائرہ فرض کیجیے جو واجب الوجود اور ممکن الوجود دونوں پر بولا جاتا ہے

پس اگر دائرہ کے بیچ میں ایک خط کھینچا جائے تو دو کمانیں بنتی ہیں نیچے کا حصہ عالم حدوث و امکان فرض کیجئے اور اوپر کا حصہ عالم وجوب مانیئے ان دونوں کے درمیان جو خط ہے وہ عالم امکان کی حد ہے۔

یعنی اس سے بالاتر کسی مخلوق کا وجود نہیں پایا جاتا۔ آیہ معراج میں مسجد اقصیٰ کا ذکر ہے یعنی سجدہ کرنے کی آخری جگہ جو عالم امکان کے خاتمہ کو بتاتی ہے۔ پس حضور معراج میں عالم امکان کی آخری حد تک پہنچے۔ وہاں نہ کسی مخلوق کا وجود نہ کسی کی رسائی۔ حتیٰ کہ جبریل بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔ پس خلاصہ اس کا یہ ہوا کہ جبریل امین ایک مقام پر ٹھہر گئے اور حضور بڑھتے ہی چلے گئے۔ یہاں تک عالم امکان کی آخری حد پر پہنچے۔ یہ بھی خدا کی قدرت کی بڑی کی نشانی۔

حکیم فیثاغورث نے کہا ہے کہ ہر شے کا کمال یہ ہے کہ وہ جہاں سے چلی ہے دائرہ نباتی ہوئی وہیں تک پہنچ جائے بس یہ کمال کی حد ہے اس کے آگے ترقی کی کوئی منزل نہیں۔ مثلاً گیہوں کا ایک دانہ زمین بویا۔ وہ پھوٹا پھر اس نے اپنی ترقی کی منزلیں طے کرنی شروع کیں جب وہ اس حد تک پہنچ گیا کہ اس میں گیہوں کا دانہ آگیا تو بس اس کی ترقی ختم ہو گئی اس نے اس کو دائرۃ الوجود کہا ہے۔ اس اصول کے تحت جب ہم سرکار دو عالم کی ترقی کو دیکھتے ہیں تو یہ راز کھلتا ہے کہ عالم نور میں جہاں آپ تھے عالم ظہور کی منزلیں طے کرکے جب وہیں پھر پہنچ گئے تو عالم امکان کی ترقی ختم ہو گئی اس کے آگے کوئی منزل نہیں۔ یہی وہ سب سے بڑی نشانی تھی جو حضور کو دکھائی گئی ورنہ عالم امکان کی اور کوئی چیز وہاں تھی ہی نہیں جس کو حضور دیکھتے۔

۲۷۹ معراج میں رسول کو کیا وحی کی گئی

پ۲۷ النجم م ۱۰۔ فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی۔ (خدا نے بندہ کی طرف وحی کی جو کی)

Marfat.com

وحی کو صیغہ راز میں رکھا گیا۔ یہ کیوں اگر اس کا تعلق احکام عبادات وغیرہ سے ہوتا تو رسول معراج سے واپس آنے کے بعد امت سے ضرور ظاہر فرما دیتے۔ یہ عجیب بات ہے کہ خدا نے بھی چھپایا اور رسول نے بھی ۔ مفسرین خاموش۔ اصحاب خاموش کسی نے نہ پوچھا کہ حضور یہ کیا راز تھا جو معراج میں آپ سے بیان کیا گیا۔

معراج ہجرت سے پہلے ہوئی جب کار رسالت کا آغاز تھا غالباً کوئی ایسا امر تھا کہ اگر اس کا اعلان شروع ہی میں کر دیا جاتا تو ضرور کسی فتنہ کے برپا ہونے کا اندیشہ تھا اور یہ اندیشہ اتنا قوی تھا کہ رسول نے آخر عمر تک اس وحی کے مضمون کو چھپائے ہی رکھا۔ لوگوں کے دلوں کے اندر جو کچھ چھپا ہوا تھا خدا اس کو خوب جانتا تھا اور مضمون وحی کے بعد جو فتنہ و فساد برپا ہونا تھا اس کو بھی جانتا تھا۔ لہٰذا اس مضمون کو رسول نے اپنے دل ہی میں رکھا۔ ہاں جب حضور کے دنیا سے رخصت ہونے کا وقت قریب آیا اور امر اسلام کو پوری قوت حاصل ہو گئی۔ تبلیغ اپنی تمام منزلیں طے کر چکی تو حکم ہوا :۔

اے رسول جو کچھ تم پر نازل کیا گیا ہے تمہارے رب کی طرف سے اسے اُمت تک پہنچا دو)

یہاں بھی لفظ مَا لایا گیا وہی مَا جو فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی ۔ میں تھا۔ یہاں بھی کھل کر نہیں بتایا گیا تاکہ غدیر خم کی منزل سے پہلے ہی لوگ رخصت نہ ہو جائیں۔ بہرحال اس مَا کا انکشاف جب ہی ہوا جب سب مسلمان غدیر خم کی منزل پر پہنچ گئے۔

اگر مسلمانوں کو یہ تسلیم نہیں تو پھر بتائیں وہ مضمون وحی کیا تھا جو صیغہ راز میں حضور کو معراج میں بتایا گیا چونکہ کار تبلیغ مکمل ہو چکا تھا لہٰذا کسی کے رخنہ ڈالنے سے اسلام کو نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا۔ علی کی ذات کو پہنچ سکتا تھا۔ سو وہ انہوں نے برداشت کر لیا۔ اسلام ان کی سرپرستی میں آ کر اپنے اصول و فروع کو محفوظ رکھ سکا۔

Marfat.com

(۲۸۰) سدرہ پر جبریل کو دوبارہ دیکھنا

پ۲۷ النجم ع۱۔ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى۔

انہوں نے اس (جبریل) کو سدرہ کے پاس دوبارہ (وقت نزول) پھر دیکھا اس سدرہ کے پاس جنت الماویٰ ہے۔ سدرہ پر جو نور چھا رہا تھا وہ چھا رہا تھا)

اس سے معلوم ہوا کہ جبریل کا آخری مقام سدرہ تھا اور عظمت و جلال ایزدی کا نور اس پر کچھ اس طرح چھایا ہوا تھا کہ اسے دیکھ کر نہ تو حضور کی آنکھ کسی اور طرف مائل ہوئی اور نہ حد سے آگے بڑھی یعنی اسے دیکھ کر آپ کی آنکھ خیرہ نہ ہوئی کیونکہ آپ خود مجسم نور تھے اور نہ آگے بڑھی اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے آگے دیکھنے کی کوئی چیز نہ تھی جسے دیکھتے۔ اگر خدا قابل رویت ہوتا تو حضور دیکھ کر آتے نہ موسیٰ نے طور پر دیکھا نہ حضور نے مقام قاب قوسین اودنیٰ پر دیکھا لہٰذا معلوم ہوا وہ پاک ذات قابل رویت ہی نہیں۔

۲۸۱ زبان رسول سے کبھی کسی بت کی تعریف نہیں ہوئی

پ ۲۷ النجم ع ۱۔ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى۔

(کیا تم نے لات و عزیٰ اور تیسرے پچھلے منات کو دیکھا بھلا یہ خدا ہو سکتے ہیں)

مفسرین اہلسنت نے لکھا ہے کہ حضور سرور کائنات قریش کی مخالفت سے سخت پریشان تھے۔ چاہتے تھے کوئی صورت ایسی ہو کہ یہ راضی ہو جائیں۔ جب یہ آیت حضور سب کے سامنے تلاوت کر فرما رہے تھے تو شیطان نے آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری کر دیئے تلک الغرانیق الاولیٰ اِنَّ شفاعتھن لترتجیٰ۔ (یہ بڑے مرتبے والے ہیں ان کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے)

Marfat.com

یہ سن کر مشرکین خوش ہو گئے اور آپس میں کہنے لگے اب محمد راہ راست پر آ گئے۔
تعجب ہے کہ مسلمان مفسرین و مؤرخین عالم ہو کر ایسی جاہلانہ باتیں کہیں۔ اول تو
شیطان کا تسلط حضور پر ہو نہیں سکتا۔ پھر ایسے کفر آمیز کلمات حضور کی زبان پر جاری
کیسے ہو سکتے ہیں۔ بھلا غور کیجیے جب ان کی بڑائی اور شفاعت تسلیم کر لی تو پھر اسلام میں توحید
رہی کہاں۔ تعجب یہ ہے کہ مولوی شبلی صاحب نے سیرت النبی میں یہ واقعہ لکھ مارا ہے۔

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

---

(۲۸۲) معجزہ شق القمر

پ ۲۷ القمر ع ۱۔ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ۔ (قیامت قریب ہوئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا)

یہ کوئی روایت نہیں حدیث نہیں بلکہ قرآن یہ خبر دے رہا ہے کوئی مسلمان اس کو
جھٹلا نہیں سکتا۔ لوگ کہتے ہیں چاند میں شگاف پڑنا عقلاً محال ہے اگر اس میں شگاف پڑا
ہوتا تو جو لوگ چاند پر گئے ہیں وہ ضرور اس کو بیان کرتے اگر امر واقع سے اس کا تعلق ہوتا
تو بہت سے لوگ اس شگاف کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے۔

جواب ان شبہات کا یہ ہے کہ رات کو جب یہ معجزہ دکھایا گیا تو اس وقت لوگ
عموماً سویا کرتے ہیں جب پہلے سے کوئی اعلان نہ تھا تو لوگ کیوں اس کے دیکھنے کی طرف
متوجہ ہوتے۔ عدم اعلان کی صورت میں لوگوں کو چاند گرہن و سورج گرہن کی طرف توجہ نہیں
ہوتی بلکہ اخباروں میں اعلان کے بعد بھی بہت سے لوگ نہیں دیکھتے۔

اب رہا چاند پر جانے والوں نہ دیکھنا تو ابھی چاند پر جانے والے بیچاروں نے
دیکھا ہی کیا ہے ایک مختصری سطح کو پامال کر کے چلے آئے ہیں۔ چاند پر بہت سے
پہاڑوں کے بڑے بڑے غاروں کا پتہ چلایا ہے جو میلوں لمبے ہیں انہوں نے ایسے دھانے

معلوم کئے ہیں جو دو پہاڑوں کے درمیان ہیں ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی ایک اس معجزہ سے تعلق رکھتا ہو۔ قرآن کا یہ کہنا نہیں کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو کر جدا جدا ہو گئے بلکہ وہ تو یہ کہتا ہے کہ شق ہو گیا جس کے معنی یہ ہیں کہ بیچ میں ایک دراڑ سی نظر آنے لگی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جیسے باعجاز چاند شق ہوا تھا اسی طرح باعجاز وہ خلا پُر بھی ہو گیا ہو یا امتداد زمانہ سے جیسے زمین کے گڑھے پُر جاتے ہیں وہ بھی پر ہو گیا ہو۔

---

(۲۸۳) مسّ کتابت قرآن

پ۲۷ الواقعہ ۱۳۔ اِنَّہٗ لَقُرْاٰنٌ کَرِیْمٌ فِیْ کِتٰبٍ مَّکْنُوْنٍ لَّا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ۔

(یہ بڑے رتبہ کا قرآن ہے جو ایک چھپی ہوئی کتاب میں لکھا ہوا ہے اس کو بس وہی لوگ چھوتے ہیں جو پاک ہیں)

مس کے معنی چھونے کے بھی ہیں اور تعلق رکھنے کے بھی۔ قرآن اور کتاب میں فرق ہے جو کچھ قلب رسول پر قلم قدرت سے لکھا گیا وہ کتاب اللہ ہے یعنی المکتوب بید اللہ (اللہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی) اور جو رسول نے پڑھ کر سنایا وہ قرآن ہے یعنی مَقْرُوْءٌ (پڑھا ہوا) قرآن کی کتابت کو بے وضو چھونے کا حکم نہیں لیکن کتاب اللہ جو سینہ رسول کے اندر ہے اس کو چھونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ کتاب اللہ سے تعلق نہیں رکھتے مگر وہ پاک اور پاکیزہ لوگ جو مصداق آیت تطہیر ہیں مس کے یہ دوسرے معنی آیہ قرآنی سے ثابت ہیں۔ حضرت مریم کو جب ولادت فرزند کی بشارت دی گئی تو انہوں نے گھبرا کر کہا میرے بچہ کیسے پیدا ہو گا۔ جبکہ لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ کسی بشر کا مجھ سے تعلق ہی نہیں ہوا۔ یہاں چھونے کے معنی صحیح نہیں ہو سکتے کیونکہ بچپن میں انہیں ان کی والدہ نے عزیزوں میں حضرت زکریا نے

نے ضرور چھوا ہو گا پس مس سے مراد تعلق ہے۔

معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کا تعلق رسول کے بعد آئمہ طاہرین میں سے ہے عام لوگوں کو اس تک رسائی نہیں۔ قرآن زبان سے زبانوں پر جاری ہوا اور کتاب اللہ سینہ بہ سینوں میں چلی۔ قرآن کے حافظ عام لوگ اور کتاب اللہ کے حافظ خاص لوگ۔ احکام الہیہ کی اور جبل کاپی کتاب اللہ اور اس کی مکتوب کاپی قرآن۔ اگر قرآن میں کوئی تحریف ہو جائے تو اس کا مقابلہ اور جبل کاپی سے ہو گا یعنی جو امام بتائے گا وہ صحیح سمجھا جائے گا۔

(۲۸۴) نبوّت و کتاب ذریت ابراہیمی کو ملی

پ ۲۷ الحدید ع ۴۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِىْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ۔

(ہم نے نوح اور ابراہیم کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ان میں بعض ہدایت یافتہ ہیں اور ان ہی کے بہتیرے بدکردار ہیں)

اس سے معلوم ہوا کہ نبوّت اور کتاب اولاد انبیاء کا حق ہے صرف اولاد ہونا کافی نہیں بلکہ ہدایت یافتہ ہونا ضروری ہے ورنہ اولاد نوح اور ابراہیم میں اکثریت فاسق لوگوں کی ہے ذریت کا اطلاق صرف انہی لوگوں پر ہو گا جو صاحبان ایمان و یقین اور علم و حکمت والے ہوں جب یہ طے ہو گیا کہ نبوت و کتاب کا تعلق اولاد ابراہیم کے صالحین و مومنین سے ہو گا۔ تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ کے بعد خلافت و کتاب ایسے لوگوں سے متعلق نہیں ہو سکتی جو سالہا سال کفر و شرک میں رہے ہوں۔

(۲۸۵) حضرت رسول خدا کے متعلق حضرت عیسےٰ کی بشارت

پ۲۸ الصف ع ۲ : وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۔

(جب مریم کے بیٹے عیسےٰ نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں اور ایک پیغمبر جن کا نام احمد ہوگا میرے بعد آئیں گے ان کی خوش خبری سناتا ہوں جب پیغمبر ان کے پاس واضح اور روشن دلیلیں لے کر آیا تو کہنے لگے یہ تو کھلا ہوا جادو ہے)
عیسائیوں نے انجیلوں میں اتنی تحریف کی کہ وہ انجیل ہی نہ رہی چنانچہ ان میں یہ پیشین گوئی نہیں ہے اور آنحضرت کا نام اس میں فارقلیط ہے تمام انبیاء و مرسلین میں صرف حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ تمام انبیاء اپنی اپنی امت کو آنحضرت کے آنے کی خبر دیتے رہے ہر زبان میں آپ کا نام علیحدہ ہے۔ حضرت عیسیٰ نے آپ کا نام احمد بتایا یعنی سب سے زیادہ حمد خدا کرنے والا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ سے زیادہ کوئی پیغمبر حمد خدا کرنے والا نہیں تھا۔ خلقت آدم سے پہلے آپ کو نبوت ملی اور آپ اور حضرت علی بجسم نورانی تسبیح خدا کرتے رہے ملائکہ نے آپ کی تسبیح سے تسبیح سیکھی۔ اس لئے آپ کا نام احمد ہوا اور خدا محمود ہوا جب اس دنیا میں آئے تو خدا حامد بنا اور یہ محمد ہوئے یعنی حمد کئے ہوئے۔

---

(۲۸۶) دین اسلام تمام ادیان پر غالب آئے گا

پ۲۸ الصف ع ۱ - هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۔

وہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ بھیجا اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ وہ

Marfat.com

اس کو تمام ادیان پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین برا ہی کیوں نہ مانیں)
غالب ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اسلام کے سوا دنیا میں کوئی اور دین باقی ہی نہ رہے ہر طرف
سے لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کی آوازیں آئیں ۔ یہ پیشین گوئی اب تک پوری نہیں ہوئی کیونکہ
دنیا میں بہت سے ادیان پائے جا رہے ہیں لیکن ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ اسلام کے سوا
دنیا میں کوئی دین پایا ہی نہ جائے گا اور یہ اس وقت ہوگا ۔ جب قائم آل محمد ولی عصر حضرت امام مہدی
علیہ السلام ظہور فرمائیں گے آپ تمام زمین کو عدل و داد سے اسی طرح بھر دیں گے جیسی
وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی ۔

---

(۲۸۷) تمنّائے موت کرنا اولیائے خدا کا خاصّہ ہے

پ۲۸ جمعہ ع ۱ ۔ قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِن زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِن دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ
إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ۔

(اے رسول کہہ دو اے یہودیو اگر تمھارا یہ گمان ہے کہ تم ہی نرالے اللہ کے دوست ہو
اگر تم سچے ہو تو ذرا تمنائے موت تو کرو اور وہ ہرگز تمنائے موت اس لئے نہ کریں گے
کہ وہ بہت کچھ بد اعمالیاں کر چکے ہیں اور اللہ ظالموں کا جاننے والا ہے)

یہودی کہا کرتے تھے ۔ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ ۔ (ہم خدا کے بیٹے ہیں اور اس
کے احباب میں سے ہیں اس کی تردید میں خدا فرماتا ہے اے رسول ان سے کہہ دو اگر خدا کے
دوست بس تم ہی ہو تو موت کی تمنا تو کرو اس سے معلوم ہوا کہ تمنائے موت کرنے والے اولیائے
خدا ہی ہوتے ہیں ۔

دنیا میں تین قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جو موت سے گھبراتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کبھی مریں
نہیں دوسرے وہ لوگ ہیں جو صبر و سکون سے اس منزل کو طے کر جاتے ہیں نہ اس سے کراہت

Marfat.com

کرتے ہیں اور نہ اس کے آنے سے خوش ہی ہوتے ہیں تیسرے وہ لوگ ہیں جو لقائے الٰہی کے شوق میں موت کی تمنا کرتے ہیں۔ ایسے لوگ دنیا میں ڈھونڈے نہیں ملتے البتہ آل محمد میں یہ خصوصیت عمومیت کے ساتھ ملتی ہے۔ چنانچہ حضرت علی نے وقت شہادت فرمایا تھا:۔ فُزْتُ بِرَبِّ الْکَعْبَۃِ (رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا) یعنی راہ خدا میں شہادت نصیب ہونے کی وجہ سے میری زندگی کامیاب زندگی بن گئی اور یہ بھی فرمایا واللہ لابن ابی طالب انس بالموت من الطفل بثدی امہ (واللہ ابو طالب کا بیٹا موت کا اتنا ہی مشتاق ہے جتنا ایک بچہ اپنی ماں کی چھاتی کا مشتاق ہوتا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ میں موت پر جا پڑوں یا موت مجھ پر آ پڑے۔ واللہ اگر اہل بیت نہ ہوتے تو یہ آیت بغیر اپنا مصداق بنائے ہوئے واپس جاتی اس گھر کے چھوٹے بڑے سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔

---

(۲۸۰) ذکر رسول کا نام ہے

پ۲۸۔ التحریم ع۱۲۔ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکُمْ ذِکْرًا رَّسُوْلًا۔

اللہ نے تمھاری طرف ذکر کو جو رسول ہے بھیج دیا ہے) یہاں اللہ تعالیٰ نے ذکر کو رسول کا لقب قرار دیا ہے۔

یہ قاعدہ ہے کہ جب کسی امر کی زیادتی حد کو پہنچ جاتی ہے تو وہ اس کام والے کا نام بن جاتی ہے جیسے زید اگر زیادہ عدل کرے تو کہتے ہیں زیدٌ عدلٌ۔ چونکہ حضرت بکثرت ذکر الٰہی کرتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کا نام ہی ذکر رکھ دیا۔ پس جب رسول ذکر ہیں تو ان کے اہل بیت اہل الذکر ہیں۔ قرآن ہدایت فرماتا ہے۔ فَسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اگر تم کوئی بات نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھو جن کو رسول نے حدیث ثقلین میں قرآن کے ساتھ کیا ہے۔

ایک بار بنی تمیم کے کچھ لوگ مدینہ میں چند سوالات دریافت کرنے کے لئے آئے

اور لوگوں سے پوچھا اہل ذکر کون ہیں ہم ان سے کچھ پوچھنے آئے ہیں لوگ ان کو خلیفہ اول کے پاس لے گئے انہوں نے میراث کے متعلق ایک مسئلہ پوچھا انہوں نے کہا میراث کے متعلق مجھے علم نہیں تم علی کے پاس جاؤ۔ راہ میں حضرت عمر مل گئے انہوں نے کہا کیسے آئے تھے انہوں نے حال بیان کیا۔ انہوں نے بھی یہی رائے دی تب انہوں نے کہا جب تم لوگ مسائل شرعیہ سے ناواقف ہو تو رسول کے جانشین کیوں بنے ہوئے ہو۔

(۲۸۹) رسول کی دو بیبیوں کے دل ٹیڑھے ہو گئے تھے

پ۲۸ التحریم ع۱ :- اِنْ تَتُوْبَا اِلَی اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ۔

(اے رسول کی دو بیبیو (عائشہ و حفصہ) اگر تم اس حرکت سے توبہ کرو تو خیر کیونکہ تم دونو کے دل ٹیڑھے ہو گئے ہیں اور اگر تم مخالفت رسول میں ایک دوسرے کی اعانت کرتی رہوگی (تو کچھ پرواہ نہیں) خدا اور جبرئیل اور ایمانداروں میں سے ایک شخص ان کے مددگار ہیں اور ان کے علاوہ کل فرشتے بھی مددگار ہیں)

اس آیت کے متعلق طولانی قصہ ہے۔ وہ بھی سن لیجئے۔

حضرت رسول خدا نے پندرہ نکاح کئے تھے ان ازواج کے نام یہ ہیں۔
خدیجۃ الکبریٰ[1]۔ ام سلمہ[2]۔ میمونہ[3]۔ سودہ[4]۔ زینب بنت جحش[5]۔ جویریہ[6]۔ ام حبیبہ[7]۔ صفیہ[8]۔ عائشہ[9]۔ حفصہ[10]۔ زینب بنت خزیمہ[11]۔ زینب بنت عمیس[12]۔ خولہ[13]۔ عمرہ[14]۔ ثبنہ ان میں سے آخر دو صحبت سے سرفراز نہ ہو سکی تھیں۔ تین بیبیاں اول کی سب سے قبل ہیں سرکار دو عالم نے حضرت خدیجہ کی زندگی میں کسی دوسری سے عقد نہیں کیا۔ یہ فخر اس بی بی کو حاصل ہے آپ نے ہر بی بی کے لئے علیحدہ علیحدہ ایک کمرہ بنوا دیا تھا۔ آپ ہر ایک کے پاس ایک شب بسر کرتے تھے۔ صبح روزانہ ہر ایک کے پاس تھوڑی دیر کے لئے چلے جاتے ہجرت کے بعد مقوقش سلطان روم نے ماریہ قبطیہ کنیز کو آنحضرت کی خدمت

میں بطور تحفہ بھیج دیا تھا آپ نے انہیں ابوایوب انصاری کے گھر میں جہاں ہجرت کے بعد حضور نے سب سے پہلے قیام فرمایا تھا۔ مقیم کر دیا تھا۔ رفتہ رفتہ آپ ان پر اس قدر بھروسہ کرنے لگے تھے کہ اپنے پینے کے پانی کا انتظام بھی انہی کے یہاں رکھا بلکہ حضرت کی ذاتی چیزیں بھی وہیں رہتی تھیں اس لیے لوگ ان کے گھر کو مشربہ ام ابراہیم کہتے تھے۔ خدا کی رحمت سے کچھ عرصہ بعد وہ حاملہ ہوگئیں۔ حضرت عائشہ و حفصہ کے حسد کی وجہ سے حضور کو طرح طرح کا خوف پیدا ہوا۔ اس وجہ سے حضور وہیں قیام فرمانے لگے۔ غرض ابراہیم پیدا ہوئے تو ماریہ کو دودھ نہ اترا۔ حضرت نے ایک بکری خرید دی۔ جس کے دودھ سے ان کی پرورش ہونے لگی۔ تھوڑے دنوں میں ہاتھ پاؤں نکل آئے اور چہرہ پھول کی طرح دمکنے لگا۔ حضرت عائشہ اور حفصہ میں بہت میل جول تھا اور سوتاپا نہیں بلکہ بہناپا تھا اور ایک دوسرے کی ہمراز تھیں ان کو صرف موجودہ بیبیوں ہی سے حسد نہ تھا بلکہ حضرت خدیجہ مرحومہ پر بھی فوقیت کا حوصلہ تھا چونکہ آنحضرت خدیجہ کے عالی درجات، سچی محبت اور خالص الایمان ہونے کی وجہ سے اکثر ان کا ذکر خیر کرتے رہتے تھے تو یہ دونو خصوصاً حضرت عائشہ کو بہت ناگوار ہوتا تھا بعض وقت جھنجلا کر کہہ دیتی تھیں۔ آپ کیا ایک بوڑھی عورت کو بار بار یاد کرتے ہیں بلکہ کبھی اس سے بھی زیادہ سخت کلمات زبان پر لے آتیں جنہیں سن کر حضرت فاطمہ رونے لگتیں

الغرض ان دونوں نے یہ فیصلہ کیا کہ آپ پر قابو پالیں اور ہر طرح سے اپنے بس میں کریں مگر یہ حضرت کا ظرف تھا کہ ان کے خانگی معاملات میں نہ الجھتے اور ان کے جھگڑوں میں سکوت سے کام لیتے ایک بار کسی نے عمدہ شہد حضور کے لیے بھیجا۔ آپ نے ام سلمہ یا زینب کے پاس حفاظت سے رکھوا دیا۔ آپ روزانہ وہاں جاکر شہد نوش فرمایا کرتے تھے۔ ان دونو کو اتنی دیر بھی حضرت کا وہاں بیٹھنا گراں گزرتا تھا اس بارہ میں کمیٹی ہوئی۔ حضرت عائشہ نے حفصہ کو اس بات پر تیار کیا کہ آج حضرت سے کسی ترکیب سے شہد چھوڑوانا چاہیئے تاکہ وہاں کا بیٹھنا چھوٹے۔ غرض ایک روز شہد کھانے کے بعد جب حضور حضرت عائشہ کے پاس آئے تو انہوں نے اپنی ناک پر ہاتھ رکھ لیا۔ حضرت نے سبب پوچھا کہنے لگیں آپ کے منہ سے مغافیر (ایک بدبودار گوند) کی بو آتی ہے اس کے بعد آپ حضرت حفصہ کے پاس آئے انہوں نے

Marfat.com

بھی یہی کہا حضرت نے فرمایا میں نے صرف شہد کھایا ہے عائشہ بولیں ضرور ہے کہ شہد کی مکھیوں نے مغافیر کے پھولوں کو چوسا ہو گا۔ غرض کہ آپ نے عائشہ سے راز کے طور پر فرمایا کہ اب میں شہد نہ کھاؤں گا اور اس خیال سے کہ جن بی بی کے پاس شہد رکھا تھا ان کی دل شکنی نہ ہو۔ یہ بھی فرما دیا کہ اس کو ظاہر نہ کرنا مگر وہ اپنی ہم راز سے کہاں چھپانے والی تھیں فوراً حفصہ کو جا کر یہ خوش خبری سنا دی کہ آج سے وہاں کا بیٹھنا چھوٹا۔

اب دوسرا قصہ سنیئے جو اس زمانہ میں ہوا۔

اتفاقاً ایک روز حضرت حفصہ اجازت لے کر اپنے میکہ چلی گئیں اس رات کو انہی کی باری تھی جب حضرت اپنی ضرورتوں سے فارغ ہو کر گھر میں تشریف لائے اور گھر خالی پایا۔ تو آپ نے ماریہ قبطیہ کو بلا بھیجا کہ رات کو وہیں رہیں۔ صبح کو حضور نے اپنے فرزند ابراہیم کو اپنے شانوں پر بٹھا لیا اور فرمایا یہ مجھ سے کس قدر مشابہ ہیں۔ اس پر حضرت عائشہ بولیں مجھے تو کوئی مشابہت معلوم نہیں ہوتی۔ فرمایا کیا جسم میں بھی مشابہت نہیں۔ انہوں نے طنزاً کہا جو بکری کا دودھ پی کر پلے گا اس کا بدن تو ضرور خوب صورت ہو گا۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ حضرت حفصہ غصہ میں بھری وہاں پہنچ گئیں ایک تو ان دنوں حضرت کی توجہ اور چاہ کی بنا پر ماریہ قبطیہ سے رشک تھا ہی اس شب کے واقعہ نے اور بھڑکا دیا۔ کاندھے پر ابراہیم کو دیکھ کر کریلا اور نیم چڑھا ہو گیا۔ حضرت حفصہ نے تندو تیز لہجہ میں کہا۔ آپ نے میری عزت و حرمت کا ذرا خیال نہ کیا اور ایک لونڈی کو میرے برابر کر دیا یہ کیا اندھیر ہے میرا مکان میرا بچھونا اور یہ لونڈی۔ اسے تو آپ نے سر پر چڑھا لیا۔ حضور نے فرمایا کیا تمہارے خیال میں وہ میرے اوپر حلال نہیں مگر وہ خواہ مخواہ چلانے لگیں آپ نے انہیں سمجھایا اور علیحدہ لے جا کر فرمایا میں تمہاری خاطر سے قسم کھاتا ہوں کہ آئندہ ماریہ سے صحبت نہ کروں گا مگر دیکھو خبردار یہ راز ہے اس کو کسی سے کہنا نہیں کانوں کان کسی کو خبر نہ ہو۔ یہ فرما کر آپ باہر چلے گئے مگر ان کو کھلبلی ہوئی اور پیٹ میں بات نہ پچی۔ موقع پا کر اسی وقت حضرت عائشہ کو مژدہ جاں فزا سنایا کہ میں نے آج کار

نمایاں کیا ہے۔

یہ دونو واقعے جوان دونو سے پے در پے ہوئے تو خدا نے وحی کے ذریعہ سے قلعی کھول دی اور سب باتیں حضرت کو معلوم ہو گئیں۔ آپ نے ماریہ کا قصہ اور حفصہ کا غصہ حضرت عائشہ سے بیان کر دیا اور شہد والا قصہ چونکہ ان کا ہی تھا۔ حضرت نے شدت حیا سے اس کا ذکر نہ کیا۔ حضرت عائشہ تعجب سے پوچھنے لگیں۔ آپ کو حفصہ کا حال کس نے بتایا فرمایا خدا نے۔

الغرض یہ آیات انہی دونو مخدرات کی سرزنش میں نازل ہوئی ہیں۔ حضرت کو حکم ہوا کہ تم قسم کا کفارہ دے کر ماریہ سے تعلق باقی رکھو اور شہد بھی کھاؤ اس واقعہ سے چونکہ حضرت کو حفصہ سے سخت صدمہ پہنچا تھا اس لئے آپ نے ان کو طلاق دے دی اور ہمیشہ کے لئے اپنے میکے کو رخصت کر دی گئیں۔ اس پر حضرت عمر کو بہت رنج ہوا اور غصہ میں حفصہ کو مخاطب کر کے کہا اگر خطاب کی اولاد میں کچھ نیکی ہوتی تو رسول اللہ تجھے ہرگز طلاق نہ دیتے اس واقعہ سے حضرت کو اس قدر کوفت ہوئی کہ تمام ازواج سے الگ ہو کر ماریہ کے گھر میں ۲۹ روز تک رہے اور کسی کے پاس نہ گئے لوگوں کو شبہ ہوا کہ شاید آپ نے کل بیبیوں کو طلاق دیدی ہے یہ ہے خلاصہ بہت سی مختلف روایات کا جو کتب تفاسیر میں ہیں

(دیکھو تفسیر درمنثور سیوطی۔ تفسیر کشاف۔ بخاری۔ مسلم۔ سنن ابی داؤد وغیرہ)

مذکورہ بالا بیان ہم نے مولانا فرمان علی صاحب مرحوم کے مترجمہ قرآن کے حاشیہ سے لکھا ہے

غور کیجئے یہ سازشیں کتنی خوفناک تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا مقابلہ کرنے کے لئے پہلے تو اپنے آپ کو مددگار بنایا پھر جبریل کو پھر صالح المومنین (علی علیہ السلام) کو پھر اپنے تمام ملائکہ کو۔ اس کے بعد کی آیات میں یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر رسول تم کو طلاق دیدیں تو عنقریب ہی پروردگار تمہارے بدلے ان کو تم سے اچھی بیبیاں عطا کریگا جو فرمانبردار ہوں گی۔ اور (خدا و رسول کی) مطیع۔ گناہوں سے توبہ کرنے والیاں۔ عبادت گذار۔ روزہ رکھنے والیاں بیاہی ہوئی (مطلقہ یا بیوہ) اور بن بیاہی ہوئی (کنواری) ہوں گی۔

Marfat.com

اس سے معلوم ہوا کہ یہ صفات حضرت کی ازواج میں یا تو تھی ہی نہیں یا تھیں تو کم تھیں۔
اللہ کا یہ فرمانا کہ تم سے بہتر لے آئے گا اس کی دلیل ہے کہ کچھ کوتاہیاں ان میں تھیں مسلمانوں
کا یہ کہنا کہ ان دونوں بیبیوں نے توبہ کر لی تھی یہ ایک روایت ہے جس کا تعلق درایت سے نہیں
اگر توبہ قبول ہو گئی ہوتی تو قرآن میں اس کا ذکر ضرور ہوتا تاکہ مسلمانوں کو تسکین ہو جاتی۔ حدیث
میں بھی اس کا کہیں ذکر نہیں۔ لہٰذا روایت پر صرف اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

نوح اور لُوط کی بیبیاں

پ ۲۸ التحریم ع ۱۲۔ ضَرَبَ اللہُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا
تَحْتَ عَبْدَیْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَیْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ یُغْنِیَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ
شَیْئًا وَّقِیْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِیْنَ۔

(خدا نے کافروں کی عبرت کے واسطے نوح کی بی بی (واعلہ) اور لوط کی بی بی (واہلہ) کی
مثل بیان کی ہے یہ دونو ہمارے نیک بندوں کے تصرف میں تھیں تو دونوں نے
اپنے شوہروں سے دغا کی تو ان کے شوہر خدا کے مقابلے میں کچھ بھی کام آئے اور
ان کو حکم دیا گیا کہ داخل ہونے والوں کے ساتھ جہنم میں تم بھی داخل ہو جاؤ)

نوح کی بی بی کا یہ حال تھا کہ کفار سے ملی ہوئی تھی۔ جب حضرت نوح ہدایت کرتے
تو یہ لوگوں کے گھر جا کر کہہ آتی کہ یہ دیوانہ شخص ہے تم اس کی بات کان لگا کر سنو ہی نہیں جب
طوفان آیا تو یہ بدبخت بجائے کشتی میں آنے کے کفار سے جا ملی اور کہنے لگی کوئی اس کشتی
میں نہ بیٹھے نوح خود بھی ڈوبے گا اور دوسروں کو بھی ڈبوئے گا اور لوط کی بی بی کا یہ حال تھا
کہ ان جوانوں سے ملی ہوئی تھی جن کو لواطت کا مرض تھا۔ جب کوئی نوجوان حضرت لوط کے یہاں مہمان
آتا تو یہ فوراً ان بدمعاشوں کو خبر کر دیتی۔ ایک بار جب فرشتے نوجوان انسانوں کی صورت میں قوم
لوط پر عذاب نازل کرنے آئے اور حضرت لوط کے یہاں ٹھہرے تو اس بدبخت عورت نے
فوراً ان لوگوں کو خبر کر دی وہ سب بھاگے ہوئے آئے اور حضرت لوط سے کہا ان جوانوں
کو ہمارے سپرد کر دو۔ یہ قصہ قرآن میں مذکور ہے۔ آخر عذاب الٰہی ان پر نازل ہوا اور

Marfat.com

وہ سب کے سب مر گئے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جب تک نفس انسانی میں حصول نیکی کی صلاحیت نہ ہو کسی کی صحبت اس کو فائدہ نہیں پہنچا سکتی خواہ نبی کی بی بی ہی کیوں نہ ہو۔ جب عورت کا دل ٹیڑھا ہو جاتا ہے تو پھر مشکل سے سنبھلتا ہے۔ بدطینت عورت کی مثال امیرالمومنین نے ٹیڑھی پسلی سے دی ہے کہ اگر اسے زور دے کر سیدھا کرنا چاہو تو ٹوٹ جائے گی اس کی حالت پر چھوڑ دو تو پہلو میں چبھتی رہے گی۔

(۲۹۱) آسیہ زن فرعون

پ۲۸ التحریم ع ۲ :- وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَکَ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ وَنَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِہٖ وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔

(خدا نے مومنین کی تسلی کے لیے فرعون کی بی بی (آسیہ) کی مثال بیان کی ہے کہ خدا نے اس سے دعا کی اے میرے پروردگار میرے لیے اپنے یہاں بہشت میں ایک گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کی بداعمالی سے بچا لے اور ظالم قوم سے چھٹکارا عطا فرما)

جناب آسیہ نہایت حسین خاتون تھیں۔ فرعون نے جبراً ان کو اپنی زوجیت میں رکھا تھا وہ اس کے دعوئ خدائی سے نہایت بیزار تھیں مگر نہایت صبر سے زندگی گزار رہی تھیں۔ فرعون سمجھتا تھا یہ میری خدائی پر ایمان لائی ہوئی ہیں ایک دن جب کہ وہ ذکر خدا کر رہی تھیں فرعون نے ان کے ایمان باللہ کا پتہ چلا لیا اس نے غضب ناک ہو کر کہا تم کس کو خدا مانتی ہو۔ اب جناب آسیہ کو تاب ضبط نہ رہی فرمایا میں اس کو خدا مانتی ہوں جو تیرا اور میرا دونوں کا خالق اور معبود ہے۔ فرعون غصے میں آپے سے باہر ہو گیا اور زمین پر دے ٹپکا اور پتھر کی ایک بھاری سل ان کے سینہ پر رکھدی اس وقت انہوں نے خدا سے دعا کی۔ فرعون نے وہ سل ان کے سینہ سے نہ ہٹائی یہاں تک کہ وہ راہی جنت ہوئیں۔

(۲۹۲) عالم امکان کی حدّ آخر

پ ۲۹ المعارج - ع ۲ : - تَعْرُجُ الْمَلٰئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ اَلْفَ سَنَةٍ

(اللہ تو کسی جگہ بیٹھا نہیں کہ یہ کہا جائے کہ ملائکہ اس تک پچاس ہزار برس میں پہنچتے ہیں بلکہ صورت یہ ہو گی عالم امکاں کی حدّ آخر جہاں تک کوئی ممکن جا سکتا ہے اتنی دور ہے کہ ملائکہ اور جبریل وہاں تک پچاس ہزار میں پہنچتے ہیں اس کے بعد عالم امکان ختم ہے اور ایک دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہمارے حساب سے ایک ہزار سال کا ہوتا ہے۔ اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ - اب خیال کر دیہ مسافت کتنی ہوئی اور کتنا زمانہ ہمارے حساب سے وہاں تک جانے کے لئے درکار ہے۔

معراج میں سرور عالم اس عالم امکان کی حدآخر تک جو مسجد اقصیٰ ہے۔ اس سرعت سے تشریف لے گئے کہ ؎

ابھی بستر خواب تک گرم تھا کہ معراج پا کر پھر آئے محمدؐ

خدا کی آیات میں اس سے بڑی آیت کیا ہو گی۔ سدرہ فرشتوں کی پرواز کی آخری حد ہے اگر ان کو اس منزل خاص تک جانے کی اجازت دی جائے تو پچاس ہزار برس میں وہاں تک پہنچ سکیں گے۔ یہ باتیں انسانی فہم سے بالاتر ہیں۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے ہمارے لئے تو خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔

---

(۲۹۳) علم غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا

پ ۲۹ الجن ع ۲ : - عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ

(اللہ عالم الغیب ہے اور اپنے غیب کی بات کسی پر ظاہر نہیں کرتا مگر جس پیغمبر کو پسند کرتا ہے)

Marfat.com

اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر غیب کا علم رکھتے ہیں مگر اتنا ہی جتنا خدا ان کو بتا دے پس انبیاء سے غیب دانی کی نفی مطلق نہیں کی جا سکتی۔ انبیاء جو پیشگوئی کرتے ہیں وہ اپنی طرف سے نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ بات ان کو بتائی جاتی ہے۔

اب رہا کاہنوں اور منجموں کا پیشین گوئی کرنا وہ اسباب و حالات سے استنباط کا نتیجہ ہوتا ہے جیسے موسمیات کے ماہر ہوا کے رخ اور اس کے تموج کی کیفیات وغیرہ سے پیشین گوئی کر دیا کرتے ہیں ان نتائج کے اخذ میں چونکہ قیاس کو دخل ہوتا ہے اس لئے اکثر ان میں غلطیاں واقع ہوتی ہیں اور ان کی پیشین گوئیاں غلط ثابت ہوتی لیکن انبیاء کی پیشگوئیوں میں کبھی غلطی نہیں ہوتی کیونکہ وہ تعلیم من جانب اللہ ہوتی ہے۔

(۲۹۴) نفس کی تین قسمیں

پ ۲۹ القیامہ ع ۱۔ لَا اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَۃِ (میں برائی سے ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھاتا ہوں) نفس انسانی کے تین رخ ہیں یا تین قوتیں اس کے اندر رکھ دی گئی ہیں اول نفس امارہ جیسا کہ سورۂ یوسف میں ہے وما ابری نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء (میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا بیشک نفس بڑا حکم کرنے والا ہے) یہ نفس انبیاء و مرسلین اور عوام سب کے اندر پایا جاتا ہے اگر یہ نہ ہو تو انسان کوئی کام ہی نہ کر سکے۔ ہمارے اور انبیاء کے درمیان فرق یہ ہے کہ ہم اس کی خواہش سے مغلوب ہو کر ہر وہ برائی کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں جو ہم کو نہیں کرنی چاہیئے۔ خاصان خدا کا اس نفس پر پورا پورا کنٹرول ہوتا ہے اس سرکش کی باگ ان کے ہاتھ میں ہوتی ہے وہ کسی امر شر کی طرف جاتے ہی نہیں وہ اس کو اس طرح دباتے ہیں کہ اس میں ہیجان پیدا ہونے ہی نہیں دیتے۔ جیسے حضرت یوسف نے اپنے نفس پر اس وقت قابو رکھا جب کہ زلیخا فعل بد کی طرف ان کو پوری طرح آمادہ کر رہی تھی ایسے نازک وقت میں دوسروں کو قابو میں رکھنا ناممکن ہوتا ہے۔

دوسری قسم نفس لوامہ ہے جو ہر برائی پر ٹوکتا ہے۔ اسی کو ضمیر کہتے ہیں انسان کوئی برائی کر کے چاہے زبان سے کتنا ہی انکار کیے جاتے مگر اس کا نفس لوامہ برابر سرزنش کئے

Marfat.com

جائے گا اور اس کے اندر سے دبی ہوئی آواز نکلتی رہے گی ضرور کیا ہے ضرور کیا ہے اگر نفس امارہ سے مغلوب ہو کر نفس لوامہ کو کمزور کر دیا جائے تو پھر انسانیت ہی ختم ہو جاتی ہے اور وہ حیوانوں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔

تیسری قسم نفس مطمئنہ ہے: یَا اَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً (اے نفس مطمئنہ تو اپنے رب کی طرف خوشی خوشی لوٹ آ) انسانیت کا کمال اسی کی بدولت ہے جس کو یہ دولت نصیب ہوتی ہے وہ اپنی زندگی کا ہر لمحہ مرضی الٰہی کو پیش نظر رکھ کر گزارتا ہے اور ہر حالت میں توکل بخدا رہتا ہے اس کی بنا پر انبیاء و مرسلین کے مدارج و فضائل قائم ہوتے ہیں۔

---

(۲۹۵) جاں کنی کا ہولناک عالم

پ ۲۹ القیامۃ ع ۱: کَلَّا اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ وَقِیْلَ مَنْ رَاقٍ وَظَنَّ اَنَّہُ الْفِرَاقُ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ اِلٰی رَبِّکَ یَوْمَئِذِ نِ الْمَسَاقُ۔

(سن لو جب جان بدن سے کھنچ کر ہنسلی تک پہنچے گی اور کہا جائے گا (اس وقت کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا ہے اب مرنے والے نے سمجھا کہ اس کی سب سے جدائی کا وقت آ گیا اور (موت کی تکلیف سے) پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی (اس وقت آواز آئے گی) اب تجھے اپنے رب کی طرف چلنا ہے)

اللہ تعالیٰ ہر بندہ مومن کو اس حالت سے محفوظ رکھے اور اس کی جاں کنی آسانی سے ہو۔ جو لوگ محبان اہل بیت ہیں اور اعمال خیر بجالاتے رہے ہیں ایسے ہولناک وقت میں امیر المومنین علیہ السلام تشریف لاتے ہیں اور ملک الموت سے فرماتے ہیں۔ اے ملک الموت یہ ہمارا دوست ہے اس کی جان آہستہ سے نکال

Marfat.com

(۲۹۶) شدّاد کا بہشت

پ ۳۰ الفجر ۔ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِعَادٍ اِرَمَ ذَاتِ الۡعِمَادِ الَّتِیۡ لَمۡ یُخۡلَقۡ مِثۡلُهَا فِی الۡبِلَادِ

تم نے نہیں دیکھا کہ تمھارے رب نے عاد کے ساتھ کیا کیا یعنی ارم والے دراز قد کا جس کی مثل دنیا کے شہروں میں کوئی پیدا ہی نہیں کیا گیا)

یہ ترجمہ مولانا فرمان علی صاحب مرحوم کا ہے جس میں ذات العماد کا ترجمہ دراز قد کیا گیا ہے حالانکہ یہ درست نہیں ۔ صحیح ترجمہ یہ ہے ،، تمھارے پروردگار نے عاد کے ساتھ جو ستونوں والے ارم کے رہنے والے تھے کیا کیا ،،

مولانا امداد حسین صاحب قبلہ کاظمی نے اپنے ترجمہ ،، القران المبین ،، میں یہی کیا ہے جو اوپر مذکور ہے مولانا فرمان علی صاحب مرحوم نے اپنے مترجمہ قرآن کے حاشیہ پر لکھا ہے ۔

حضرت نوح کی پانچویں پشت میں ایک شخص کا نام عاد تھا اس کے دو بیٹے تھے شدید و شداد دونو بادشاہ تھے جب شدید مر گیا تو شداد ہی سب ملکوں کا بادشاہ ہو گیا ۔ چار سو بادشاہ اس کے ماتحت اور خراج گزار تھے آخر اس نے خدائی کا دعویٰ کیا ۔ اس وقت کے پیغمبر جب اس کی ہدایت کو آئے تو اس نے کہا ایمان لانے کا فائدہ کیا ہے پیغمبر نے کہا خدا تجھے بہشت دے گا اس نے کہا بہشت کیا ہے جب پیغمبر نے اس کی صفت بیان کی تو اس نے کہا ایسا تو میں خود بنا سکتا ہوں غرض اس نے ایک معتدل آب و ہوا کی زمین تجویز کر کے بہشت بنانا شروع کر دیا ایک لاکھ مزدور اس میں کام کرتے تھے اور تمام بادشاہان دنیا کے پاس جو کچھ از قسم جواہرات اور سونا چاندی تھا اس نے سب منگوا لیا ۔ سو برس میں یہ باغ تیار ہوا تو اس کا نام اپنے دادا کے نام پر ،، ارم ،، رکھا اس باغ کی دیواروں کی اینٹیں سونے چاندی کی تھیں ۔ اس کے کنگاروں میں موتی ہیرے اور یاقوت تھے اس کی زمین عنبر و مشک کی تھی اس میں ایک ہزار محل تھے ان کے گرداگرد ہزار بالا خانے اور ہزار ایوان تھے ۔ ہر مکان کے سامنے ایک درخت تھا جس کی ڈالیاں سونے کی اور پتے

Marfat.com

زبرجد کے تھے۔ جو تتے موتیوں کے تھے الغرض جب باغ تیار ہوگیا تو شداد مع خدم و حشم اس کے دیکھنے کو چلا جب قریب دروازہ کے پہنچا تو شدید چیخ کی آواز سنی دیکھا تو ایک خوفناک صورت نظر آئی پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ملک الموت ہے۔ غرض ایک پاؤں چوکھٹ پر تھا اور ایک باہر کہ اس کی روح قبض کر لی گئی اور باغ اسی وقت لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گیا۔ امیر معاویہ کے زمانہ میں عبداللہ بن قلابہ اپنے اونٹ تلاش کرتا ہوا اس باغ میں پہنچ گیا چنانچہ اس نے آکر جو کیفیت بیان کی اس کی تصدیق کعب الاحبار نے کی۔

مولانا مرحوم ایسی بے سر و پا روایت کو اگر قرآن جیسی باعظمت کتاب کے حاشیہ پر جگہ نہ دیتے تو اچھا ہوتا کیونکہ اس کی تو ساری چولیں ڈھیلی ہیں ان بہشت کی ساخت کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے وہ اعجازی صورت میں تو تھا نہیں جسے بے چون وچرا تسلیم کر لیا جائے۔ ایک کافر نے بنوایا تھا۔ جب قرآن کہتا ہے بیشک وہ ایسی تعمیر تھی کہ اس زمانہ کے شہروں میں اس کی مثل کوئی تعمیر نہ پائی جاتی تھی بلحاظ اس کے اونچے اونچے ستونوں کے تھے یا بلحاظ اس کی لمبائی چوڑائی کے تو اس کو مان لینا چاہیئے لیکن لاکھوں گز لمبی زمین پر جس میں ایک ہزار محل تھے مشک وغیرہ کا فرش بیان کرنا ضرور تعجب میں ڈالتا ہے یہ مٹی تو نہ تھی کہ کہیں سے کھود کر پھیلا دی گئی تھی۔ آخر تھا تو مشک و عنبر ہی جس کی پیداوار بہت کم ہوتی ہے۔ بہر حال اتنی بہتات ایک افسانہ ہی افسانہ ہے۔

پھر عجیب بات یہ ہے کہ ایسا عجوبہ روزگار بہشت جس میں تمام دنیا کا خزانہ جھلک رہا تھا اول تو غائب ہوا پھر یکایک چمک کر زمین کے اوپر آگیا یعنی سارا باغ جو ہزارہا گز زمین میں پھیلا ہوا تھا۔ فصل بہار آتے ہی لہلہانے لگا اور کہاں عرب کی سرزمین پر گویا نہیں اس کی ساخت ہوئی تھی پھر نظر بھی کسے آیا۔ ایک غریب چرواہے کو جس کا نام عبداللہ بن قلابہ تھا اس نے جناب کعب الاحبار صاحب سے جو صحابی رسول تھے اور یہودی سے مسلمان ہوئے تھے اس اپنے بیان کی تصدیق

Marfat.com

کرادی کہ عبداللہ بن قلابہ جو کچھ کہتا ہے سچ کہتا ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ نہ تو اس بدو عرب نے سونے کی شاخ توڑی نہ جناب کعب الاحبار نے وہاں جا کر کسی درخت کو جڑ سے اکھاڑا نہ وہاں کا مشک وعنبر اپنے دامن میں بھرا دونو ناکام رہے۔ پھر زمانہ بتایا جاتا ہے امیر معاویہ کا۔ ان تک یہ خبر ضرور پہنچی ہوگی کہ شداد کا بہشت پھر زمین پر پھوٹ نکلا یہ خبر سنتے ہی وہ تو دوڑ پڑتے اور سارا باغ اور سارا مشک وغیرہ سمیٹ کر دمشق لے جاتے اور دنیا کے سب سے متمول بادشاہ شمار ہونے لگتے آخر یہ خبر انہیں کیوں نہ پہنچائی گئی اور اگر پہنچائی گئی تھی تو انہوں نے اس طرف کیوں نہ توجہ کی۔ یہ روایت مولانا نے غالباً روضۃ الصفا سے لی ہے۔

عام لوگوں میں یہ روایت بھی مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بہشت کو فوراً اٹھا لیا اور اپنے سات بہشتوں میں سے ایک اسے قرار دیا۔ غالباً یہ اس لئے اٹھا لیا ہوگا کہ خدا ایسا نہیں بنا سکتا تھا۔ اللہ رحم کرے ہم مسلمانوں پر اور ان کے عقائد فاسدہ پر۔ ہمارے مفسرین، مترجمین اور مؤرخین کی یہ عادت ہے کہ وہ اپنی مصنفات کو دلچسپ اور بھاری بھرکم بنانے کے لئے جو روایت جہاں سے ملتی ہے نقل کر دیتے ہیں۔ پہلے زمانہ والے شاید ان بے سروپا باتوں کو مان لیتے ہوں۔ لیکن اب زمانہ اور ہے ان افسانوں کو کون پوچھتا ہے۔

---

(۲۹۷) والدٍ وما ولد سے کیا مراد ہے

پ ۳۰۔ البلد۔ لَاۤ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِ۝ وَاَنۡتَ حِلٌّ بِهٰذَا الۡبَلَدِ۝ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ۔

(مجھے اس شہر کی قسم جس شہر میں تم رہتے ہو اور باپ اور اس کی اولاد کی قسم)

Marfat.com

مولانا فرمان علی صاحب مرحوم نے والد سے مراد آدم لی ہے اور ما ولد سے اولاد آدم۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہاں آدم اور اولاد آدم کے ذکر کو کیا ربط ہے قسم ہے اس شہر کی جس میں اے رسول تم چل پھر رہے ہو یعنی مکہ کی اس سلسلے میں کسی ایسے باپ اور اس کی اولاد کا ذکر ہونا چاہیئے جس سے رسول کے چلنے پھرنے کو کوئی ربط ہوتا۔

بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس طرح یہ شہر قابل قسم ہے جس میں تم ہو۔ اسی طرح ایک باپ اور ایک بیٹا بھی قابل قسم ہے۔ جس نے تمہاری حمایت وحفاظت کی ورنہ تم اس شہر میں چل پھر نہ سکتے تھے۔ کفار ومشرکین تمہیں قتل کر دیتے۔ باپ ابوطالب ہیں جنہوں نے سخت سے سخت تکلیفیں اٹھا کر تمہاری مدد کی تمہاری حفاظت کی۔ دوسرے ان کا شیر دل بیٹا تمہارا قوت بازو علی ہے جس نے ہمیشہ تمہاری مدد کی اور وہ پیدا بھی اس شہر میں ہوا اور کعبہ میں ہوا۔ پھر کیوں نہ اس کی قسم کھائی جائے۔ اس صورت سے قسم کے دونوں حصول میں ربط پیدا ہو جاتا ہے۔

(۲۹۸) رسول کا شرح صدر اور نصب جانشین کا حکم

پ۳۰۔ الانشراح: اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِىْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ۔

(اے رسول کیا ہم نے تمہارے سینہ کو علم سے کشادہ نہیں کر دیا اور تم پر سے وہ بوجھ اتار نہیں دیا جس نے تمہاری کمر توڑ رکھی تھی اور ہم نے تمہارا ذکر بھی بلند کیا تو (ہاں) ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے بیشک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے تو جب تم فارغ ہو جاؤ تو (جانشین) مقرر کر دو اور اپنے پروردگار کی طرف رغبت کرو)

مفسرین اہلسنت نے شرح صدر کی ایک عجیب مضحکہ خیز صورت بتائی ہے لکھتے ہیں

کہ جبریل آئے اور رسول اللہ کے سینہ کو چاک کیا اور آپ کے دل کو نکالا اور اس میں جو سیاہ نقطہ تھا جو باعث گناہ ہوتا ہے اس کو نوچ کر پھینک دیا اور اس عمل جراحی کے بعد دل کو پھر سینہ کے اندر رکھ کر برابر کر دیا۔ معاذ اللہ اول تو حضرت کا گناہگار تسلیم کرنا ضعف ایمان ہے اور بالفرض اگر ایسا تھا بھی تو کیا بغیر اس اپریشن کے حضرت کو عن الخطا نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ شرح صدر حضرت موسیٰ کا بھی ہوا تھا۔ لیکن وہاں اس اپریشن کی ضرورت پیش نہ آئی۔ اپریشن ہوا تو سید المرسلین اور خاتم النبیین کا۔

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

شرح صدر کے یہ معنی ہیں کہ علم سے سینہ کو کشادہ کر دے تاکہ دشمنوں کے مقابل اظہار حق میں قاصر نہ رہوں۔ مطلب تو صاف یہ ہے کہ اے رسول ہم نے تمہارے سینہ کو علم عطا فرما کر کشادہ نہیں کر دیا۔ ظاہر ہے کہ جہالت تنگی صدر کا باعث ہوا کرتی ہے۔

دوسرا احسان خدا نے یہ جتایا ہے کہ تم پر نبوت کا بھاری بوجھ تھا اور جو تمہاری کمر توڑے دیتا تھا۔ ہم نے اس کو علی کی خلافت اور وزارت سے ہلکا نہیں کر دیا۔ چونکہ آنحضرت خلافت علی کے اظہار کو بہت مشکل کام سمجھتے تھے لوگوں سے مخالفت کا خوف تھا اس لئے حضرت کی تسلی کو یہ بھی فرما دیا کہ ہر مشکل کے بعد آسانی ہے اور پھر اظہار کا وقت بھی مقرر فرما دیا کہ جب تم آخری حج سے فارغ ہو تو اپنا جانشین مقرر کر دو اور اس کے بعد خدا کی طرف چلے آؤ۔ علمائے اہلسنت سے کوئی پوچھے کہ اگر یہ مطلب نہیں تو پھر بتائیں حضور نے مرنے سے پہلے کس کو مقرر کیا۔

(۲۹۹) زمین کا کلام کرنا

پ ۳۰۔ الزلزال ۱۔ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا
وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا۔

جب زمین بڑے زوروں کے ساتھ زلزلہ میں آجائے گی اور اپنے اندر کے بوجھ (معدنیات) نکال پھینکے گی اس وقت انسان پوچھے گا کہ اس کو کیا ہو گیا

Marfat.com

ہے تو اس زدزدہ اپنے حالات بیان کرے گی۔)

صاحب تفسیر کبیر کا عام انسان مراد لینا قطعاً غلط ہے۔ عام انسان قیامت کے روز جب زمین میں زلزلہ آ رہا ہو گا کیا اس سے سوال کر سکتا ہے وہ تو خود گھبرایا ہوا ہو گا پوچھے بھی تو زمین اسے کیوں جواب دے گی اور اپنے واقعات اسے کیوں سنائے گی۔ پھر اگر کوئی شخص معین مراد نہ ہو تو کہاں سے انسان اس سے پوچھیں گے اور وہ سب کو جواب دے گی۔ مفسرین شیعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ انسان جن کو ابوتراب کہا جاتا ہے زمین سے پوچھنے کا حق رکھیں گے کہ تجھے کیا ہو گیا یہ زلزلہ کیوں آ رہا۔ اس وقت وہ ان سے اپنے تمام حالات شروع سے آخر تک بیان کر دے گی۔

تاریخوں میں یہ واقعہ پایا جاتا ہے کہ ایک بار مدینہ میں زلزلہ آیا۔ لوگ گھبرا گئے آخر امیرالمومنین کی خدمت میں آئے اور لوگوں کا خوف وہراس بیان کیا۔ آپ لوگوں کو ساتھ لیے ایک کھلے مقام پر آئے اور ایک جگہ ہاتھ رکھ کر فرمایا:۔ یَا اَرْضُ مَا لَكِ لَا تَسْكُنِیْ۔ (اے زمین تجھے کیا ہو گیا تو ساکن کیوں نہیں ہوتی) زمین اسی وقت ساکن ہو گئی کائنات پر یہ حق تصرف سوائے محمد وآل محمد اور کسی کو حاصل ہی نہیں۔

تمت بالخیر ۴ ماہ اگست ۱۹۷۴ء
مطابق ۵ شعبان المعظم ۱۳۹۴ھ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب مستطاب

رموز القرآن

جس میں

بعض آیات قرآنی کی تفسیر اور ان کے رموز و حقائق کو بیان کیا گیا ہے

ذاکرین و واعظین کے لئے بہترین تحفہ

حسب خواہش

الحاج ڈاکٹر سید ندیم الحسن صاحب نقوی ایم بی بی ایس

مصنفہ

حضرت ادیب اعظم الحاج مولانا سید ظفر حسن صاحب قبلہ امروہوی

مصنف دو صد و نہ کتاب

پبلشر و ناشر

شمیم بکڈپو ناظم آباد ۲ کراچی نمبر ۱۸

مطبوعہ: (سندھ آفسٹ پریس کراچی)

Marfat.com